

آسان فقہ

حصہ دوم

محمد یوسف اضلاحي

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳-۱ سی، شاہ عالم مارکٹ، لاہور (مغربی پاکستان)

اجلہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

طابع :	اشفاق مرزا، نیچنگ ڈائریکٹر
ناشر :	اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ
	۱۳- ای شاہ عالم مارکیٹ، لاہور
مطبع :	افضل شریف پرنٹرز لاہور -
اشاعت :	
پہلی تاساتوین :	جنوری ۱۹۷۶ء تا اگست ۱۹۷۶ء ۸۰۰۰
آٹھویں :	فروری ۱۹۸۰ء ۱۰۰۰
نویں :	جنوری ۱۹۸۱ء ۲۱۰۰
دسویں :	فروری ۱۹۸۲ء ۱۱۰۰
گیارہویں :	فروری ۱۹۸۳ء ۲۱۰۰
بارہویں :	جنوری ۱۹۸۴ء ۳۱۰۰
تیرھویں :	فروری ۱۹۸۵ء ۲۱۰۰
قیمت :	۷۷ روپے

— كتاب الزكاة

— كتاب الصوم

— كتاب الحج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعارُف

عرسے ایک ایسے مختصر فقہی مجبوعے کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو عام فہم اسلوب، آسان زبان اور جدید تصنیفی انداز میں ترتیب دیا گیا ہو تاکہ آسانی کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق وہ شرعی احکام و مسائل معلوم کیے جاسکیں جن کی عملی زندگی میں عام طور پر ہر مسلمان کو ضرورت ہے۔

پچھلے دس سال میں مختلف اطراف سے اس ضرورت کی اہمیت محسوس کرائی گئی رفقاء جماعت نے بھی بار بار تقاضا کیا، ناشر محترم نے بھی بار بار متوجہ کیا، اور خود مرتب بھی اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۶۰ء میں اس کا مفصل نقشہ کار بھی مرتب کر لیا، لیکن کام کا آغاز کیا ہی تھا کہ اپنی بیچھرائی اور بے مانگی کا شدید احساس ہوا۔ محترم انور شاہ کاٹھیریؒ نے کسی موقع پر فرمایا تھا، ”میں ہرفن پر مجتہدانہ گفتگو کر سکتا ہوں، لیکن فقہ پر مبتدیانہ گفتگو بھی نہیں کر سکتا“، چنانچہ اختلافات کی اس آماجگاہ میں اقوال و آراء کی بہتات دیکھ کر بہت جواب دینے لگی اور بجا طور پر یہ فیصلہ کیا کہ کوئی ایسے صاحب استعداد اس ضرورت کو پورا کریں جو فقہ سے طبعی مناسبت بھی رکھتے ہوں، اور وسیع تر علم و مطالعہ بھی، لیکن

انتظار کا دور طویل سے طویل تر ہوتا گیا اور امید کی کوئی کرن نظر نہ آئی۔

آخر کار پھر توملہ کیا، اور اپنے محدود علم و مطالعہ کے شدید احساس کے باوجود محض خدائے قادر و توانا کے بھروسے پر اس امداد سے کے تحت کام شروع کیا کہ اس موضوع پر کوئی تحقیقی اور اجتہادی کاوش نہ ہو یہ سعادت بھی کچھ کم نہیں کہ فقہ حنفی کی مستند اور رائج کتابوں کو جن پر علماء اور عوام سب ہی اعتماد کرتے ہیں نیز ان مجاہدوں کو جو وقت کے قابل اعتماد اصحاب علم و بصیرت نے جدید پیدا شدہ مسائل اور جدید سائنسی آلات کے احکام سے متعلق مرتب کیے ہیں، سامنے رکھ کر سادہ، آسان اور عام فہم انداز میں روزمرہ کی ضرورت کے احکام و مسائل پر مشتمل ایک ایسا مجموعہ ترتیب دیا جائے جس سے ہر ایک سہولت و اطمینان اور رغبت و شوق کے ساتھ استفادہ کر سکے، خدا کا شکر ہے کہ یہ دیرینہ آئندہ پوری ہوئی اور خدا کے فضل سے زیر ترتیب مجموعے کی پہلی جلد پیشتر شائع ہو کر مقبول ہوئی۔ اس وقت اس کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جو تین ابواب کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج پر مشتمل ہے، خدا سے دعا ہے کہ وہ جلد آخری جلد کی اشاعت کے لیے موقع عنایت فرمائے۔ جو معاشرت و معاملات کے احکام پر مشتمل ہوگی۔

یہ تو خدا ہی جانتا ہے اور اسی کی توفیق پر منحصر ہے کہ یہ مجموعہ ناظرین کے لیے کس حد تک مفید ہو سکے گا۔ البتہ خود مرتب کو اس علمی خدمت کے دوران غیر معمولی فوائد کے حصول کا موقع میسر آیا، اسلاف کے عظیم ترین علمی کارناموں اور حیران کن محنت و کاوش کو قریب سے دیکھ کر ان کی قدر و عظمت کا حقیقی احساس ہوا، عقیدت کو حقیقت کی بنیاد ملی، فکر و نظر کو وسعت اور جلا نصیب ہوئی اور یہ یقین بچستہ تر ہوتا

گیا، کہ ان ائمہ دین نے زندگیوں میں کھپا کر جو عظیم الشان علمی احسانات کیے ہیں ان سے امت
 دیکھی سبک دوش ہو سکتی ہے اور نہ کبھی بے نیاز۔

اس وقت عالم اسلام میں چار فقہیں رائج ہیں، فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور
 فقہ حنبلی، نیز ایک گروہ اور ہے جو ان فقہاء کی تقلید کا قائل نہیں ہے اور وہ براہ راست
 کتاب سنت سے مسائل و احکام معلوم کرنے کی تاکید کرتا ہے یہ لوگ سلفی یا اہل حدیث
 کہلاتے ہیں، یہ سارے ہی مسلک برحق ہیں، سب کی بنیاد کتاب سنت
 پر ہے ہر مکتب فکر نے زیادہ سے زیادہ کتاب و سنت کی روح اور منشا کو پاس کرنے کی
 فکر کی ہے اور ہر ایک کا اصل محرک یہ پاکیزہ ہند ہے کہ کتاب و سنت کی پیروی
 کا حق ادا ہو سکے۔

ان میں سے کسی مکتب فکر کی تفصیص و تحقیق کرنا، کسی پر طنز و تعریض کرنا، اور فقہی اور
 فردعی اختلافات کی بنیاد پر ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور گروہ بندیوں کی لعنت
 میں گرفتار ہو کر باہم دست و گریباں ہونا اہل حق اور اہل اخلاص کا شیوہ برگرہ نہیں،
 افہام و تفہیم، ترجیح و انتخاب، اور اظہار رائے تو ایک علمی ضرورت ہے، جس کی
 حوصلہ افزائی ہونا چاہیے، لیکن معمولی فقہی اختلافات کی بنیاد پر الگ الگ فرقتے بنا
 لینا اور اختلاف دلے رکھنے والے کو گمراہ اور خارج از دین قرار دے کر اس کے خلاف
 محاذ قائم کرنا فہم دین سے محرومی بھی ہے اور اسلاف کی سنت سے انحراف بھی۔

برصغیر میں اگرچہ ہر مسلک کے پیرو موجود ہیں، لیکن ان میں عظیم اکثریت حنفی مسلک
 ماننے والوں کی ہے، یہ کتاب آسمان فقہ، خاص طور پر انہی کے لیے مرتب کی گئی
 ہے، اس میں باہمی اختلافات سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف وہی متفقہ عملی

مسائل بیان کیے گئے ہیں، جن پر احتیاج کا عمل ہے اور جو عام طور پر پیش آتے ہیں، تاکہ عام مسلمان ذہنی غلط فہمی سے محفوظ رہتے ہوئے، یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ اپنے مسلک کے مطابق عمل کر سکیں۔

فقہ کی متداول کتابوں کے بعض مسائل پر وقت کے بعض قابل اعتماد علماء نے مزید غور و فکر کیا ہے اور عقلی و فنی دلائل کی روشنی میں اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے یا کسی تجویز کی سفارش کی ہے، اس طرح کی جس رائے یا تجویز کو مرتب نے صحیح اور دقیق سمجھا ہے ساسید میں اس کو نقل کر دیا ہے تاکہ جن لوگوں کو ان پر شرح صدر ہو وہ کسی تنگی کے بغیر اطمینان کے ساتھ اس پر عمل کر سکیں۔

مسائل و احکام بیان کرنے کے ساتھ عبادات و اعمال کی فضیلت و اہمیت پر بھی قرآن و سنت کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے تاکہ احکام معلوم ہونے سے پہلے احکام کی پیروی کے لیے ذہن و جذبات تیار ہو سکیں۔

حسب ضرورت جگہ جگہ فقہی اصطلاحات بھی استعمال کی گئی ہیں، اور ان کا انتقال ناگزیر ہے اس لیے بھی کہ مسلمان کے لیے ان سے واقف ہونا ضروری ہے اور اس لیے بھی کہ اصطلاح کے بجائے بار بار اس کے مفہوم و مراد کی تشریح بھی باعث طوالت بھی ہے، اور ذوق پر گراں بھی۔ البتہ کتاب کے آخر میں ان اصطلاحات کی ایک مستقل فہرست حروف تہجی کی ترتیب کے مطابق دے کر اصطلاح کے مفہوم و مراد کی وضاحت کر دی گئی ہے، تاکہ یک نظر تمام اصطلاحات کو یکجا دیکھا اور سمجھا جاسکے، اور یاد کرنے والوں کو بھی سہولت ہو اور ضرورت کے وقت آسانی کے ساتھ ہر اصطلاح کا مفہوم معلوم کیا جاسکے۔

رہا یہ مسئلہ کہ ہر دور کے تقاضوں کے پیش نظر مسلسل کے ساتھ فقہ اسلامی میں اجتہاد کی حقیقی پیش رفت ہونی چاہیئے تو یہ حیات قی کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہے دراصل فقہ ایک ایسا ترقی پذیر موضوع ہے جو نہ صرف ترقی پذیر زندگی کے ساتھ ارتقائی منزلیں طے کرتا ہے بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ راہ ہموار کر کے زندگی کے نوک پلک درست کرنا فقہ ہی کا کام ہے۔ فکر و اجتہاد کی قوتوں کو معطل اور بے دم کر کے وقت کے تقاضوں سے نا آشنا اور بے تعلق رہنا اور کتاب و سنت کی روشنی میں تعمیر حیات کا حق ادا نہ کرنا ملت کو زندگی کی رعنائیوں سے محروم رکھنے کی کھلی ہوئی علامت بھی ہے اور اس کا بنیادی سبب بھی۔ دراصل اسلام کو ایک برتر اور ابدی نظام کی حیثیت سے غالب اور نافذ دیکھنے کی آرزو رکھنے والے اسلام پسندوں کا فطری اور منصبی فریضہ ہے کہ وہ وقت کے تقاضوں پر گہری نظر رکھیں، انہیں سمجھنے کی حکیمانہ کوشش کریں اور آگے بڑھ کر علم و عمل کے ہر میدان میں اسلامی قانون کی برتری ثابت کریں اور درمصر ارتقا پذیر زندگی کا ساتھ دیں بلکہ اظہارِ دین اور غلبہ حق کے لیے مہم جہتی جدوجہد کر کے اپنے نصب العین (Ideal) کے مطابق اس کی تاریخ سازی کا حق ادا کریں۔

دین و ملت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے کہ ہر دور میں ارباب علم و فکر کا ایک ایسا گروہ (Team) موجود رہے، جس کے افراد نہ صرف یہ کہ دین کے علوم میں گہری بصیرت رکھتے ہوں بلکہ عملاً بھی ان کو دین سے حقیقی شغف ہو اور ان کی زندگیوں دین کی آئینہ داریوں، پھر وہ دورِ حاضر کے نئے پیدا شدہ مسائل اور نئے حالات سے بھی باخبر ہوں، اور حکمت و فراست، ترجیح و تمیز، انتخاب و اختیار اور حسن فیصلہ

کی اجتہادی قوتوں سے بھی بہرہ ور ہوں اور زندگی کے گوناگوں مسائل کو کتابِ سنت کی روح و منشا کے مطابق حل کرنے کا ملکہ بھی رکھتے ہوں، اور بحیثیت مجموعی اسلامی اقدار کے احیاء و نفاذ کی غیر معمولی تڑپ اور حکمت کار کے جوہروں سے بھی آراستہ ہوں۔

یہ گروہ ملت کا سرمایہٴ حیات ہے اور اس کے ساتھ بھرپور تعاون کرنا ملت کا اہم ترین فریضہ اور دین کا عین منشا ہے، اصلاً تو اس گروہ کی سرپرستی اور کفالت اسلامی نظامِ حکومت کا منصب ہے، لیکن جب اور جہاں مسلمان اپنی مجرمانہ غفلت کے نتیجے میں اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہوں وہاں بحیثیت مجموعی تمام مسلمانوں کا دینی اور فنی فرض ہے کہ وہ اس گروہ کی سرپرستی کریں اور اس کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھنے کی عادت ڈالیں۔ اس لیے کہ اس گروہ کا وجود نہ صرف ملت کے تحفظ و بقا کا ذریعہ ہے بلکہ اسلامی نظام کا تعارف اور قیام بھی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ کوئی بھی انسانی کوشش ہو وہ خطائے محفوظ نہیں ہو سکتی، اہل علم سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ جو غلطی اور کوتاہی محسوس کریں ضرور مطلع فرمائیں یہ ان کا فرض بھی ہے اور میرا حق بھی۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ اس خدمت کو شرف قبول بخشے اور مسلمانوں کے لیے اس کو نافع ثابت فرمائے، اور مرتب کے حق میں اس کو ذخیرہٴ آخرت اور بہانہٴ مغفرت بنائے۔ آمین۔

محمد ایوسف

۲۷ مئی ۱۹۶۹ء

فہرست مضامین

کتاب الزکوٰۃ

۳۲	۱ تعارف
۳۳	۲ اصطلاحات
۳۸	۳ زکوٰۃ کا بیان
۳۸	زکوٰۃ کی حیثیت اور مرتبہ
۳۹	زکوٰۃ کے معنی
۴۰	زکوٰۃ کی حقیقت
۴۳	نظام زکوٰۃ کا مقصد
۴۴	زکوٰۃ کچھ شرعیاتوں میں
۴۶	زکوٰۃ کی عظمت و اہمیت
۵۰	زکوٰۃ سے غفلت کا برونک انجام
۵۳	زکوٰۃ کی تاکید و ترغیب
۵۹	زکوٰۃ کا حکم
۵۹	۴ زکوٰۃ اور ٹیکس میں بنیادی فرق
۶۱	۵ زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطیں

- ۶۵ ۶ ادائے زکوٰۃ صحیح ہونے کی شرطیں
- ۶۶ ۷ زکوٰۃ واجب ہونے کے چند مسائل
- ۶۹ ۷ زکوٰۃ ادا کرنے کے مسائل
- ۷۵ ۸ مسئلہ تملیک
- ۸۲ ۹ نصاب زکوٰۃ
- ۸۲ معاشی توازن
- ۸۳ ۱۰ نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ
- ۸۵ سونے اور چاندی کا نصاب
- ۸۶ سکوں اور نوٹوں کی زکوٰۃ
- ۸۷ درہم کے وزن کی تحقیق
- ۸۸ اموال تجارت کی زکوٰۃ
- ۸۹ ۱۱ زیور کی زکوٰۃ
- ۹۲ ۱۲ شرح زکوٰۃ
- ۹۴ ۱۳ وہ چیزیں جن پر زکوٰۃ نہیں ہے
- ۹۶ ۱۴ جانوروں کی زکوٰۃ
- ۹۷ بھیڑ بکری کا نصاب اور شرح زکوٰۃ
- ۹۸ گائے بھینس کا نصاب اور شرح زکوٰۃ
- ۱۰۰ اونٹ کا نصاب اور شرح زکوٰۃ
- ۱۰۱ ادائے زکوٰۃ کے لیے ایک ضروری وصاحت

- ۱۰۲ مصارف زکوٰۃ ۱۵
- ۱۰۸ مصارف زکوٰۃ کے چند مسائل
- ۱۰۹ وہ لوگ جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں
- ۱۱۱ زکوٰۃ کے متفرق مسائل ۱۶
- ۱۱۴ عشر کا بیان ۱۷
- ۱۱۴ عشر کا شرعی حکم
- ۱۱۵ عشر کی شرح
- ۱۱۵ کن چیزوں میں عشر واجب ہے
- ۱۱۷ عشر کے مسائل ۱۸
- ۱۲۰ رکاز کے مسائل ۱۹
- ۱۲۱ صدقہ فطر کا بیان ۲۰
- ۱۲۱ صدقہ فطر کے معنی
- ۱۲۱ صدقہ فطر کی حکمت اور فوائد
- ۱۲۲ صدقہ فطر کا حکم
- ۱۲۴ صدقہ فطر واجب ہونے کا وقت
- ۱۲۵ صدقہ فطر ادا کرنے کا وقت
- ۱۲۵ کس کس کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔
- ۱۲۶ صدقہ فطر کی مقدار
- ۱۲۷ صدقہ فطر کے متفرق مسائل ۲۱

کتاب الصوم

- ۱۲۹
- ۱۳۱ ۱ روزے کا بیان
- ۱۳۱ ۲ رمضان المبارک کے فضائل
- ۱۳۱ رمضان کی عظمت و فضیلت قرآن میں
- ۱۳۲ فضیلت رمضان کے وجوہ
- ۱۳۴ رمضان کی عظمت و فضیلت حدیث میں
- ۱۳۵ رمضان کی عظمت و اہمیت تاریخ میں
- ۱۳۶ روزے کے معنی
- ۱۳۶ روزے کی فرضیت کا حکم
- ۱۳۶ روزے کی اہمیت
- ۱۳۷ روزے کا مقصد
- ۱۳۸ حقیقی روزہ
- ۱۳۹ روزے کی فضیلت
- ۱۴۲ ۳ رویت ہلال کے احکام
- ۱۴۶ نیا چاند دیکھنے کی دعا
- ۱۴۷ ۴ روزے کی قسمیں اور ان کا حکم
- ۱۴۷ (۱) فرض روزے
- ۱۴۸ (۲) واجب روزے

- ۱۴۸ (۳) مسنون روزے
- ۱۴۸ (۴) نفلی روزے
- ۱۴۹ (۵) مکروہ روزے
- ۱۴۹ (۶) حرام روزے
- ۱۴۹ ۵ روزے کی شرطیں
- ۱۵۰ روزے کے شرائط و وجوب
- ۱۵۰ روزے کے شرائط و صحت
- ۱۵۱ ۴ روزے کے فرائض
- ۱۵۱ ۷ روزے کے سنن و مستحبات
- ۱۵۲ ۸ روزے کے منسدرات
- ۱۵۲ ۹ وجوب کفارہ سے متعلق اصولی باتیں
- ۱۵۴ وہ صورتیں جن سے قضا واجب ہے
- ۱۵۶ وہ صورتیں جن میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔
- ۱۵۷ وہ امور جن سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے
- ۱۵۹ وہ امور جن سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا
- ۱۶۲ ۱۰ روزے کی نیت کے مسائل
- ۱۶۶ ۱۱ سحری اور افطار
- ۱۶۷ سحری میں تاخیر
- ۱۶۷ افطار میں تعجیل

- ۱۶۹ کس چیز سے افطار مستحب ہے
- ۱۷۰ افطار کی دُعا
- ۱۷۰ افطار کے بعد کی دُعا
- ۱۷۱ افطار کرنے کا اجر و ثواب
- ۱۷۱ بے سحری کا روزہ
- ۱۷۳ ۱۲ وہ معذوریات جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے
- ۱۷۴ (۱) سفر
- ۱۷۵ (۲) بیماری
- ۱۷۶ (۳) حمل
- ۱۷۶ (۴) ارضاع
- ۱۷۷ (۵) بھوک پیاس کی شدت
- ۱۷۷ (۶) ضعف اور بڑھاپا
- ۱۷۷ (۷) خوفِ ہلاکت
- ۱۷۸ (۸) جہاد
- ۱۷۸ (۹) بے ہوشی
- ۱۷۸ (۱۰) جنون
- ۱۷۸ ۱۳ وہ صورتیں جن میں روزہ توڑنا جائز ہے
- ۱۸۰ ۱۴ قضا روزوں کے مسائل
- ۱۸۱ ۱۵ کفارہ اور اس کے مسائل

۱۶ فدیہ

۱۸۳

فدیہ کی مقدار

۱۸۴

۱۰ فدیہ کے مسائل

۱۸۴

۱۸۷

۱۷ روزے کے آداب و احکام

۱۸۸

۱۸ نقلی روزوں کی فضیلت اور مسائل

۱۸۹

یوم عاشورہ کا روزہ

۱۹۱

یوم عرفہ کا روزہ

۱۹۲

ایام بیض کے روزے

۱۹۲

پیر اور جمعرات کا روزہ

۱۹۳

نقلی روزوں کے متفرق مسائل

۱۹۵

۱۹ نماز تراویح کا بیان

۱۹۵

نماز تراویح کا حکم

۱۹۶

نماز تراویح کی فضیلت

۱۹۷

نماز تراویح کا وقت

۱۹۸

نماز تراویح کی جماعت

۲۰۰

نماز تراویح کی رکعتیں

۲۰۱

ترویح میں کیا عمل کیا جائے؟

۲۰۲

۲۰ نماز وتر کی جماعت

۲۰۳

۲۱ تراویح میں ختم قرآن

۲۰۴

ضروری ہدایت

۲۰۵

۲۲ نماز تراویح کے متفرق مسائل

۲۱۱

۲۳ تلاوت قرآن کے آداب

۲۱۱

(۱) طہارت

۲۱۲

(۲) اخلاص نیت

۲۱۲

(۳) پابندی اور التزام

۲۱۴

(۴) تجویز و خوش الحانی

۲۱۵

(۵) قرآن سننے کا اہتمام

۲۱۶

(۶) غور و تدبیر

۲۱۹

(۷) یکسوئی اور عاجزی

۲۱۹

(۸) تعوذ و تسبیح

۲۲۰

(۹) اثر پیری

۲۲۰

(۱۰) آواز میں اعتدال

۲۲۱

(۱۱) تہجد میں تلاوت کا اہتمام

۲۲۱

(۱۲) قرآن میں دیکھ کر تلاوت کا اہتمام

۲۲۱

(۱۳) ترتیب کا لحاظ

۲۲۲

(۱۴) دلبستگی اور انہماک

۲۲۲

(۱۵) تلاوت کے بعد دعا

۲۲۲

۲۲۴

۲۴ سجدہ تلاوت کا بیان

۲۲۴	سجدہ تلاوت کا حکم
۲۲۵	سجدہ تلاوت کے مقامات
۲۲۹	۲۵ سجدہ تلاوت کی شرطیں
۲۳۰	سجدہ تلاوت کا طریقہ
۲۳۲	سجدہ تلاوت کے مسائل
۲۳۵	سجدہ شکر۔
۲۳۶	۲۶ اعتکاف کا بیان
۲۳۶	اعتکاف کے معنی
۲۳۶	اعتکاف کی حکمت
۲۳۷	۲۷ اعتکاف کی قسمیں
۲۳۷	اعتکاف واجب
۲۳۷	اعتکاف مستحب
۲۳۷	اعتکاف سنت مؤکدہ
۲۳۸	افضل ترین اعتکاف
۲۳۹	۲۸ اعتکاف کی شرطیں
۲۳۹	(۱) مسجد میں قیام
۲۳۹	(۲) نیت
۲۴۰	(۳) حدیث اکبر سے پاک ہونا
۲۴۰	(۴) روزہ

- ۲۴۰ اعتکاف کے احکام
- ۲۴۲ اعتکافِ سنون کا وقت
- ۲۴۲ اعتکاف واجب کا وقت
- ۲۴۲ اعتکاف مستحب کا وقت
- ۲۴۳ حالتِ اعتکاف میں مستحب امور
- ۲۴۳ وہ امور جو اعتکاف میں جائز ہیں۔
- ۲۴۵ وہ امور جو اعتکاف میں ناجائز ہیں
- ۲۴۶ لیلة القدر
- ۲۴۶ لیلة القدر کے معنی
- ۲۴۷ لیلة القدر کی تعیین
- ۲۴۹ لیلة القدر کی خاص دُعا
- ۲۵۰ صدقہ فطر کے احکام

کتاب الحج

۲۵۵	۱- حج کا بیان
۲۵۶	حج کے معنی
۲۵۶	حج ایک جامع عبادت
۲۵۸	حج کی حقیقت
۲۶۱	حج کی عظمت و اہمیت
۲۶۴	حج کی فضیلت و ترغیب
۲۶۸	۲- وجوب حج کی شرطیں
۲۶۲	۳- صحت حج کی شرطیں
۲۶۳	۴- حج کے احکام
۲۶۵	۵- میقات اور اس کے احکام
۲۶۵	(۱) ذوالحلیفہ
۲۶۶	(۲) ذاتِ عرق
۲۶۶	(۳) مخفہ
۲۶۶	(۴) قرن المنازل
۲۶۶	(۵) میلہ

- ۲۷۸ -۶ حج کے فرائض
- ۲۷۸ -۷ احرام اور اس کے مسائل
- ۲۷۹ حالت احرام میں ممنوع کام
- ۲۸۱ حالت احرام میں جائز کام
- ۲۸۲ احرام کا طریقہ
- ۲۸۳ -۸ تلبیہ اور اس کے مسائل
- ۲۸۴ تلبیہ کی حکمت و فضیلت
- ۲۸۶ تلبیہ کے بعد کی دعا
- ۲۸۷ -۹ وقوف اور اس کے مسائل
- ۲۹۰ میدان عرفات کی دعائیں
- ۲۹۲ طواف اور اس کے مسائل
- ۲۹۶ بیت اللہ کی عظمت و مرتبہ
- ۲۹۸ طواف کی فضیلت
- ۳۰۰ استلام
- ۳۰۱ رکن یمنی کی دعا
- ۳۰۱ -۱۱ طواف کی قسمیں اور ان کے احکام
- ۳۰۴ -۱۲ طواف کے واجبات
- ۳۰۶ طواف کی دعا
- ۳۰۸ طواف کے مسائل

- ۳۰۹ -۱۳ رمل
- ۳۱۰ -۱۴ اضطباع
- ۳۱۱ -۱۵ حج کے واجبات
- ۳۱۲ -۱۶ سعی
- ۳۱۳ سعی کی حقیقت و حکمت
- ۳۱۵ سعی کے مسائل
- ۳۱۶ سعی کا طریقہ اور دعائیں
- ۳۲۰ -۱۶ رمی
- ۳۲۰ رمی کی حقیقت و حکمت
- ۳۲۱ رمی کے مسائل
- ۳۲۴ رمی کا طریقہ اور دعا
- ۳۲۶ -۱۸ خلق یا تقصیر کے مسائل
- ۳۲۹ -۱۹ قربانی کا بیان
- ۳۲۹ انسانی تاریخ کی سب سے پہلی قربانی
- ۳۳۰ قربانی تمام الہی شریعتوں میں
- ۳۳۱ قربانی ایک عظیم یادگار
- ۳۳۳ نبیؐ سے خطاب
- ۳۳۴ قربانی تمام امت کے لیے ہے۔
- ۳۳۵ قربانی کے روحانی مقاصد

- ۳۳۷ قربانی کی رُوح
- ۳۳۸ ادنیٰ کی قربانی کا رُوحانی منظر
- ۳۳۹ قربانی کا طریقہ اور دعا
- ۳۴۰ قربانی کی فضیلت و تاکید
- ۳۴۳ ۲۰۔ قربانی کے احکام و مسائل
- ۳۴۳ قربانی کرنے والے کے لیے مسنون عمل
- ۳۴۴ قربانی کے ہانور اور ان کے احکام
- ۳۴۷ قربانی کا حکم
- ۳۴۹ قربانی کے ایام اور وقت
- ۳۵۰ ۲۱۔ قربانی کے متفرق مسائل
- ۳۵۲ مُردوں کی طرف سے قربانی
- ۳۵۴ ۲۲۔ ہدی کا بیان
- ۳۵۷ ۲۳۔ آپ زمر اور اُس کے آدابِ دعا
- ۳۶۰ ۲۴۔ مُلتزم اور اس کی دعا
- ۳۶۳ ۲۵۔ قبولیت دعا کے مقامات
- ۳۶۵ ۲۶۔ عمرہ
- ۳۶۶ عمرہ کے مسائل
- ۳۶۸ ۲۷۔ حج کی قسمیں
- ۳۶۸ ۲۸۔ حج افراد

- ۳۶۸ - ۲۹ حج قرآن
- ۳۶۹ قرآن کے مسائل
- ۳۷۰ - ۳۰ حج تمتع
- ۳۷۱ تمتع کے مسائل
- ۳۷۴ - ۳۱ نبی عربی کا رخصتی حج
- ۳۸۶ - ۳۲ جنایت کا بیان
- ۳۸۶ حرم مکہ اور اس کی عظمت
- ۳۸۹ - ۳۳ جنایات حرم
- ۳۹۰ - ۳۴ جنایات احرام
- ۳۹۱ وہ جنایات جن میں دو قربانیاں واجب ہیں
- ۳۹۱ وہ جنایات جن میں ایک قربانی واجب ہے
- ۳۹۴ وہ جنایات جن میں صرف صدقہ واجب ہے
- ۳۹۵ اصولی ہدایات
- ۳۹۷ - ۳۵ شکار کی جزا
- ۳۹۸ شکار اور جزا کے مسائل
- ۴۰۱ - ۳۶ احصار کا بیان
- ۴۰۲ احصار کی چند صورتیں
- ۴۰۲ احصار کے مسائل
- ۴۰۳ - ۳۷ حج بدل

- ۲۰۵ حج بدل صحیح ہونے کی شرطیں
- ۴۰۸ ۳۸۔ مدینہ منورہ کی سامعری
- ۴۰۸ مدینہ طیبہ کی عظمت و فضیلت
- ۴۱۳ مسجد نبویؐ کی عظمت
- ۴۱۴ روضہ اقدس کی زیارت
- ۴۱۵ روضہ اقدس کی زیارت کا حکم
- ۴۱۸ ۳۹۔ مقاماتِ حج

اصطلاحات

۱۔ احرام۔ حج کی نیت کر کے حج کا لباس پہننے اور تلبیہ پڑھنے کو احرام کہتے، احرام باندھنے والے کو محرم کہتے ہیں۔ جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد کھانا پینا، چلنا پھرنا وغیرہ سب حرام ہو جاتا ہے، اسی طرح احرام باندھ لینے کے بعد بہت سے وہ کام ممنوع ہو جاتے ہیں جو پہلے مباح تھے، اسی لیے اس کو احرام کہتے ہیں۔

۲۔ احصار۔ احصار کے لغوی معنی روکنے اور باز رکھنے کے ہیں۔ اصطلاح میں احصار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حج یا عمرے کی نیت کر لے اور پھر وہ حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا جائے، ایسے شخص کو اصطلاح میں محصر کہتے ہیں۔

۳۔ استلام۔ استلام کے لغوی معنی ہیں چھونا اور بوسہ دینا۔ اور اصطلاح میں استلام سے مراد ہے حجر اسود کو بوسہ دینا اور رُکنِ یمانی کو چھونا۔ طواف کا ہر چکر شروع کرتے وقت اور ہر طواف کے ختم پر حجر اسود کا استلام کرنا سنت ہے اور رُکنِ یمانی کا استلام مستحب ہے۔

۴۔ اضطباع۔ چادر وغیرہ کو اس طرح اوڑھنا کہ اس کا ایک کنارہ دلہنے شانے پر ڈالنے کے بجائے داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اوڑھا جائے، اور داہنا شانہ کھلا رہے، یہ عمل خجستی اور قوت ظاہر کرنے کے لیے کیا جاتا ہے کہ خدا کے سپاہی، دینی کی دشمن طاقتوں سے لڑنے کے لیے ہر وقت کمر بستہ ہیں۔

۵۔ اعتکاف۔ اعتکاف سے مراد یہ ہے کہ آدمی کچھ وقت کے لیے دنیوی تعلقات اور مصروفیات سے الگ ہو کر کسی مسجد میں جا بیٹھے اور وہاں ذکر و فکر اور یاد الہی میں رہے رمضان کے آخری عشرے میں یہ عمل کرنا سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔

۶۔ آفاقی۔ میقات سے باہر کے علاقوں میں رہنے والوں کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں، ان کے بعض مسائل میقات کے اندر رہنے والوں سے مختلف ہیں اس لیے اس اصطلاح کو سمجھنا ضروری ہے۔

۷۔ افراد۔ افراد حج کی ایک قسم ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ حج کرنے والا صرف حج کی نیت کرے۔ حج کے ساتھ عمرے کی نیت نہ کرے، حج افراد کرنے والے کو ”مفرد“ کہتے ہیں۔

۸۔ الإمام۔ الإمام کے معنی ہیں اتر پڑنا، اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی عمرے کا احرام کھولنے کے بعد اپنے گھر کے لوگوں میں اتر پڑے، حج تمتع کرنے والے کے لیے عمرے اور حج کے درمیان الإمام کرنا جائز نہیں۔ مسئلہ صفحہ ۱۳۰ پر دیکھیے۔

۹۔ اوقیہ۔ ایک وزن ہے جو پالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔

۱۰۔ ایام بیض۔ ہر مہینے کی تیرہویں چودھویں اور پندرہویں تاریخوں کو ایام بیض یعنی روشن ایام کہتے ہیں۔

۱۱۔ ایام تشریق۔ ماہ ذوالحجہ کی ۱۱، ۱۲، ۱۳ تاریخ کو ایام تشریق کہتے ہیں اور ذوالحجہ کی ۹ تاریخ کو ”یوم عرفہ“ اور ۱۰ تاریخ کو ”یوم نحر“ کہتے ہیں، اور ان پانچوں ایام کو ملا کر بھی ایام تشریق کہتے ہیں۔

۱۲۔ تخلیق و مقصیر۔ تخلیق کے معنی ہیں سرمنڈانا اور تقصیر کے معنی ہیں ٹل کترانا، حج کے ارکان سے فارغ ہونے کے بعد سرمنڈانا یا کترانا واجب ہے۔

۱۳۔ تلبیہ۔ زائرِ حرم کی ایک مخصوص دعا جس کو وہ برابر پڑھتا رہتا ہے، ہر نشیب میں اُترتے ہوئے ہر بلندی پر چڑھتے ہوئے، ہر فرض نماز سے فارغ ہو کر، ہر نئے قافلے سے ملاقات کے وقت اور ہر صبح و شام غرض حج کے دوران برابر اس دعا کا ورد رہتا ہے، تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ
وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ۔

۱۴۔ تمتع۔ تمتع حج کی ایک قسم ہے، تمتع کے لغوی معنی ہیں کچھ وقت کے لیے فائدہ اٹھانا اور اصطلاح میں حج تمتع یہ ہے کہ آدمی حج اور عمرہ ساتھ ساتھ کرے لیکن اس طرح کہ دونوں کے لیے الگ الگ احرام باندھے اور عمرہ کر لینے کے بعد احرام کھول کر ان ساری چیزوں سے فائدہ اٹھائے جو احرام کی حالت میں منع ہو گئی تھیں اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج کے ارکان ادا کرے، چونکہ اس طرح عمرے اور حج کے درمیان کچھ وقت کے لیے احرام کھول کر حلال ہونے کا فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے اس لیے اس کو حج تمتع کہتے ہیں۔ اور ایسے شخص کو تمتع کہتے ہیں۔

۱۵۔ تملیک۔ تملیک کے معنی ہیں مالک بنانا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کا مالک جس کے حوالے کیا جائے اس کو مالک بنا دیا جائے کہ وہ جیسے چاہے خرچ کرے۔

۱۷۔ جنابیت۔ جنایت کے لغوی معنی ہیں کوئی ممنوع اور بُرا کام کرنا، لیکن حج کے سلسلے میں اس اصطلاح سے مراد کوئی ایسا ممنوع کام کرنا ہے جو حرم میں ہونے کی وجہ سے یا حالتِ احرام میں ہونے کی وجہ سے ممنوع ہو۔ جنابیت ہو جانے کی صورت میں اس کا تاوان قربانی یا صدقے کی شکل میں دینا واجب ہوتا ہے۔

۱۷۔ جہال۔ جہال کے معنی ہیں لڑائی جھگڑا کرنا۔ لڑائی جھگڑا تو بہر حال ناپسندیدہ ہے لیکن چونکہ حج کے دوران بڑا ازدحام ہوتا ہے اس لیے قدم قدم پر اس سے بچنے کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیئے۔

۱۸۔ حرام۔ جس بُرے کام سے بچنا قرآن نے ہر مسلمان پر فرض کر دیا ہے اس کو حرام کہتے ہیں۔

۱۹۔ درہم۔ درہم جس کا وزن دو ماٹھے اور ڈیڑھ رقی کے برابر ہوتا ہے۔
۲۰۔ دمِ احصار۔ عمرے یا حج کی نیت کر لینے کے بعد کوئی شخص کسی وجہ سے حج یا عمرہ ادا کرنے سے روک دیا جائے تو اس کو حسبِ مقدور قربانی دینی ہوتی ہے، اس قربانی کو دمِ احصار کہتے ہیں یعنی وہ خون جو احصار کی وجہ سے واجب ہوا ہے۔

۲۱۔ رفث و رفثیہ۔ مراد جنسی فعل یا اس سے متعلق گفتگو کرنا ہے، حج کے دوران فیصل اور اس طرح کی گفتگو ممنوع ہے، اشاروں میں بھی اس طرح کی کوئی بات نہ کرنا چاہیئے۔

۲۲۔ رکاز۔ رکاز سے مراد وہ چیزیں ہیں جو زمین کے اندر ہوں خواہ کسی کی دفن کردہ یا

قدرتی طور پر ہوں۔

۲۳۔ رکن۔ رکن ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر اس چیز کے قائم ہونے کا دار و مدار ہو۔
 ۲۴۔ نفل۔ طواف کے پہلے تین چکروں میں شانے ہلاتے ہوئے تیز تیز چلنے کو رمل کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سہ ہجری میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے مکہ تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا ان لوگوں کا سال کیا ہو رہا ہے! دراصل مدینے کی آپ دہزا کی خرابی کا اثر تھا، اور سب ہی کمزور ہو گئے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس گفتگو کا پتہ چلا تو آپؐ نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں لوگ رمل کریں یعنی دُکی جاں چلیں اور قوت و طاقت کا مظاہرہ کریں۔

۲۵۔ رمی۔ لغت میں رمی، پھینکنے اور نشانہ لگانے کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں رمی سے مراد حج کا وہ عمل ہے جس میں حاجی تین ستونوں پر کنکریاں مارتا ہے۔ مٹی میں کچھ کچھ فاصلے سے تین ستون بنے ہوئے ہیں ان کو حبرات کہتے ہیں، ان حبرات پر کنکریاں مارتا، یعنی رمی کرنا واجب ہے۔

۲۶۔ زکوٰۃ۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں پاک کرنا، بڑھانا اور نشوونما دینا اصطلاح میں سال گزرنے پر اپنے مال و دولت میں سے شریعت کے مقرر کیے ہوئے حصے کو نکالنے کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔

۲۷۔ سائٹہ۔ سائٹہ سے مراد وہ جانور ہیں جن کا گزارہ جنگل اور میدان کی گھاس پر ہوان کے لیے چارہ جیٹا نہ کیا جاتا ہو اور وہ دودھ اور افزائش نسل کی غرض سے پالے گئے ہوں۔

۲۸۔ سعی۔ لغت میں سعی کے معنی نہیں اہتمام سے چلنا، دوڑنا اور کوشش کرنا۔ اصطلاح میں سعی سے مُراد حج کا وہ عمل ہے جس میں زائرِ حرم صفا اور مروہ نامی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا ہے، آج کل ان دونوں پہاڑیوں کا معمولی سا نشان باقی ہے، صفا اور مروہ کے درمیان سعی واجب ہے۔

۲۹۔ سنت۔ سنت وہ فعل ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے کیا ہو۔

۳۰۔ شرط۔ شرط کسی کام کے صحیح ہونے کا مدار جس چیز پر ہوتا ہے اس کو شرط کہتے ہیں۔

۳۱۔ شوط۔ شوط کے معنی ہیں چکر لگانا اور اصطلاح میں شوط سے مُراد بیت اللہ کے گرد ایک چکر لگانا ہے۔

۳۲۔ صاع۔ صاع ایک پیمانہ ہے جو اسی روپے والے میر کے حساب سے دو سیر اور تقریباً چھ چمٹاں تک ہوتا ہے یعنی دو کلو اور دو سو بیس گرام (۲،۲۲۰)۔

۳۳۔ صوم۔ صوم یا صیام کے معنی ہیں کسی چیز سے رُک جانا اور اس کو ترک کر دینا اصطلاح میں آدمی کے صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہنا۔

۳۴۔ ضرورتِ اصلیہ۔ ضرورتِ اصلیہ سے مراد وہ بنیادی ضرورتیں ہیں جن پر انسانی زندگی کی بقا اور عزت و آبرو کی حفاظت کا دار و مدار ہے۔

۳۵۔ طوافِ قدوم۔ کتب میں داخلے کے بعد سب سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ قدوم کہتے ہیں، طوافِ قدوم کو طوافِ تحیہ

اور طوافِ بقار بھی کہتے ہیں۔ طوافِ قدوم صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر کے باشندے ہوں جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔

۳۶۔ طوافِ زیارت۔ طوافِ زیارت حج کا ایک رکن ہے، وقوفِ عرفات کے بعد ار فدا الحجہ کو جو طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ زیارت یا طوافِ افاضہ کہتے ہیں، طوافِ زیارت فرض ہے اور اس کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے۔

۳۷۔ طوافِ وداع۔ بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت جو آخری طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ وداع یا طوافِ صدر کہتے ہیں۔ یہ طواف بھی آفاقی پر واجب ہے، اس طواف کے بعد ملتزم سے چمٹ چمٹ کر اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ پکڑ کر انتہائی گریہ و زاری کے ساتھ دعا مانگنا چاہیے۔ یہ بیت اللہ سے رخصت کا وقت ہے معلوم نہیں پھر کب یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے،

”کوئی شخص طوافِ رخصت کیے بغیر بیت اللہ سے واپس نہ ہو“

مگر اس خاتون کے لیے اجازت ہے جو سالت حیض میں ہو۔

۳۸۔ حاملینِ زکوٰۃ۔ حاملینِ زکوٰۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی تحصیل، تقسیم اور حساب کتاب نیز مالِ زکوٰۃ کی حفاظت کے کام پر مامور ہوں۔

۳۹۔ غُشْر۔ غُشْرِ زَیْن کی پیداوار میں جو دُمواں یا بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے اُس کو غُشْر کہتے ہیں بارانی زمینوں میں دُمواں حصہ دینا ہوتا ہے اور ان زمینوں میں بیسواں حصہ دینا ہوتا ہے جو مصنوعی ذرائع سے سیراب کی جاتی ہیں۔

۴۰۔ عُمُرہ۔ عُمُرہ کے معنی ہیں آباد مکان کا ارادہ کرنا، زیارت کرنا اور اصطلاح میں اس سے مراد وہ چھوٹا حج ہے جو ہر وقت ہو سکتا ہے، اس کے لیے کوئی خاص مہینہ اور دن مقرر نہیں ہے جس وقت جی چاہے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف کریں، سعی کریں، اور تھلقل یا تقصیر کر کے احرام کھول دیں۔ عُمُرہ حج کے ساتھ بھی کیا جاسکتا ہے اور حج سے علیحدہ بھی۔ عُمُرہ کرنے والے کو مُعْتَمِر کہتے ہیں۔

۴۱۔ فَدِیہ۔ فَدِیہ روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں شریعت نے معذور کو یہ سہولت دی ہے کہ وہ اس کے بدلے صدقہ فطر کے بقدر کسی محتاج کو غلہ دے دے یا صبح و شام دونوں وقت کھانا کھلا دے اس کو اصطلاح میں فَدِیہ کہتے ہیں فَدِیہ میں غلہ دینا اور کھانا کھلانا بھی درست ہے اور غلے کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

۴۲۔ فَرَض۔ فرض وہ فعل جس کا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ اور جو شخص کسی عذر کے بغیر ترک کرے وہ فاسق اور مستحق عذاب ہے۔

۴۳۔ قُرْآن۔ قرآن کے لغوی معنی ہیں دو چیزوں کو باہم ملانا اور اصطلاح شرع میں قرآن یہ ہے کہ آدمی حج اور عمرے کا احرام ایک ساتھ باندھ کر دونوں کے ارکان ادا کرے، حج قرآن کہنے والے کو قارن کہتے ہیں، حج قرآن، حج افراد اور حج تمتع دونوں سے افضل ہے۔

۴۴۔ قیراط۔ ایک قیراط پانچ جو کے برابر ہوتا ہے اور بیس قیراط کا ایک مثقال ہوتا ہے۔

۴۵۔ کفارہ۔ کسی شرعی کوتاہی کی تلافی کے لیے شریعت نے جو عمل بتایا ہے اس کو کفارہ کہتے ہیں۔

۴۶۔ لیلة القدر۔ رمضان المبارک کی اس مبارک رات کو کہتے ہیں جس میں قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا، رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے جس کو لیلة القدر کہتے ہیں لیلة القدر کو قرآن میں لیلة مبارکہ بھی کہا گیا ہے یہ ایک رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

۴۷۔ متمتع۔ حج تمتع کرنے والے شخص کو متمتع کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو عمرہ کر کے احرام کھول دے اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج کے ارکان ادا کرے۔

۴۸۔ منقال۔ ایک وزن کا نام ہے جو تین ماشے اور ایک رقی کے برابر ہوتا ہے۔

۴۹۔ محرم۔ جو شخص میقات سے حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتا ہے اس کو محرم کہتے ہیں۔

۵۰۔ "محصّر۔ حج یا عمرے کا ارادہ کر لینے کے بعد جو شخص حج یا عمرے سے روک دیا جائے اس کو "محصّر" کہتے ہیں، حج سے روکے جانے کی صورت میں محصر پر حسب تقدور قربانی واجب ہوتی ہے جس کو دم احصار کہتے ہیں۔

۵۱۔ مفرد۔ جو شخص صرف حج کا احرام باندھے اس کو "مفرد" کہتے ہیں اور ایسے حج کو حج افراد کہتے ہیں۔

۵۲۔ مکروہ تنزیہی۔ وہ فعل جس سے بچنے میں اجر و ثواب تو ہے لیکن جو شخص نہ

بچے وہ گنہگار بھی نہیں ہے۔

۵۳۔ مکروہ تحریمی۔ ہر وہ فعل جس سے بچنا مسلمان کے لیے واجب ہے جو شخص کسی واقعی عذر کے بغیر اس کو اختیار کرے وہ سخت گنہگار ہے البتہ اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔

۵۴۔ میقات۔ میقات سے مراد وہ خاص اور مستعین مقام ہے جس پر احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ جانا جائز نہیں کسی بھی غرض سے کوئی مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ میقات پہنچ کر احرام باندھ لے احرام باندھے بغیر میقات سے آگے بڑھنا مکروہ تحریمی ہے مختلف ممالک کے رہنے والوں اور ان ممالک کی طرف سے آنے والوں کے لیے پانچ میقات مقرر ہیں۔

۵۵۔ واجب۔ واجب سے مراد وہ عمل ہے جس کا کرنا ہر مسلمان کے لیے فرض کی طرح لازمی ہے جو شخص اس کو بغیر اہم اور معمولی سمجھ کر چھوڑ دے یا کسی عذر کے بغیر ترک کرے وہ فاسق، گمراہ اور مستحق عذاب ہے یہ سنت مؤکدہ سے زیادہ اہم اور ضروری ہے البتہ واجب کے منکر کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔

۵۶۔ وقت۔ وقت سے مراد ایک اونٹ کا وزن ہے جو ساٹھ (۶۰) صاع کا ہوتا ہے۔
۵۷۔ وقوف۔ وقوف کے معنی ہیں کھڑا ہونا اور ٹھہرنا، حج کے دوران تین مقامات پر وقوف کرنا ہوتا ہے، عرفات میں وقوف، مزدلفہ میں وقوف، اور منیٰ میں وقوف۔ وقوف کرنے کا مطلب ہے کہ آدمی ان مقامات پر پہنچ جائے، وقوف کی نیت کرنا اور وہاں کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اہل حدیث کے نزدیک وقوف کی نیت کرنا بھی شرط ہے۔
سب سے اہم وقوف، وقوف عرفات ہے۔ وقوف عرفات کا وقت

۹ ذوالحجہ کو بعد زوال، ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ہے، اس لیے اسی وقت پہنچ جانا چاہیے، لیکن چونکہ یہ حج کارکن اعظم ہے اور اسی پر ادائے حج کا دارومدار ہے اس لیے اس کے وقت میں کشادگی دے کر سہولت دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ۹، ۱۰ ذوالحجہ کی درمیانی شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے کسی وقت بھی لمحے بھر کے لیے عرفات پہنچ جائے تو اس کا وقوف معتبر ہوگا اور اس کا حج ادا ہو جائے گا۔ مزدلفے میں وقوف واجب ہے اور منیٰ میں وقوف مسنون ہے۔

۵۸۔ ہدی۔ ہدی کے لغوی معنی ہیں، تحفہ اور ہدیہ، اور شریعت کا طالع میں ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو زائر حرم قربانی کرنے کے لیے اپنے ہمراہ لے جاتا ہے کسی ذریعے سے وہاں بھیج دیتا ہے۔

۵۹۔ یوم ترویہ۔ ماہ ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یوم ترویہ کہتے ہیں یوم ترویہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن سے حج کے اعمال شروع ہوتے ہیں اور جانور دن کو اچھی طرح سیراب کر کے سفر کے لائق بنادیا جاتا ہے۔

۶۰۔ یوم عرفہ۔ ماہ ذوالحجہ کی ۹ تاریخ یعنی حج کے دن کو یوم عرفہ کہتے ہیں اور یوم عرفہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن زائرین حرم میدان عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔

۶۱۔ یوم نحر۔ ماہ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو یوم نحر کہتے ہیں۔ یوم نحر کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن سے نحر یعنی قربانی شروع ہوتی ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

زکوٰۃ کا بیان

نماز اور زکوٰۃ، دراصل پورے دین کی ترجمانی کرنے والی دو اہم عبادتیں ہیں۔ بدنی عبادات میں نماز پورے دین کی نمائندگی کرتی ہے اور مالی عبادات میں زکوٰۃ پورے دین کی نمائندگی کرتی ہے، بندے پر دین کی طرف سے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کی دوہی قسمیں ہیں، خدا کے حقوق، اور بندوں کے حقوق، نماز بندے کو خدا کے حقوق ادا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے، اور زکوٰۃ بندگانِ خدا کے حقوق ادا کرنے کا گہرا شعور پیدا کرتی ہے، اور ان دونوں حقوق کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے ہی کا نام اسلام ہے۔

زکوٰۃ کی حیثیت اور مرتبہ

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا عظیم رکن ہے، دین میں نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا مرتبہ ہے چنانچہ قرآن پاک میں جگہ جگہ ایمان کے بعد نماز کا اور نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے ایک طرف تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دین میں نماز اور زکوٰۃ کی حیثیت اور مقام کیا ہے دوسری طرف یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا مرتبہ ہے، اور یہی حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے

بھی واضح ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کی جانب رخصت کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ

”تم وہاں ان لوگوں میں پہنچ رہے ہو، جن کو کتاب دی گئی تھی، تم ان کو سب سے پہلے شہادت ایمان کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، جب وہ اس حقیقت کا اعتراف کر لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر شب و روز میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں، جب وہ اس کو بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض فرمایا ہے جو ان کے خوش حال افراد سے وصول کیا جائے گا اور ان کے نادار اور حاجت مند افراد میں تقسیم کیا جائے گا جب وہ اس بات کو بھی تسلیم کر لیں تو زکوٰۃ وصول کرنے میں ان کے اچھے اچھے مال چھانٹ چھانٹ کر لینا اور مظلوم کی بددعا سے بچے رہنا۔ کیونکہ خدا اور مظلوم کے درمیان کوئی پردہ سائل نہیں ہوتا۔“

زکوٰۃ کے معنی

زکوٰۃ کے معنی ہیں پاک ہونا، بڑھنا، نشوونما پانا، اور ”اصطلاح فقہ“ میں زکوٰۃ سے مراد یہ مالی عبادت ہے کہ ہر صاحب نصاب مسلمان اپنے مال میں سے شریعت کی مقرر کی ہوئی مقدار ان لوگوں کے لیے نکالے جو شریعت کی نظر میں زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک و طاہر ہو جاتا ہے اور اللہ اپنے فضل سے اس میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے، اور آخرت میں بھی اتنا اجر و انعام دیتا ہے جس کا انسان تصور نہیں کر سکتا، اسی لیے اس عبادت کو زکوٰۃ یعنی پاک کرنے اور بڑھانے والا عمل کہتے ہیں۔

زکوٰۃ کی حقیقت

خدا کی خوشنودی کے لیے جب مومن اپنا محبوب اور دل پسند مال خدا کی راہ میں خوشی خوشی خرچ کرتا ہے تو اس سے مومن کے دل میں ایک نور اور جلا پیدا ہوتی ہے، مادی کثافتیں اور دنیوی محبتیں ختم ہوتی ہیں، اور قلب و روح میں ایک تازگی، لطافت، پاکیزگی اور محبت الہی کے جذبات پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنا خود محبت الہی کا ثبوت بھی ہے اور محبت الہی کے پروان چڑھانے کا موثر اور مستند ذریعہ بھی۔

زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے کہ وہ ناداروں کی کفالت اور دولت کی صحیح تقسیم کی ایک تدبیر ہے بلکہ وہ خدا کی فرض کی ہوئی ایک اہم عبادت ہے جس کے بغیر آدمی کے قلب و روح کا تزکیہ ممکن ہے اور نہ وہ خدا کا مخلص اور محسن بندہ ہی بن سکتا ہے، زکوٰۃ دراصل خدا کی بے پایاں نعمتوں پر شکر کا اظہار ہے قانونی زکوٰۃ تو بلاشبہ یہی ہے کہ جب خوش سال آدمی کے مال پر ایک سال گزر جائے تو وہ اپنے مال میں سے ایک مقرر حصہ مستحقین کے لیے نکال لے، لیکن زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس عمل کے ذریعے مومن کے دل سے دنیا کی تمام مادی محبتیں نکال کر اپنی محبت بٹھانا چاہتا ہے، اور یہ ترمیمیت دینا چاہتا ہے کہ مومن خدا کی راہ میں اپنا مال اپنی جان اور اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں قربان کر کے روحانی سرور محسوس کرے، اور

سب کچھ خدا کی راہ میں دے کر شکر کے جذبات سے سرشار ہو کر خدا نے اپنے فضل و کرم سے اپنی راہ میں جان و مال قربان کرنے کی توفیق دی اسی لیے شریعت نے زکوٰۃ کی ایک قانونی حد مقرر کر کے بتا دیا کہ اتنا خرچ کرنا تو ہر مسلمان کے لیے ناگزیر ہے اتنا خرچ کیے بغیر تو ایمان ہی مشتبہ ہے، لیکن ساتھ ہی پوری قوت کے ساتھ یہ ترغیب بھی دی کہ مومن اسی کم سے کم مقدار پر اکتفا نہ کرے بلکہ زیادہ سے زیادہ خدا کی راہ میں صرف کرنے کی عادت ڈالے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگیوں سے بھی یہ حقیقت سامنے آتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے سوال کیا۔ اس وقت آپ کے پاس اتنی بکریاں تھیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان کی پوری وادی ان سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے وہ ساری بکریاں اس سائل کے حوالے کر دیں۔ جب وہ شخص اپنے لوگوں میں واپس پہنچا تو اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

”لوگو! مسلمان ہو جاؤ! محمدؐ تو انہیں دیتے ہیں کہ انہیں اپنے مفلس ہونے کا ذرا خوف نہیں ہوتا“ ۱

ایک بار حضرت حسینؑ کے دروازے پر ایک سائل آیا اور بولا۔

”اے پیغمبر کے بیٹے مجھے چار سو درہم کی ضرورت ہے“

آپ نے اسی وقت گھر سے چار سو درہم منگوائے اور سائل کے حوالے کر دیے

اور رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

”روتا اس لیے ہوں کہ میں نے اس شخص کے سوال کرنے سے پہلے ہی اس کو یہ رقم کیوں نہیں دے دی کہ اس کو سوال کرنا پڑا۔ یہ نوبت ہی کیوں آئی کہ یہ شخص میرے پاس آئے اور میرے سامنے دست سوال دراز کرے۔“

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار بکری ذبح ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پوچھا ”بکری کے گوشت میں سے کچھ باقی رہ گیا؟“

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا ”صرف اس کی ایک دست باقی رہ گئی ہے رہ باقی سب تقسیم کر دیا گیا۔“

ارشاد فرمایا ”نہیں بلکہ اس دست کے علاوہ جو کچھ تقسیم کر دیا گیا ہے وہی قدرت باقی رہا ہے۔“ (اور آخرت میں اسی کا اجر متوقع ہے)۔

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ ”مندانے کے بھروسے پر فراخ دستی سے اس کی راہ میں خرچ کرتی رہو اور گنتی شمار کے بکرمیں مت بڑو۔ اگر تم اس کی راہ میں گن گن کر دو گی تو پھر وہ بھی تمہیں گن گن کر ہی دے گا اور دولت کو سینٹ سینٹ کرنے رکھو ورنہ خدا بھی تمہارے ساتھ ہی معاملہ کرے گا۔ (اور تم پہے حساب دولت نہیں اٹھائیے گا۔ لہذا جہاں تک ہمت باندھ سکو، کشادہ دستی کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرو)۔“

۱۵ کشف المحجوب۔

۱۶ جامع ترمذی۔

۱۷ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”خدا تعالیٰ اپنے ہر بندے سے کہتا ہے ”اے آدم کے فرزند! میری راہ میں

خرچ کیے جا، میں تجھے (اپنے اتھاہ خزانے میں سے) دیتا رہوں گا۔“

حضرت ابو ذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوا، آپ اس وقت کعبے کے زیر سایہ آرام فرماتے تھے۔ مجھے دیکھا تو فرمایا۔

”بہت کعبہ کی قسم دہی لوگ بڑے گھٹے میں ہیں۔“

میں نے پوچھا، ”میرے ماں باپ آپ پر قربان بتائیے وہ کون لوگ ہیں، جو

زبردست گھٹے میں ہیں؟“

ارشاد فرمایا۔ ”وہ لوگ جو بڑے سرمایہ دار اور خوش حال ہیں، ہاں ان میں سے وہی

گھٹے اور خسارے سے محفوظ ہیں جو کشادہ دلی کے ساتھ آگے پیچھے دائیں بائیں اپنی

دولت راہِ خدا میں صرف کر رہے ہیں مگر دولت مندوں میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔“

نظامِ زکوٰۃ کا مقصد

زکوٰۃ کا نظام دراصل مومن کے دل سے محبتِ دنیا اور اس جڑ سے پیدا ہونے

والے سارے جھاڑ جھنکار صاف کر کے خالص خدا کی محبت پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہی اُسی

وقت ممکن ہے جب بندہ مومن محض زکوٰۃ ادا کرنے ہی پر قناعت نہ کرے بلکہ زکوٰۃ کی

اس روح کو ہذب کرنے کی کوشش کرے، کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے، خدا ہی کا ہے،

اور اس کو اسی کی راہ میں قربان کر کے ہم اس کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں، زکوٰۃ کی اس روح اور مقصد کو جذب کیے بغیر نہ تو کوئی بندہ خدا کے بندوں سے محض خدا کے لیے محبت کر سکتا ہے اور نہ خدا کے حقوق پہچانتے اور ادا کرنے میں اتنا حساس اور فراخ دست ہو سکتا ہے۔

زکوٰۃ کا نظام دراصل پورے اسلامی سماج کو بخل، تنگ دلی، خود غرضی، بغض، حسد، سنگ دلی اور استحصال جیسے رکیک جذبات سے پاک کر کے اس میں محبت، ایثار، احسان، خلوص، خیر خواہی، تعاون، مواسات اور رفاقت کے اعلیٰ اور پاکیزہ جذبات پیدا کرتا اور پروان چڑھاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ ہمیشہ ہر نبی کی اُمت پر فرض رہی ہے، اس کی مقدار، نصاب اور فقہی احکام میں ضرور فرق رہا ہے لیکن زکوٰۃ کا حکم بہر حال ہر شریعت میں موجود رہا ہے۔

زکوٰۃ پچھلی شریعتوں میں

زکوٰۃ کی اس حقیقت اور روح پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مومن کے لیے ایک ناگزیر عمل ہے ایک لازمی صفت ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت میں یہ حکم موجود رہا ہے۔

قرآن کی شہادت ہے کہ زکوٰۃ تمام انبیاء کی امتوں پر اسی طرح فرض رہی ہے جس طرح نماز فرض رہی ہے، سورۃ انبیاء میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا واقعہ بیان کرنے کے بعد تفصیل کے ساتھ وہ فکر انگیز مکالمہ نقل کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے درمیان ہوا تھا۔ پھر اسی منہ میں حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت حضرت یعقوبؑ علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد فرمایا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَا هُمْ أُمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ
الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ۔

راہبیاہ، ۷۳،

”اور ہم نے ان سب کو پیشوا بنایا جو ہماری ہدایت کے تحت رہنا کی کافر
انجام دیتے تھے۔ اور ہم نے ان کو وحی کے ذریعے نیک کام کرنے، نماز کا اہتمام
کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی اور یہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔“
قرآن میں متعدد مقامات پر اس عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے جو یہود سے لیا گیا تھا،
اس کی اہم دفعات میں سے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ
دیں گے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَ
بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا
لِلنَّاسِ حُسْنًا ذَآئِقُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ۔ (بقرہ: ۸۳)

”اور یاد کرو! بنی اسرائیل سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا تم
کسی کی بندگی نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اور رشتہ داروں
یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے بھلی بات کہنا اور
نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا؟

ایک دوسرے مقام پر بنی اسرائیل ہی سے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔
وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ

الزَّكَاةَ۔ (المائدہ: ۱۲)

”اور اللہ نے (نبی اسرائیل سے) کہا، میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز

قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھرا بھد
حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے قرآن حکیم نے صراحت کی ہے کہ وہ اپنے
متعلقین کو تاکید کیا کرتے تھے، کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ مِنْ دَابَّةٍ

مُسْرِيًّا۔ (مرایمہ: ۵۵۱)

مہ اور اسماعیل اپنے گھروانوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کیا کرتے تھے اور

وہ اپنے رب کے نزدیک بڑے ہی پسندیدہ انسانی تھے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا تعارف کرتے ہوئے، منصب نبوت پر اپنے
مأمور ہونے کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ خدا نے مجھے، تازلیت نماز قائم کرنے اور
زکوٰۃ دینے کی ہدایت وصیت کی ہے۔

ذَٰلِكُنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔ (مریم: ۳۱)

”اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ نماز قائم کروں اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں

جب تک زندہ رہوں؟“

زکوٰۃ کی عظمت و اہمیت

اسلام میں زکوٰۃ کی غیر معمولی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا
ہے کہ قرآن پاک میں کم از کم چالیس مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا
ہے، اور ایمان کے بعد اولین مطالبہ نماز اور زکوٰۃ ہی کا ہے، درحقیقت ان دو عبادتوں

ہر کار بند ہونا، پورے دین پر کار بند ہونا ہے، جو بندہ خدا کے حضور مسجد میں بندگی کے انتہائی گہرے ہذبات کے ساتھ اپنے جسم و روح کو خدا کے حضور ڈال دے وہ مسجد کے باہر خدا کے حقوق سے کیوں کر غفلت مت سکتا ہے، اسی طرح جو شخص اپنا محبوب مال و متاع خدا کی رضا کے لیے خدا کی راہ میں خوشی خوشی لٹا کر سکون و طمانیت محسوس کرے وہ بندوں کے دوسرے حقوق کیوں کر پا مال کر سکتا ہے، اور اسلام دراصل خدا اور بندوں کے حقوق ہی سے عبارت ہے، اسی لیے قرآن نے نماز اور زکوٰۃ کو اسلام کی پہچان اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی شہادت قرار دیا ہے، سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے ہدایت اور بیناری کا اظہار فرمانے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی دی ہے کہ اگر یہ کفر و شرک سے توبہ کر کے نماز اور زکوٰۃ ہر کار بند ہو جائیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور اسلامی سوسائٹی میں ان کا وہی مقام ہے جو دوسرے مسلمانوں کا ہے۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْكُفَّارِ

فِي السَّبِيلِ ۖ (توبہ: ۱۱)

”پھر اگر یہ کفر و شرک سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو یہ

تمہارے دینی بھائی ہیں۔“

یہ آیت بتاتی ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ایمان و اسلام کی واضح علامت اور قطعی شہادت ہے، اور اسی لیے قرآن نے زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں کا وصف اور عمل قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کو آخرت کا منکر اور ایمان سے محروم بتایا ہے۔

وَذَيْلُ الْمَشْرِكِينَ ۚ أَلَا يَتُوبُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ

بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ (فصلت: ۲۰۶)

”اور تب ہی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور یہی لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں۔“

غلیظہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، تو آپ نے ان کو اسلام سے خروج اور ازداد کے ہم معنی سمجھا اور اعلان فرمایا، کہ

”یہ لوگ دور رسالت میں جو زکوٰۃ دیتے تھے اگر اس میں سے بکری کا ایک بچہ بھی روکیں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صدیق اکبرؓ کو ٹوکا اور فرمایا، ”آپ ان لوگوں سے بھلا کیوں کر جہاد کر سکتے ہیں جو کلمہ کے قائل ہیں، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔“
”جو شخص لا اِلهَ اِلاَّ اَکَا اللہ کہہ دے، تو اس کا جان و مال میری طرف سے محفوظ و مامون ہو گیا۔“

حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ سن کر اپنے آہنی عزم کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا۔

وَاللّٰهُ لَا قَاتِلَکَیْ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالتَّزْکِیۃِ

”خدا کی قسم جو لوگ نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کریں گے میں ان

کے خلاف لازماً جنگ کروں گا۔“

نماز اور زکوٰۃ دین کے دو بنیادی ارکان ہیں، ان کا انکار یا ان میں تفریق کرنا

دراصل خدا کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے، اور مومن کا کام یہی ہے کہ وہ مرتد کے خلاف جہاد کرے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کا ارشاد ہے۔

”ہم کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ نہ دے، اس کی نماز بھی نہیں ہے۔“

قرآن پاک میں ان لوگوں کو ہدایت سے محروم قرار دیا ہے جو زکوٰۃ سے غافل ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْتُونَ بِالْغَيْبِ وَيَقِيمُونَ
الصَّلَاةَ وَرَمَسَا زَقَاتِهِمْ يُنْفِقُونَ۔ (البقرہ: ۱۷۷، ۱۷۸)

”ہدایت ہے ان متقیوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔“

اور قرآن کی نظریں فی الواقع سچے مومن دہی ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔
الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَرَمَسَا زَقَاتِهِمْ يُنْفِقُونَ ۝
أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا۔ (الانفال: ۳، ۴)

”وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں حقیقت میں بھی سچے مومن ہیں۔“

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی عظمت و اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا ہے
 ”سنی آدمی خدا سے قریب ہے، جنت بے قریب ہے، بندگان خدا
 سے قریب ہے، اور جہنم سے دُور ہے، اور بخیل آدمی خدا سے دُور ہے، جنت
 سے دُور ہے، بندگان خدا سے دُور ہے اور جہنم سے قریب ہے، اور حقیقت
 ہے کہ ایک جاہل سنی، ایک ماہِ بخیل کے مقابلے میں خدا کے نزدیک زیادہ
 پسندیدہ ہے۔“

زکوٰۃ سے غفلت کا ہولناک انجام

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے قرآن حکیم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو
 انتہائی دردناک سزاؤں اور لرزہ خیز عذابوں کی خبر دے کر سنبھلایا ہے کہ وہ فنا ہونے
 والے مال و متاع کی بے جا محبت میں گرفتار ہو کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں، اور
 اس عذاب سے بچیں جس کے قصور سے ہی روٹ گئے کھڑے ہوئے ہیں۔

وَالَّذِينَ يَكْنُزُونَ أَمْوَالَهُم بِالْفِئْصَةِ وَلَا يُفْقَرُونَ فِيهَا فِي
 سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ يُؤْمِرُ بِحُكْمٍ عَلَيْهِ فِي سَبِيلِ
 جَهَنَّمَ فَبَشِّرْهُمْ بِهَاجِبٍ أَلَمٍ ۚ وَجُتُّوْهُمْ يَكْفُرُوْنَ هَٰذَا مَا
 كُنْتُمْ لَا نَفْسَكُمْ فَعَلَا وَكُنْتُمْ أَكْثَرُ مُنْكَرُونَ۔ (توبہ: ۳۴-۳۵)

”اور جو لوگ سونا اور پاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں اس کو
 خرچ نہیں کرتے، تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو ایک دن آئے گا

کہ اسی سونے اور پانڈی پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی۔ اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا، اب اپنی بھینسی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ اس آیت میں ”کنز“ کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”کنز“ سے مراد مال ہے جس کی زکوٰۃ ندادا کی گئی ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو متنبہ کرنے کے لیے آخرت کے لرزہ خیز عذاب کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

”جس آدمی کو خدا نے مال و دولت سے نوازا، پھر اُس شخص نے اُس مال کی زکوٰۃ نہیں دی، تو اس مال کو قیامت کے روز انتہائی زہریلے ناگ کی شکل دے دی جائے گی۔ زہر کی شدت کے باعث اُس کا سر گنہا ہوگا اور اس کی آنکھوں پر دوسیاہ نقطے ہوں گے۔ قیامت کے روز وہ ناگ اس (در پہست) بچے کے گھٹے میں لپٹ جائے گا اور اس کے دونوں جبروں میں اپنے زہریلے دانت گاڑ کر کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں، اور پھر آپؐ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنفَعَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران: ۱۸۰)

”جین لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال و دولت سے نوازا ہے اور وہ

بھل سے کام لیتے ہیں، اس خیال میں ضرور میں کہہ چکی اور زبردستی ان کے حق میں بہتر ہے، یہ روشنی ان کے لیے نہایت ہی بڑی ہے وہ اپنی گنجھوسی سے جو کچھ جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے میں طوق بنا کر پہنایا جائے گا۔“

نیز آپ نے صحابہ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے زکوٰۃ سے غفلت کے عبرتناک انجام سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

”تم میں سے کوئی شخص قیامت کے روز اس حال میں میرے پاس نہ آئے کہ اس کی بکری اس کی گردن پر لدی ہوئی ہو، اور مجھے حمایت کے لیے پکارے اور میں اُس سے کہوں کہ میں آج تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا، میں نے تم کو خدا کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ اور دیکھو اُس روز کوئی اپنا اونٹ اپنی گردن پر لٹا کر ہوئے میرے پاس نہ آئے، وہ مجھے مدد کے لیے پکارے اور میں کہوں کہ میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا، میں نے تو خدا کے احکام تم کو پہنچا دیئے تھے۔“

ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خواتین کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا ”تم ان کی زکوٰۃ بھی ادا کرتی ہو یا نہیں؟“

خواتین نے کہا، نہیں

آپ نے فرمایا ”تو کی تمہیں یہ منظور ہے کہ اس کے بدلے میں تم کو آگ کے کنگن پہنائے جائیں۔“

خواتین نے کہا ”برگز نہیں“

تو آپ نے ہدایت فرمائی کہ ”من کی زکوٰۃ دیا کرو“ ۱۷

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا۔

”لوگو! حرم اور لالچ سے دور رہو، تم سے پہلے جو لوگ تباہ و برباد ہوئے

اسی حرم اور لالچ کی بدولت ہوئے حرم نے ان میں بخل اور تنگ دلی پیدا کی، اور

وہ بخیل اور زر پرست ہو گئے اور اسی نے ان کو قطع رحم پر ابھارا اور انہوں نے

قطع رحم کا جرم کیا اور اسی نے ان کو بدکاریوں پر آمادہ کیا اور وہ بدکاری پر اتر

آئے“ ۱۸

قرآن و سنت کی ان تنبیہات ہی کا اثر تھا کہ صحابہ کرام زکوٰۃ و صدقات کا انتہائی اہتمام فرماتے، اور بعض کے احساسات تو اس معاملے میں اتنے شدید تھے کہ وہ ضرورت سے زائد ایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ کی تو یہ مستقل عادت ہو گئی تھی کہ جہاں کچھ لوگوں کو جمع دیکھتے، ان کو زکوٰۃ کی طرف ضرور متوجہ کرتے۔

زکوٰۃ کی ناکید و ترغیب

زکوٰۃ کی غیر معمولی اہمیت اور عظمت کے پیش نظر قرآن پاک میں بیانشی مقامات پر اس کا تاکید ہی حکم دیا گیا ہے اور بالعموم نماز اور زکوٰۃ کا، ساتھ ساتھ دیا گیا ہے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ - (البقرہ: ۱۱۰)

”اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو“

نیز قرآن و سنت میں اس کے زبردست دینی اور دنیاوی فوائد بتا کر طرح طرح سے ترغیب دی گئی ہے، قرآن میں زکوٰۃ کا عظیم اجر و ثواب ان الفاظ میں بیان کیا گیا

۴۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ
أُتْبِئَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ
لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرہ: ۲۶۱)

”جو لوگ اپنے اموال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کرنے کی
مثال ایسی ہے، کہ جیسے ایک دانہ بویا جائے، اور اس سے سات ہالیاں نکلیں
اور ہر ہالی میں سو سودانے ہوں، اسی طرح اللہ جس عمل کو چاہتا ہے بڑھاتا ہے
وہ فراخ دست اور عظیم ہے“

کسان اپنی معمولی کے دانے خدا کی زمین کے حوالے کر کے اُس سے اُس لگاتا
ہے اور باران رحمت کے لیے دعائیں کرتا ہے تو پروردگار اس کو ایک ایک دانے کے بدلے
سینکڑوں دانے عطا فرما کر اس کا کلیان بھر دیتا ہے، اس ایمان افروز تجربہ کو تمثیل بنا
کر خدایہ ذہن نشین کرانا ہے کہ بندہ خدا کی خوشنودی کے لیے خدا کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ
کرے گا۔ خدا اس کو اتنا بڑھائے گا کہ ایک ایک دانے کے عوض سات سو دانے
عنایت فرمائے گا، بلکہ وہ تو بڑا ہی فراخ دست اور عظیم ہے اس کی نگاہ قدر شناس
بندے کے گہرے غلوں اور جذبے پر رہتی ہے اور وہ اتنا کچھ عطا فرماتا ہے، جس کا

بندہ صحیح تصور بھی نہیں کر سکتا، پھر یہ انعام و اکرام آخرت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی نذا ایسی سوسائٹی کو خیر و برکت، خوش حالی اور ترقی سے مالا مال کر دیتا ہے۔

وَمَا أَنْتُمْ مِنْ ذِكْوَةٍ تَزِيدُكُمْ ذَجَةً ۖ اللَّهُ قَآءٌ وَلَئِكَ هُمُ

الْمُصْنَعُونَ ۝ (الرعد: ۲۹)

”اور جو زکوٰۃ تم نذا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو اسی

کے دینے والے در حقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔“

در اصل زکوٰۃ و صدقہ وہی لوگ ادا کرتے ہیں جو مالی ظرف، فراخ حوصلہ، فیاض، ایک دوسرے کے بہادر وادر شیر خواہ ہوں اور زکوٰۃ و صدقہ ہی ان صفات کو بڑھانے اور پروان چڑھانے کا بھی ذریعہ ہے، دنیا میں خیر و برکت، سکون و اطمینان، خوشحالی اور ترقی اسی معاشرہ کا حصہ ہے جس کے افراد میں یہ اخلاقی اوصاف عام ہوں، دولت چند خود غرض، سنگ دل، بخیلوں میں ٹھٹھری ہوئی نہ ہو بلکہ پورے معاشرے میں اس کی مناسب تقسیم ہو، اور سب کو اپنی ہمت کے مطابق کمانے اور خرچ کرنے کی آزادی اور مواقع یکساں طور پر حاصل ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

”جو شخص پاک کمانی میں سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے، اللہ اس

کو اپنے ہاتھ میں لے کر بڑھاتا ہے جس طرح تم اپنے بچے کی پرورش کرتے ہو

یہاں تک کہ وہ ایک پہاڑ کی برابر ہو جاتا ہے۔“

”اور آپ ہی کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
 ”صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے)، اور جو شخص
 محض اللہ کے لیے خاکساری اور فروتنی اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو ادنیٰ نچا اٹھا
 دیتا ہے۔“

قرآن کی صراحت ہے کہ قلوب کو پاک کرنے، نیکیوں کی راہ پر بڑھنے، حکمت
 کی دولت سے مالا مال ہونے، خدا کی خوشنودی، مغفرت اور رحمت حاصل کرنے،
 آخرت میں ابدی سکون اور خدا کا قرب پانے والے وہی لوگ ہیں جو خوش دلی
 اور پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَيُزَكِّيهِمْ بِهَا -

(التوبہ: ۱۰۳)

”اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)، آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے
 کر انہیں پاک کیجئے اور ان کی راہ میں انہیں آگے بڑھائیے۔“

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ
 مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ
 وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (البقرہ: ۲۶۸-۲۶۹)

”شیطان تمہیں فقر اور ناداری سے ڈراتا ہے اور شرناک طرز عمل اختیار
 کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تمہیں اپنی مغفرت اور فضل کی امید دلاتا ہے اللہ

بڑا ہی فراخ دست اور علم والا ہے، جس کو پاپا ہوتا ہے عمت عطا کرتا ہے اور جس کو
 عمت مل گئی درحقیقت اس کو بہت بڑی دولت مل گئی ہے۔

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا بِتِ عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ إِلَّا أَيْهَا
 قُرْبًا لَهُمْ سَبِيذِ خَلَامُ اللَّهِ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ اللَّهَ هَفُوسٌ رَحِيمٌ
 (التوبہ: ۹۹)

”اور وہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اسے خدا کا تقرب حاصل
 کرنے اور رسول کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بنانے میں، سن رکھو“
 یہ ضرور ان کے لیے خدا کے تقرب کا ذریعہ ہے اور خدا ان کو ضرور اپنی رحمت میں
 داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحم فرمانے والا ہے۔

وَيَجْزِيكَهَا الْأَشْيَاءُ الْكَافِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ (یل: ۱۸۱)

”اور جہنم کی آگ سے وہ شخص دو در کھا جائے گا جو اللہ سے بہت زیادہ
 ڈرنے والا ہے جو دوسروں کو بخش اس لیے اپنا مال دیتا ہے کہ اس کا دل بخل
 دہریں اور حب دنیا سے پاک ہو جائے۔“

حضرت عدی بن ماتمؓ کہتے ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے
 سنا ہے۔

”لوگو! جہنم کی آگ سے بچو اگر یہ چھوٹا سا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی ﷺ
 حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔“

”قیامت کے روز جب عرش الہی کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا، سات قسم کے لوگ عرش الہی کے زیر سایہ ہوں گے۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو اس قدر رازداری کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرے کہ اس کے ٹہن ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے“ ۱۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی شخص صدقہ کا مال لے کر حاضر ہوتا تو آپ انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے اور لانے والے کے لیے رحمت کی دمامانگتے۔ چنانچہ حضرت ابو ادنیٰؓ اپنا صدقہ لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اَبْنِیْ اَدْنٰی۔ ۲۔

”یعنی اے اللہ! ابی ادنیٰ کے خاندان پر اپنی رحمت نازل فرما“ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے ہی گھر میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد باہر نکلے۔ صحابہ نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا۔

”موسےؑ کی ایک ڈلی گھر میں رہ گئی تھی، میں نے مناسب نہ سمجھا کہ رات آجائے اور وہ گھر ہی میں رہے اس لیے میں اس کو مستحقین میں تقسیم کر آیا۔ ۳۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

۱۔ صحیح بخاری۔

۲۔ صحیح بخاری۔

۳۔ صحیح بخاری۔

”صدقہ اور خیرات کرنے سے خدا کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے اور بُری موت سے آدمی محفوظ رہتا ہے“

اور ظاہر ہے خدا کے غضب سے حفاظت اور خاتمہ بالخیر کے سوا مومن کا منتہائے آرزو کیا ہو سکتا ہے !

زکوٰۃ کا حکم

ہر صاحبِ نصابِ خوش حال مسلمان پر قطعی فرض ہے کہ اگر اس کے پاس بقدرِ نصاب مال سال بھر تک موجود رہے تو سال پورا ہونے پر وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ زکوٰۃ فرضِ قطعی ہے، جو شخص اس کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو شخص فرض ہونے کا انکار نہ کرے لیکن ادا نہ کرے تو وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔

زکوٰۃ اور ٹیکس میں بنیادی فرق

زکوٰۃ اس طرح کا کوئی ٹیکس نہیں ہے جو حکومتیں اپنی چلک پر مقرر کرتی ہیں بلکہ یہ ایک مالی عبادت اور رکنِ اسلام ہے، جس طرح نماز، روزہ اور حج، اسلام کے رکن ہیں، قرآن نے نماز کے ساتھ ساتھ بالعموم زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے، اور اسے اس خدائی دین کا اہم رکن قرار دیا ہے جو ہر زمانے میں انبیاء کرامؑ کا دین رہا ہے۔

زکوٰۃ کے نظام سے نفسِ انسانی اور اسلامی سوسائٹی کو جو عظیم اخلاقی اور روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ اسی صورت میں ممکن ہیں جب عبادت اور ٹیکس کے بنیادی فرق کو ذہن میں رکھا جائے، اور زکوٰۃ کو خدا کی عبادت سمجھ کر ادا کیا جائے۔

بے شک زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کا قلمِ شریعت نے اسلامی حکومت کے سپرد کیا ہے، اور یہ نظم کے فرائض میں سے ہے لیکن اس لیے ہمیں کہ یہ کوئی ٹیکس

ہے بلکہ اسلام کے تمام اجتماعی عبادات میں نظم و پیداکرنا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔

زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطیں

زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے سات شرطیں ہیں۔

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) مالک نصاب ہونا۔

(۳) نصاب کا ضرورتِ اصلیہ سے زائد ہونا۔

(۴) مقروض نہ ہونا۔

۱۔ علماء اہل حدیث کے نزدیک صرف پہلی پانچ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، ان کے نزدیک،

ماقل، بالغ ہونا، وجوب زکوٰۃ کے لیے ضروری نہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کا حکم ”وَاَتُوا زَكَاةَ“ اور زکوٰۃ ادا کرو ”ہر مسلمان مرد اور عورت کیلئے عا ہے نیز خدا کا ارشاد ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔

”اے نبی! ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر کے ان کو پاک کیجئے اور ان کا تزکیہ کیجئے۔“

تطہیر اور تزکیہ ہر مسلمان کی ضرورت ہے، لہذا ہر مسلمان مرد اور عورت پر زکوٰۃ فرض ہے

چاہے وہ عاقل و بالغ ہو یا نہ ہو، علماء اہل حدیث کے علاوہ بعض دوسرے علماء بھی بعد کی دو شرطوں

کو تسلیم نہیں کرتے یعنی زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے عقل و بلوغ کو شرط قرار نہیں دیتے۔

(۵) مال پر پورا سال گزرنا۔

(۶) عاقل ہونا۔

(۷) بالغ ہونا۔

ذیل میں ان شرطوں کی تفصیل اور حاصل بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) مسلمان ہونا۔ غیر مسلم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لہذا جو شخص اسلام قبول کرے۔ اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اسلام سے پہلے کے ایام کی بھی زکوٰۃ ادا کرے۔

(۲) مالک نصاب ہونا۔ یعنی اتنے مال و متاع کا مالک ہونا جس پر شریعت نے زکوٰۃ واجب قرار دی ہے۔

(۳) بقدر نصاب ضرورتِ اصلیہ سے زائد ہونا۔ ضرورتِ اصلیہ سے مراد وہ بنیادی ضرورتیں ہیں، جن پر آدمی کی حیات اور عزت و آبرو کا دار و مدار ہو، جیسے کھانا پینا، لباس، رہنے کا مکان، پیشہ درآمدی کے اوزار اور شین وغیرہ، سواری کا گھوڑا، سائیکل، موٹر وغیرہ، گھر داری کا سامان، کتابیں جو مطالعے کے لیے ہوں، کاروبار کی غرض سے نہ ہوں یہ ساری ہی چیزیں ضرورتِ اصلیہ میں شمار ہوں گی ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی ہاں ان سے زائد مال نصاب کے بقدر ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی جب کہ دوسری شرطیں بھی موجود ہوں۔

(۴) مقروض نہ ہونا۔ کسی شخص کے پاس بقدر نصاب مال و متاع تو ہے لیکن اس پر دوسروں کا قرضہ بھی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ ہاں اگر مال اتنا ہو کہ قرضہ ادا کرنے کے بعد بھی مال بقدر نصاب بچ جائے تو ایسے شخص پر زکوٰۃ

واجب ہو جائے گی۔

(۵) مال پر پورا سال گزرنے پر۔ بقدر نصاب مال و متاع ہو جائے ہی سے زکوٰۃ واجب نہیں ہو جاتی بلکہ اس پر پورا ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔
”دکسی شخص کو کسی بھی ذریعے سے مال حاصل ہو اس پر زکوٰۃ اسی وقت واجب

ہوگی جب اس پر پورا سال گزر جائے۔“

(۶) عاقل ہونا۔ جو شخص عقل اور سمجھ سے محروم دیرانہ اور مجنون ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

(۷) بالغ ہونا۔ تا بالغ بچے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے چاہے اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، نہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور نہ اس کے ولی پر۔“

۱۔ جامع ترمذی۔

۲۔ نابالغ اور فاقر العقل کی زکوٰۃ پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ مودودی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

”نابالغ بچوں کے بارے میں اختلاف ہے ایک مسلک یہ ہے کہ یتیم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ یتیم کے سن رشد کو پہنچنے پر اس کا ولی اس کا مال اس کے حوالے کرتے وقت اس کو زکوٰۃ کی تفصیل بتا دے پھر اس کا اپنا کام ہے کہ اپنے ایام یتیمی کی پوری زکوٰۃ ادا کرے تیسرا مسلک یہ ہے کہ یتیم کا مال اگر کسی کاروبار میں لگا یا گیا ہے اور نفع دے رہا ہے تو اس کا ولی اس کی زکوٰۃ (باقی بر ص ۶۴)

(بقیہ ماشیہ ص ۳۲) زکوٰۃ ادا کرے ورنہ نہیں، چوتھا مسلک یہ ہے کہ قییم کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا ادا کرنا اس کے ولی کے ذمے ہے، ہمارے نزدیک یہی چوتھا مسلک زیادہ صحیح ہے، حدیث میں آیا ہے۔

أَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِمًّا لَهُ مَالٌ فَلَيْتَ جَوْلَهُ فِيهِ وَلَا يَتْرُكُهُ فَنَاسَكَهُ
الْعَدَاةُ — (ترمذی، دارقطنی، بیہقی، کتب الاسماء لابن عبید)

”خبردار! جو شخص کسی ایسے یتیم کا ولی ہو جو مال رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ اُس کے مال سے کوئی کاروبار کرے اور اسے یونہی نہ رکھ چھوڑے کہ اس کا سارا مال زکوٰۃ کھا جائے۔“

اس کے ہم معنی ایک حدیث امام شافعیؒ نے مرسلًا اور ایک دوسری حدیث طبرانی اور ابو عبید سے مرفوعاً نقل کی ہے اور اس کی تائید صحابہؓ تابعین کے متعدد آثار و اقوال سے ہوتی ہے جو حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، رضی اللہ عنہم اور تابعین سے مجاہد، عطارد، حسن بن یزید، مالک بن انس اور زہری سے منقول ہیں۔

فاترالعقل لوگوں کے بارے میں بھی اسی فوجیت کا اختلاف ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے اور اس میں بھی ہمارے نزدیک قول راجح یہی ہے کہ مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا ادا کرنا مجنون کے ولی کے ذمے ہے امام مالکؒ اور ابن شہاب زہری نے اسی رائے کی تصریح کی ہے۔

ادائے زکوٰۃ کے صحیح ہونے کی شرطیں

ادائے زکوٰۃ کے صحیح ہونے کی چھ شرطیں ہیں۔ یہ چھ شرطیں موجود ہوں تو زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ ادا نہ ہوگی۔

- (۱) مسلمان ہونا۔
- (۲) زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرنا۔
- (۳) مالک بنانا۔
- (۴) مقررہ مدتوں میں صرف کرنا۔
- (۵) عاقل ہونا۔
- (۶) بالغ ہونا۔

ذیل میں ان شرطوں کی تفصیل اور فائدے بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) مسلمان ہونا۔ زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ دینے والا مسلمان ہو، چونکہ غیر مسلم پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے اس لیے اگر کوئی غیر مسلم زکوٰۃ ادا کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لہذا اسلام لانے سے پہلے اگر کسی نے آئندہ کی زکوٰۃ ادا کر دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اسلام قبول کیا تو اسلام لانے سے پہلے کی ادا کی ہوئی زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔ مسلمان ہونے کے بعد دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

(۲) زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرنا۔ زکوٰۃ کھالتے وقت یا مستحق کو دیتے وقت زکوٰۃ دینے کی نیت کرنا ضروری ہے اگر زکوٰۃ کھالتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت نہیں کی تو زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مال مستحق کے پاس موجود ہو۔

(۳) زکوٰۃ ادا کرتے وقت، زکوٰۃ لینے والے کو اس کا مالک بنانا۔ چاہے کسی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنائے یا زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کرنے والے ادارے کو مالک بنائے۔

(۴) مقررہ مدتوں میں صرف کرنا۔ زکوٰۃ صرف کرنے کی مدین قرآن نے بیان کر دی ہیں، ان کے علاوہ کسی دوسری مدین اگر زکوٰۃ کی رقم دی جانے لگی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۵) عاقل ہونا، دیوانہ، مجنون اور فاخر العقل شخص زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۶) بالغ ہونا۔ نابالغ بچہ زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔

زکوٰۃ واجب ہونے کے چند مسائل

(۱) جو رقم ضرورتِ اصلیہ کے لیے محفوظ رکھی گئی ہو، اگر یہ ضرورت اسی سال درپیش ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور اگر یہ ضرورت آئندہ کبھی پیش آنے والی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ۱

(۲) جس مال میں کوئی دوسرا حق، عشر، خراج وغیرہ واجب ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ ایک مال پر دو حق واجب نہیں ہوتے۔ ۲

(۳) جو چیزیں کسی نے کسی کے پاس رہن کر دی ہوں ان پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ۳

ہے نہ رہن کرنے والے پر اور نہ رہن رکھنے والے پر۔ ۱۵

(۴) کسی کا کوئی مال کم ہو گیا یا رقم کم ہو گئی پھر ایک مدت کے بعد خدا کے فضل سے وہ مال مل گیا، اور کھوئی ہوئی رقم دستیاب ہو گئی تو اس مدت کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جس مدت میں مال کم ہوا تھا۔ ۱۶

(۵) کسی کے پاس سال کے شروع میں نصاب کے بقدر مال موجود تھا درمیان میں کچھ مدت کے لیے مال کم ہو گیا یا بالکل ہی نہیں رہا لیکن سال کے آخر میں پھر خدا کے فضل سے نصاب کے بقدر ہو گیا تو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی درمیان میں مال کم ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ ۱۷

(۶) گرفتار ہونے والے شخص کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے جو شخص بھی اس کے پیچھے اس کے کاروبار یا اس کے مال کا متولی ہو وہ زکوٰۃ ادا کرے۔ ۱۸

(۷) مسافر کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر وہ صاحب نصاب ہو، بلاشبہ مسافر ہونے کی وجہ سے وہ زکوٰۃ لینے کا بھی مستحق ہے، لیکن چونکہ وہ غنی اور صاحب نصاب بھی ہے اس لیے اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہے، اس کا سفر اسے زکوٰۃ کا مستحق بناتا ہے اور اس کا مال دار ہونا اس پر زکوٰۃ فرض کرتا ہے۔ ۱۹

۱۵ علم الفقہ چہارم۔

۱۶ اس لیے کہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مال کا اپنے قبضہ اور اپنے ملک میں ہونا ضروری ہے۔

۱۷ علم الفقہ۔

۱۸ رسائل و مسائل حصہ دوم

۱۹ بہشتی زیور حصہ سوم۔

(۸) کسی نے کسی کو کوئی عطیہ دیا اگر وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ۱۷

(۹) گھر کا ساز و سامان، جیسے تانبے، پتیل، المونیم اور اسٹیل وغیرہ کے برتن، پہننے اور مٹنے کے کپڑے، ددی، فرش، فرنیچر وغیرہ سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری دعوات کے زیور، سبکے موتیوں کے ہار وغیرہ چاہے کتنے ہی قیمتی ہوں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ ۱۸

(۱۰) کسی تقریب میں خرچ کرنے کے لیے کسی نے اچھی مقدار میں غلہ وغیرہ خریدا لیا۔ پھر لفع کی خاطر اس کو فروخت کر دیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی زکوٰۃ صرف اسی مال پر واجب ہوگی جو کاروبار کے ارادے سے خریدا ہو۔ ۱۹

(۱۱) کسی کے پاس ہزار روپے تھے، سال پورا ہونے پر اس میں سے پانچ سو روپے ضائع ہو گئے اور باقی رقم اس شخص نے خیرات کر دی تو صرف ضائع شدہ رقم کی زکوٰۃ واجب رہے گی۔ خیرات کردہ رقم کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ ۲۰

(۱۲) زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد کسی کا مال و متاع ضائع ہو گیا۔ تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ ۲۱

۱۷ بہشتی زیور حصہ سوم۔

۱۸ بہشتی زیور حصہ سوم۔

۱۹ بہشتی زیور حصہ سوم۔

۲۰ بہشتی زیور حصہ سوم

۲۱ بہشتی زیور حصہ سوم

(۱۳) کسی کاروبار میں چند افراد شریک ہوں، اور سب کی رقم لگی ہوئی ہو اگر ہر شریک کا الگ الگ حصہ نصاب سے کم ہو تو کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی چاہے ان سب کے حصوں کا مجموعہ بقدر نصاب یا اس سے زائد ہو۔

(۱۴) کسی شخص نے رمضان میں (۲۰۰۰/-) دو ہزار روپے کی زکوٰۃ ادا کی، اور یہ دو ہزار اس کے پاس محفوظ ہیں اب رجب کے مہینے میں اللہ کے فضل سے (۲۰۰۰/-) دو ہزار اس کو مزید مل گئے۔ تو اب سال پورا ہونے پر وہ (۴۰۰۰/-) چار ہزار کی زکوٰۃ ادا کرے۔ یہ نہ سوچے کہ (۲۰۰۰/-) جو رجب میں ملے ہیں ان پر تو سال نہیں گزرا ہے، سال کے دوران جو رقم یا مال بھی بڑھے، پہلے کاروبار میں نفع کے ذریعے بڑھے یا چھپائیوں کے بچے ہو جائیں یا کوئی مال عطیہ کر دے یا میراث میں مل جائے۔ غرض جس طرح بھی کوئی رقم یا مال ملے، سارے مال و متاع پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی چاہے بعد میں ملنے والے مال پر ابھی پورا سال نہ گزرا ہو۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے مسائل

(۱) زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ ضروری نہیں ہے کہ مستحق کو دیتے وقت بتایا جائے کہ یہ زکوٰۃ ہے، بلکہ انعام، یا بچوں کے لیے تحفہ اور عیدی کے طور پر دے دینا

۱۔ امام شافعی رحمہ اللہ اس صورت میں مجموعی رقم پر زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں۔ اگر کاروبار کی مجموعی رقم بقدر نصاب یا اس سے زائد ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ چاہے الگ الگ ہر شریک کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو۔

بھی جائز ہے صرف یہ کافی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کر لے۔
 (۲) مزدور کو کسی خدمت کے عوض میں یا ملازم اور خادم کو اجرت میں زکوٰۃ دینا صحیح نہیں۔ البتہ بیت المال کی طرف سے جو لوگ زکوٰۃ وصول کرنے اور تقسیم کرنے پر مقرر ہوں ان کی تنخواہیں زکوٰۃ کے مال میں سے دی جاسکتی ہیں۔

(۳) سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکوٰۃ ادا کر دینا جائز ہے۔ اور قسطوار ماہانہ ادا کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ شخص صاحب نصاب ہو اور اگر کوئی اس موقع پر پیشگی زکوٰۃ دے رہا ہو، کہ آئندہ وہ صاحب نصاب ہونے والا ہے، تو ایسے شخص کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جس وقت وہ صاحب نصاب ہو گا اور سال گزر جائے گا، اس کو پھر زکوٰۃ دینا ہوگی۔ ۱۷

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی زکوٰۃ پیشگی ادا کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ ۱۸

(۴) زکوٰۃ میں درمیانی معیار کا مال ادا کرنا چاہیے نہ تو یہ صحیح ہے کہ زکوٰۃ دینے والا معمولی مال زکوٰۃ میں ادا کرے اور نہ یہ درست ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا اچھے سے اچھا مال وصول کرے، دینے والا بھی خدا کی راہ میں اچھا دینے کی کوشش کرے اور لینے والا بھی کسی پر زیادتی نہ کرے۔

(۵) زکوٰۃ ادا کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ چھ ماہ ادا کرے جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، مثلاً سونا، یا مالوریا اس کی قیمت ادا کرے ہر سال میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ہاں یہ واضح رہے کہ قیمت ادا کرنے کی صورت میں اس وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس وقت زکوٰۃ (ادائیگہ) ہوا ہے نہ کہ اس وقت کی قیمت جس وقت کہ زکوٰۃ واجب ہوئی ہے مثلاً ایک شخص کے یہاں بکریاں ملی ہوئی ہیں، سال گزرنے پر زکوٰۃ میں ایک بکری اس پر واجب ہوگئی جس کی قیمت زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت (۵۰/-) پچائیس روپے ہے، کسی وجہ سے اس وقت اس نے زکوٰۃ ادا نہیں چند ماہ بعد ادا کر رہا ہے تو اس وقت بکری کی جو قیمت ہوگی وہی ادا کرنا ہوگی اگر قیمت بڑھ کر (۶۰/-) ساٹھ روپے ہوگئی ہے تو ساٹھ روپے ہی دینا ہوگی اور اگر کم ہو کر چالیس روپے رہ گئی ہے تو چالیس روپے ہی دینا ہوں گے۔

(۶) زکوٰۃ اسلامی حکومت کے بیت المال میں جمع ہونی چاہیئے۔ اور اسلامی حکومت کا یہ اہم فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کا انتظام کرے اور جہاں کہیں مسلمان اپنی شدید ترین غفلت کے باعث محکومی کی زندگی گزار رہے ہیں تو ایسی صورت میں ان کا فرض ہے کہ اپنے طور پر مسلمانوں کا بیت المال قائم کریں اور اس میں زکوٰۃ جمع کریں۔ اور بیت المال سے ہی زکوٰۃ اس کے متعین مصارف میں صرف کی جائے۔ اور جو اس اجتماعیت سے بھی محروم ہوں تو وہ اپنے طور پر مستحقین کو زکوٰۃ پہنچائیں اور سلسلہ علمی اور عملی کوششیں کرتے رہیں کہ اسلامی نظام قائم ہو اس لیے کہ اسلامی نظام کا قیام ملت کا فریضہ بھی ہے، اور اس کے بغیر اسلام کے بیت سے احکام و قوانین پر عمل بھی ممکن نہیں ہے۔

(۷) بولوگ ماضی طور پر یا مستقل طور پر زکوٰۃ کے مستحق اور محتاج ہوں، مثلاً اہل بچ، بیمار، ضعیف، نادار، مسکین، بیوائیں۔ ان کو وقتی طور پر بھی بیت المال سے مدد دی جاسکتی ہے اور مستقل طور پر بھی ان کے گزارے اور وظیفے مقرر کیے جاسکتے ہیں۔

(۸) بیت المال سے زکوٰۃ منفرد مستحقین کو بھی دی جاسکتی ہے، اور اداروں کو بھی دی جاسکتی ہے اور خود بھی لیے ادارے قائم کیے جاسکتے ہیں جو مصارف زکوٰۃ سے متعلق ہوں مثلاً یتیم خانے، محتاج خانے اور ناداروں کے لیے تعلیمی ادارے اور شفا خانے وغیرہ۔

(۹) حاجت مند لوگوں کو زکوٰۃ کی مدد سے قرض حسن دینا جائز ہے بلکہ ناداروں کو اونچا اٹھانے اور ان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی غرض سے قرض حسن دینا مستحسن ہے۔

(۱۰) جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، ان کو زکوٰۃ دینے کا دو گنا اجر ہے، ایک زکوٰۃ دینے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ عزیز اور رشتہ دار زکوٰۃ کی رقم لیتے ہوئے شرم محسوس کریں گے یا ضرورت مند ہونے کے باوجود ہڑامانیں گے اور دلیں گے، تو ان کو یہ نہ بتایا جائے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں مستحسن کو یہ بتانا شرط نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے، بلکہ کسی تقریب میں تعاون کے طور پر، عید کی طرح یا کسی اور طریقے سے ان کو وہ رقم پہنچا دی جائے۔

(۱۱) بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ قمری مہینوں کے حساب سے ادا کی جائے لیکن یہ ضروری نہیں ہے، شہسی حساب سے بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے قمری حساب سے زکوٰۃ کا وجوب کسی نص سے ثابت نہیں ہے۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ کسی خاص مہینے

میں زکوٰۃ ادا کی جائے۔ البتہ رمضان المبارک چونکہ نیکیوں کی مہار کا مہینہ ہے، اور اس میں ہر عبادت کا اجر بہت زیادہ ہے، اس لیے اس ماہ میں دینا بہتر ہے، لیکن ایسا کرنا واجب نہیں۔ اور نہ یہ ادا اسے زکوٰۃ کی صحت کے لیے کوئی شرط ہے۔

(۱۲) عام حالات میں مناسب ہے کہ ایک علاقے کی زکوٰۃ اسی علاقے میں صرف کی جائے، البتہ دوسرے علاقوں میں کوئی شدید ضرورت پیش آجائے، یا زکوٰۃ دینے والے کے عزیز و اقارب دوسری جگہ رہتے ہوں اور وہ حاجتمند ہوں، یا دوسرے مقام پر کوئی ناگہانی ارٹھی یا سادھی آفت نازل ہو گئی ہو تو ایسی صورت میں دوسرے علاقوں میں بھی زکوٰۃ کی رقم بھیجی جاسکتی ہے، البتہ یہ خیال رہے کہ اپنی نسبتی اور علاقے کے حاجتمند لوگ محروم نہ رہ جائیں۔

(۱۳) زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو مالک اور قابض بنا دیا جائے۔ اگر کوئی شخص کھانا پکوا کر مستحقین کو گھر میں کھلا دے تو یہ زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔ ہاں کھانا ان کے حوالے کر کے ان کو اختیار دے دیں کہ وہ خود کھائیں یا کسی کو کھلائیں یا جو چاہیں کریں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کسی ادارے یا بیت المال کو دے دینے سے بھی مالک بنائے کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ وصول کرنے والے کو زکوٰۃ دے دینے سے بھی تملیک کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے، اس کے بعد پھر بیت المال یا زکوٰۃ وصول کرنے والا ادارہ ذمہ دار ہے، زکوٰۃ دینے والے کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اب مستحقین کو پھر مالک بنائے۔

(۱۴) اگر کوئی شخص اپنے کسی رشتہ دار، دوست، یا کسی کی طرف سے بھی بطور خود زکوٰۃ ادا کر دے، تو اس شخص کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مثلاً شوہر اپنی بیوی کے زیور

وغیرہ کی زکوٰۃ اپنے پاس سے ادا کر دے تو بیوی کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے آپؐ کے مقرر کیے ہوئے محصل حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ نہیں دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”ان کی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے بلکہ اُس سے زیادہ، عمر! تم سمجھتے نہیں کہ آدمی کا چچا اس کے لیے باپ کے برابر ہے۔“

مسئلہ تملیک

حنفی علماء کے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کے لیے تملیک ایک لازمی شرط ہے، دوسرے کو مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اس مسئلہ پر علامہ مودودی صاحب نے ایک اہم و واضح نوٹ لکھا ہے، جو مسئلہ تملیک کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے انتہائی مفید ہے۔ ذیل میں یہ بصیرت افروز نوٹ درج کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالدُّسَّاسِ الْكِيْنِ وَالْعَارِلِيْنَ مَكِيْرًا
وَالْمُسُوْلَفَةِ قُلُوْبُهُمْ الخ (التوبة: ۶۰)

”صدقات تو فقرائے لیے ہیں اور مساکین کے لیے، اور ان لوگوں کے لیے

جو ان پر کام کرنے والے ہیں اور ان کے لیے جن کی تابعیت قلب مقعود ہو..... الخ۔

دیکھیے یہاں لام کا عمل صرف فقراری پر نہیں ہو رہا ہے بلکہ مساکین، عاقلین علیہا اور مؤلفۃ قلوبہم پر بھی ہو رہا ہے یہ نام تملیک کے لیے ہے تو اور استحقاق یا اختصاص یا کسی اور معنی کے لیے ہے تو، ہر صورت جس معنی میں بھی یہ فقرار سے متعلق ہو گا اسی معنی میں باقی تینوں سے بھی متعلق ہو گا۔ اب اگر حنفی تاویل کے لحاظ سے وہ تملیک کا مقتضی ہے تو زکوٰۃ اور صدقات واجہہ کا مال ان چاروں میں سے جس کے حوالے بھی کر دیا جائے گا،

تملیک کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ آگے تملیک در تملیک کا حکم کہاں سے نکالا جاتا ہے ؟
 کیا فقیر یا مسکین کی ملک میں زکوٰۃ کا مال پہنچ جانے کے بعد اس کے تصرفات پر
 کوئی پابندی ہے ؟ اگر نہیں تو ”عَامِلِیْنِ عَلَیْہَا“ کے ہاتھ میں پہنچ جانے کے بعد
 جب کہ لام تملیک کا تقاضا پورا ہو چکا۔ پھر مزید تملیک کی پابندی لگانے کی کیا دلیل
 ہے ؟ لام کو اگر تملیک ہی کے معنی میں لیا جائے۔ تو ایک شخص جو زکوٰۃ و صدقات
 واجبہ کے اموال ”عَامِلِیْنِ عَلَیْہَا“ کے سپرد کر دیتا ہے تو گویا وہ انہیں اس کا مالک بنا
 دیتا ہے، اور یہ اسی طرح ان کی ملک بن جاتے ہیں، جس طرح فے اور غنیمت کے اموال
 حکومت کی ملک بن جاتے ہیں، پھر ان پر یہ لازم نہیں رہتا کہ وہ ان اموال کو آگے
 جن مستحقین پر بھی صرف کریں، بصورت تملیک ہی کریں، بلکہ انہیں یہ حق حاصل ہے،
 کہ باقی ماندہ سات مصارف زکوٰۃ میں اس کو جس طرح مناسب اور ضروری سمجھیں صرف
 کریں، لام تملیک کی رائے میں کوئی قید نہیں لگائی جاسکتی۔ البتہ جو قید لگائی جا
 سکتی ہے، وہ صرف یہ کہ جو شخص بھی زکوٰۃ کی تخصیص و صرف کے سلسلے میں کوئی عمل
 کرے وہ بس اس عمل کی اجرت لے۔ باقی مال اُسے دوسرے مستحقین زکوٰۃ پر صرف
 کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ یہ لوگ ”عَامِلِیْنِ عَلَیْہَا“ ہونے کی حیثیت سے ان اموال
 کے مالک بنائے جاتے ہیں نہ کہ بجائے خود مستحق ہونے کی حیثیت سے ”عَامِلِیْنِ عَلَیْہَا“
 کا لفظ خود اس دھبہ کو ظاہر کر دیتا ہے، جس کے لیے زکوٰۃ ان کے حوالے کی جاتی
 ہے، اور پھر یہی لفظ یہ بھی طے کر دیتا ہے کہ وہ عامل ہونے کی حیثیت سے اس مال
 کا کتنا حصہ جائز طور پر اپنے ذاتی تصرف میں لانے کا حق رکھتے ہیں۔
 اس تشریح کے بعد اس حدیث چرنگاہ ڈالیے جو امام احمد نے حضرت انسؓ

ابن مالک سے روایت کی ہے۔ اس میں حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، کہ

اذا اديت الزكوة الى رسولك فقد برئت منها الى الله
وسا سوله۔

”جب میں نے آپ کے پیچھے ہوئے عامل کو زکوٰۃ ادا کر دی تو میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے اپنے فرض سے بری الذمہ ہو گیا تا؟“
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

نعم اذا اديتها الى رسولي فقد برئت منها الى الله وسرسله
فلنك اجراها، وانتمها على من بدلها۔

”ہاں جب تو نے اسے میرے فرستادہ عامل کے حوالے کر دیا تو اللہ اور اس کے رسول کے آگے اپنے فرض سے بری الذمہ ہو گیا۔ اس کا اجر تیرے لیے ہے اور جو اس میں تا جائز تصرف کرے اس کا گناہ اسی پر ہے۔“

اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ ”عَامِلِيْن عَلَیْہَا“ کے سپرد کر کے بری الذمہ ہو جاتا ہے بالفاظ دیگر لام تخلیک کا تقاضا جس طرح کسی فقیر یا مسکین کو زکوٰۃ دے دینے سے پورا ہوتا ہے، اسی طرح ”عَامِلِيْن عَلَیْہَا“ کو دے دینے سے بھی پورا ہو جاتا ہے!

اب یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ ”عَامِلِيْن عَلَیْہَا“ کے الفاظ جو قرآن میں ارشاد فرمائے گئے ہیں ان کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے لوگ اسے صرف ان کا رند و ناک محدود دیکھتے ہیں جن کو حکومت اسلامی اس کام کے لیے مقرر کرے۔ لیکن قرآن پاک

کے الفاظ عام ہیں جن کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو سکتا ہے جو زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے سلسلے میں ”عمل“ کرے اس عام کو خاص کرنے والی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں ہے، اگر حکومت اسلامی موجود نہ ہو یا ہو مگر اس فرض سے غافل ہو اور مسلمانوں میں کوئی گروہ یہ ”عمل“ کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو تو آخر کس دلیل سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ نہیں تم ”عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا“ نہیں ہو؟ میرے نزدیک تو یہ اللہ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے کہ اس نے مالمین حکومت کے لیے خاص کرنے کے بجائے اپنا حکم ایسے عام الفاظ میں دیا ہے جن میں یہ گنجائش پائی جاتی ہے کہ اسلامی حکومت کی غیر موجودگی، یا غافل حکمرانوں کی موجودگی میں مسلمان بطور خود بھی زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے لیے مختلف استقامات کر سکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اس عام حکم کو عام ہی رہنے دیا جائے تو غریب طلبہ کی تعلیم یتیموں کی پرورش، بوڑھوں اور مسکینوں اور یتیموں کی نگہداشت نادار مریضوں کے علاج اور ایسے ہی دوسرے کاموں کے لیے جو ادارے قائم ہوں ان سب کے منتظمین بالکل بجا طور پر ”عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا“ کی تعریف میں آئیں گے اور ان کو زکوٰۃ لینے اور حسب ضرورت صرف کرنے کے اختیارات حاصل ہو جائیں گے۔ اسی طرح ایسے ادارے قائم کرنے کی بھی گنجائش نکل آئے گی جو خاص طور پر تحصیل و صرف زکوٰۃ ہی کے لیے قائم ہوں، ان کے منتظمین بھی ”عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا“ قرار پائیں گے اور صرف زکوٰۃ کے معاملے میں ان کے ہاتھ بھی تملیک کے فتوے سے باندھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

میرے نزدیک اگر قرآن کے الفاظ کی عمومیت نگاہ میں رکھی جائے تو صرف مذکورہ بالا عاملین ہی پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے بہت سے کارکن بھی اس تعریف

میں آنے ہیں۔ مثلاً۔

ایک یتیم کا ولی، ایک بیمار یا پانچ کی خبر گیری کرنے والا۔ اور ایک بے کس بوڑھے کا نگہبان بھی "عالم" ہے اسے زکوٰۃ وصول کر کے ان لوگوں کی ضروریات پر خرچ کرنے کا حق ہے اور اس میں سے معروف طریقے پر اپنے عمل کی اجرت بھی وہ چاہے تو لے سکتا ہے۔

زکوٰۃ کی رقم اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کی ضرورت پیش آئے تو اس میں سے ڈاک خدانے یا بنک کی اجرت دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اس خدمت کو انجام دینے کی حد تک وہ بھی "عَامِلِیْنِ عَلَیْہَا" ہوں گے۔

زکوٰۃ وصول کرنے کے احوال ایک جگہ سے دوسری جگہ حسب ضرورت لے جانے یا مستحقین زکوٰۃ کی مختلف ضروریات پوری کر لے کے لیے ریل، بس، ٹرک، ٹانگے، ٹھیلے وغیرہ جو استعمال کیے جائیں ان کے کرائے مال زکوٰۃ سے دیئے جاسکتے ہیں کیونکہ یہ خدمت انجام دیتے وقت یہ سب "عَامِلِیْنِ عَلَیْہَا" میں ہی شمار ہوں گے۔

مستحقین زکوٰۃ کی خدمت کے لیے جس قدر بھی ملازم اور مزدور استعمال کیے جائیں گے۔ ان سب کی تنخواہیں ادا اجریں زکوٰۃ کی مدد سے دی جاسکتی ہیں کیونکہ وہ "عَامِلِیْنِ عَلَیْہَا" میں داخل ہوں گے۔ قطع نظر اس سے کہ کوئی ریلوے اسٹیشن پر زکوٰۃ کے غلے کی بوریاں ڈھونڈے یا کوئی غریب مریضوں کی خدمت کے لیے گاڑی چلائے۔ یا کوئی یتیم بچوں کی نگہداشت کرے۔

اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ آیا "عَامِلِیْنِ عَلَیْہَا" کے تصرفات پر کوئی ایسی

پابندی ہے کہ وہ مستحقین زکوٰۃ کی خدمت کے لیے عمارات نہ بنوا سکیں اور اشیائے ضرورت مثلاً گاڑیاں، دوائیں، آلات، کپڑے وغیرہ نہ خرید سکیں؟۔ میں کہتا ہوں حنفی تاویل آیت کے لحاظ سے یہ پابندی صرف زکوٰۃ ادا کرنے والے پر مائد ہوتی ہے وہ خود بلاشبہ ان تصرفات میں سے کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ اس کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی رو سے زکوٰۃ ”جہن کے لیے“ ہے ان کی یا ان میں سے کسی بلکہ میں دے دے، رہے ”عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا“ تو ان پر اس طرح کی کوئی پابندی مائد نہیں ہوتی۔ وہ تمام مستحقین زکوٰۃ کے لیے بمنزلہ ولی یا وکیل ہیں، اور اصل مستحق اس مال میں جتنے تصرفات کر سکتا ہے وہ سب تصرفات اس کے ولی یا وکیل ہونے کی حیثیت سے یہ بھی کر سکتے ہیں وہ حسبِ فخر اور مساکین کی ضروریات کے لیے کوئی عمارت بنائیں یا کوئی گاڑی خریدیں تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بہت سے فقیروں اور مسکینوں نے، جن کو فرداً فرداً زکوٰۃ ملی تھی باہم مل کر ایک عمارت بنوالی یا ایک سواری خرید لی۔ جس طرح ان کے تصرف پر کوئی پابندی نہیں ہے ”عَامِلِیْنَ عَلَیْہَا“ کو زکوٰۃ دینے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے مقرر کیا ہے اور اللہ کے رسول نے اسی لیے ان کے ہاتھ میں زکوٰۃ دے دینے والے کو فرض سے سبکدوش قرار دیا ہے کہ انہیں یہ مال دے دینا گویا تمام مستحقین کو دے دینا ہے وہ انہی کی طرف سے اسے وصول کرتے ہیں اور انہی کے نائب و سرپرست بن کر اسے صرف کرتے ہیں آپ ان کے تصرفات پر اس حیثیت سے ضرور اعتراض کر سکتے ہیں کہ تم نے فلاں خرچ بلا ضرورت کیا یا فلاں چیز پر ضرورت سے زیادہ خرچ کر دیا یا اپنے عمل کی اجرت معقول حد سے زیادہ لے لی یا کسی عامل کو معقول شرح سے زیادہ اجرت دے دی، لیکن کوئی قاعدہ

شرعی میرے علم میں ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر ان کو اس بات کا پابند کیا جاسکے کہ فلاں
 فلاں قسم کے تصرفات تم کر سکتے ہو اور فلاں فلاں قسم کے نہیں کر سکتے۔ قواعد شرعیات
 انہیں ہر اس کام کی بہادت دیتے ہیں جس کی مستحقین زکوٰۃ کے لیے ضرورت ہو۔

(رحمان القرآن دسمبر ۱۹۵۴ء)

نصابِ زکوٰۃ

نصابِ زکوٰۃ سے مراد سرمائے کی وہ کم سے کم مقدار ہے جس پر شریعت نے زکوٰۃ واجب کی ہے، اور جس شخص کے پاس بقدر نصاب سرمایہ ہو اس کو صاحبِ نصاب کہتے ہیں۔

معاشی توازن

زکوٰۃ کا ایک بنیادی مقصد معاشی توازن پیدا کرنا بھی ہے، دولت کو گردش میں رکھنے اور سوسائٹی کے ہر طبقے کو مستفید کرنے کے لیے زکوٰۃ سرمایہ داروں سے لی جاتی ہے اور ناداروں میں تقسیم کی جاتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر یہ فرض کیا ہے جو ان کے دولت مندوں سے لیا جائے

گا اور ان کے ناداروں کو لوٹایا جائے گا“۔

شریعت کی نظر میں دولت مند اور خوش حال لوگ وہ ہیں جن کے پاس بقدر نصاب مال موجود ہو اور سال گزرنے کے بعد بھی موجود رہے۔ دور نبوت میں وہ لوگ خوش حال اور دوتمند تھے، جن کے پاس کھجور کے باغ ہوں اور چاندی سونا ہو یا مویشی ہوں اور شریعت نے ان

چیزوں میں ایک خاص مقدار متعین فرما کر بتا دیا کہ کم از کم اتنی مقدار جس کے پاس ہو وہ شریعت کی نظر میں خوش حال ہے اور اس کے مال میں سے صدقہ وصول کر کے پورسائی کے ناداروں کو دیا جائے گا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

”پانچ وسق سے کم کمپوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ پانچ اوقیر سے کم پیاندی

میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے“

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ و مناصت فرماتے ہیں کہ اس دور میں پانچ وسق یعنی ۳۰ من کمپوریں ایک مختصر گھرانے کے سال بھر کے گزارے کے لیے کافی ہوسکتی تھیں اور یہی قیمت اور حیثیت پانچ اوقیر پیاندی یعنی دو سو درہم اور پانچ اونٹوں کی تھی، اس لیے اس مقدار کے مالک کو شریعت نے خوش حال اور دولت مند قرار دے کر اس پر زکوٰۃ واجب کر دی۔

نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ

دور حاضر میں چونکہ روپے کی قیمت غیر معمولی حد تک کم ہو گئی ہے اور پھر پچاندی سولے

۱۔ دیکھیے اصطلاحات ص ۲۰۔

۲۔ بخاری، مسلم۔

۳۔ مولانا منظور احمد صاحبؒ نعمانی لکھتے ہیں:- حضرت علامہ کرام کے لیے بات قابل غور ہے کہ اب جب کہ روپے کی قیمت اور حیثیت زمانہ نبوت کے درہم کے مقابلے میں بہت کم ہو گئی ہے بلکہ ہمارے ہی ملک میں اب سے پچیس سال پہلے روپے کی جو قیمت اور مالیت تھی اب اس کا بھی آٹھواں حصہ اس سے بھی کم رہ گئی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کا کم سے کم ضابطہ ہوگا۔ (معارف الحدیث جلد چہارم ص ۳۰)۔

اور موسیٰ کا جو نصابِ دَورِ نبوت میں مقرر کیا گیا تھا، ان میں بھی قیمت کے لحاظ سے باہم
خیر معمولی تفاوت ہے۔ اس لیے بعض ذہین یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ نصابِ زکوٰۃ پر
حالات کے پیش نظر علماء غور کریں اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں سید
ابوالاعلیٰ صاحبِ مودودی لکھتے ہیں۔

”مخلفائے راشدین کے زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے
نصاب اور شرحِ زکوٰۃ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے، نصاب اس کی ضرورت
محسوس ہوتی ہے اور ہمارا خیال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی
آپ کی مقرر کردہ مقادیر میں ترمیم کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ البتہ
سونے کے نصاب میں تبدیلی ممکن ہے کیونکہ اس کا نصاب ہمیں مشقالِ جس
روایت میں آیا ہے اس کی سند بہت ضعیف ہے ۵ رسائل و مسائل
حصہ دوم ص ۱۴۵۔“

ایک دوسرے سوال کے جواب میں، نصاب اور شرحِ زکوٰۃ میں تبدیلی نہ کرنے
کی حکمتوں پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”شارع کے مقرر کردہ حدود اور مقادیر میں رد و بدل کرنے کے ہم مجاز نہیں
ہیں یہ دعوٰی اگر کھل جائے تو پھر ایک زکوٰۃ ہی کے نصاب اور شرح پر زور نہیں
پڑتی بلکہ غار، روزہ، حج، نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کے بہت سے معاملات
ایسے ہیں جن میں ترمیم و تفسیح شروع ہو جائے گی۔ اور یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو
سکے گا۔ نیز یہ کہ اس دروازے کے کھلنے سے وہ توازن و اعتدال ختم ہو جائے
گا۔ جو شارع نے فرد اور جماعت کے درمیان انصاف کے لیے قائم کر دیا ہے۔“

اس کے بعد پھر افراد اور جماعت کے درمیان کھینچ تان شروع ہو جائے گی۔ افراد
 پہنچیں گے کہ نصاب اور شرح میں تبدیلی ان کے مفاد کے مطابق ہو اور جماعت
 پاس ہے گی کہ اس کے مفاد کے مطابق۔ اختلافات میں یہ چیز ایک مسئلہ بن جائے گی،
 نصاب گھٹا کر اور شرح بڑھا کر اگر کوئی قانون بنایا گیا تو جن افراد کے مفاد پاس
 کی زد پڑے گی وہ اسے خوش دلی کے ساتھ نہ دیں گے جو عبادت کی اصل روح
 ہے بلکہ ٹیکس کی طرح پٹی سمجھ کر دیں گے اور حیلہ سازی اور گریز (Evasion)
 دونوں ہی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ یہ بات بجا اب ہے کہ حکم خدا اور رسول
 سمجھ کر ہر شخص سرچمکا دیتا ہے اور عبادت کے ہذبے سے نجوشی رقم نکالتا ہے
 اس صورت میں کبھی باقی نہیں رہ سکتی جب کہ پارلیمنٹ کی اکثریت اپنے حسبِ مشا
 کوئی نصاب اور کوئی شرح دوسروں پر مسلط کرتی رہے یہ در رسائل و مسائل
 حتمہ دوم ص ۱۵۱)۔

سونے اور چاندی کا نصاب

چاندی کا نصاب دوسود درہم ہے، جس کا وزن چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماٹھے
 چاندی بنتا ہے، جس شخص کے پاس اتنے وزن کی چاندی ہو اور اس پر پورا سال گزر
 جائے تو اس پر اس کی زکوٰۃ نکالتا واجب ہے، اس سے کم وزن کی چاندی پر زکوٰۃ
 واجب نہیں ہے۔ ۱۵

۱۵ مزید وضاحت کے لیے ترجمان القرآن جون ۱۹۶۶ء دیکھئے۔

۱۵ یہ نصاب مولانا محمد انور صاحب کی تحقیق کے مطابق ہے، دہم الفہم ص ۲۱۱، مولانا محمد حبیب الرحمن علی کی تحقیق بھی
 یہی ہے، البتہ بعض علماء کے نزدیک چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے، اور زیادہ مشہور ہے۔ (دہشتی زیور ص ۱۱۱ ص ۱۱۲)

سونے کا نصاب بیس طلائی مثقال ہے جس کا وزن پانچ تولے ڈھائی ماشے ہونے کے برابر ہے، جس شخص کے پاس اتنے وزن کا سونا ہو اور اس پر سال بھر گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہے، اس سے کم وزن کا سونا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

سکون اور نوٹوں کی زکوٰۃ

حکومت کے ہتھے چاہے وہ کسی دھات کے ہوں اور کاغذی سکے یعنی نوٹ وغیرہ کی زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ ان کی قیمت ان کی دھات یا ان کے کاغذ کی دھیر سے نہیں ہے بلکہ اُس قوت خرید کی بنا پر ہے جو قانوناً ان کے اندر پیدا کر دی گئی ہے، جس کی دھیر سے وہ چاندی اور سونے کے قائم مقام ہیں۔ لہذا جس شخص کے پاس پچتیس^۳ تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی کی قیمت کے نوٹ یا سکے موجود ہوں اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

جو سکے رائج نہیں ہیں یا جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لیے ہیں ان میں اگر سونا چاندی کسی مقدار میں موجود ہے تو ان پر چاندی یا سونے کی اس مقدار کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی جو ان میں موجود ہے۔

غیر مالک کے سکے اگر باسانی اپنے ملک کے سکوں سے تبدیل کیے جا سکتے ہوں تو ان کا حکم نقدی کا ہے اور اگر تبدیل نہ کیے جا سکتے ہوں تو ان پر زکوٰۃ صرف

۱۔ یہ نصاب مولانا عبدالشکور صاحب کی تحقیق کے مطابق ہے، (علم الفقہ جلد ۴ ص ۲۷)۔
 یہی تحقیق مولانا عبدالحی صاحب خرچی محل کی ہے۔ — اہل عام طور پر سونے کا نصاب (۱/۴) ساڑھے سات تولے مشہور ہے۔ (مہشتی زیور سوم صفحہ ۲)

اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ ان کے بقدر نصاب سونا یا چاندی موجود ہو، اگر سونا یا چاندی بالکل نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

درہم کے وزن کی تحقیق

زکوٰۃ کے باب میں درہم سے مراد وہ درہم ہے جس کا وزن دو ماشے اور ڈیڑھ رتی ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے دور میں درہم مختلف وزنوں کے ہوتے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ درہم کے اوزان میں اختلاف کے باعث لوگوں میں باہم کش مکش ہوتی ہے اور زکوٰۃ کے معاملے میں الجھن پیدا ہوتی ہے تو آپ نے ہر ہر وزن کا ایک ایک درہم لیا اور اس کا گلوایا۔ اور پھر اس کے تین وزن درہم وزن بنوائے۔ پھر اس درہم کا وزن کیا گیا تو وہ چودہ قیراط کا بیٹھا پس اس درہم کے وزن پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا۔ اور سارے عرب میں یہی درہم رائج ہو گیا اور اسی کے مطابق تمام شرعی فرائض مثلاً زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ ادا ہونے لگے۔ (بحر الرائق وغیرہ)

البتہ طہارت اور نجاست کے باب میں درہم سے مراد وہ درہم ہوتا ہے جو ایک مثقال یعنی دینار کے برابر ہوتا ہے ملازمین مابد شامی کی تحقیق یہ ہے کہ ایک دینار سو جو کے برابر ہوتا ہے اور چار جو کی ایک رتی ہوتی ہے اور آٹھ رتی کا ماشہ ہوتا ہے اس حساب سے ایک دینار کا وزن تین ماشہ اور ایک رتی قرار پاتا ہے، اسی تحقیق کے مطابق ہم نے آسان فقہ اول میں درہم کا وزن ۳ ماشہ اور ایک رتی لکھا ہے۔

۸۸

اموال تجارت کی زکوٰۃ

مال تجارت ہو، یا لوٹ اور سکے وغیرہ ان سب کا نصاب بھی وہی ہے جو سونے اور چاندی کا نصاب ہے یعنی سونے یا چاندی کے نصاب کو بنیاد بنا کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔ مثلاً آپ کے پاس مبلغ ۱۰۰ روپے موجود ہیں، اس رقم میں سونے کا نصاب تو نہیں بنتا لیکن چاندی کا نصاب بن جاتا ہے، تو اسی نصاب کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہیے۔

اموال تجارت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کاروبار شروع کرنے کی تاریخ پر جب ایک سال گزر جائے تو تجارتی مال (Stock in Trade) کی مالیت کا حساب لگایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ نقد رقم (Cash in hand) کتنا ہے دنوں کے مجموعے پر زکوٰۃ نکالی جائے۔

اگر مال تجارت اور نقد رقم نصاب سے کم ہے اور پھر یکا یک قیمتیں چڑھنے سے مال تجارت کی قیمت بقدر نصاب یا اس سے زائد ہو گئی۔ تو جس تاریخ سے قیمتیں بڑھی ہیں اسی تاریخ سے زکوٰۃ کے سال کی ابتدا کی جائے گی۔

اگر کسی کاروبار میں کئی افراد شریک ہیں، تو کاروبار کے مجموعی اسٹاک اور کیش رقم پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بلکہ ہر شریک کے حصے اور منافع کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگر یہ حصہ اور اس کا منافع بقدر نصاب ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

اسی طرح اگر کچھ مال چند لوگوں کی شرکت میں ہو تو اس پر زکوٰۃ اسی صورت میں واجب ہوگی جب ہر شریک کا حصہ بقدر نصاب ہو مثلاً چالیس بکریاں دو آدمیوں کی شرکت میں ہیں یا ساٹھ توڑے چاندی دو افراد کی ملکیت میں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

کاروبار میں کام آنے والے اقدار اور آلات، فرنیچر، اسٹیشنری کا سامان، تجارت یعنی عوامی پیدائش پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی صرف مال تجارت اور کیش رقم کی واقعی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ دینے وقت ان قرضوں کی رقم بھی محسوب کرنا چاہیے جو کاروبار کے دوران دیئے جاتے رہتے ہیں اور وصول ہوتے رہتے ہیں، حضرت عمر بن عبد ربّ کا بیان ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے لیے یہ حکم تھا کہ ہم اموال تجارت کی زکوٰۃ نکالیں“ ۱۷

زیور کی زکوٰۃ

سونہ، چاندی کسی شکل میں بھی ہو اس کی زکوٰۃ واجب ہے، پہلے وہ سکے ہوں، ڈلی ہو، تار ہو، گولنا چکا ہو، یا کپڑے پر زرکاری کا کام ہو، یا کپڑے کی بنائی میں سونے یا چاندی کا تار شامل ہو یا عورت کے استعمال کا زیور ہو، ہر ایک پر زکوٰۃ واجب ہے۔

۱۷ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ کاروبار کے مجموعی اسٹاک اور نقد رقم اگر بقدر نصاب ہے تو زکوٰۃ وصول کر لی جائے گی چاہے ہر حصے دار کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو۔

امام مالکؒ کے نزدیک بھی زکوٰۃ مجموعے سے حاصل کی جائے البتہ ان شرکار کو مستثنیٰ کر دیا جائے گا جو صاحب نصاب نہ ہوں یا جو ایک سال سے کم مدت تک اپنے حصے کے مالک رہے ہوں اور یہی رائے زیادہ مناسب اور قابل عمل ہے۔

”میں کی ایک خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس کے ہمراہ اس کی لڑکی بھی تھی جس کے ہاتھوں میں سونے کے دو وزنی کنگن تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا، تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ خاتون نے کہا، جی نہیں، زکوٰۃ تو نہیں دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ قیامت کے روز خدا اس کی پاداش میں تمہیں آگ کے دو کنگن پہنائے۔ (یہ سن کر) خاتون نے وہ دونوں کنگن اتارے اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا یہ اللہ اور رسول کی رضا کے لیے پیش خدمت ہیں۔“

حضرت ائمہ سلمہؓ کہتی ہیں میں کنگن پہنا کرتی تھی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! کیا یہ بھی کنز ہے تو آپ نے فرمایا جو مال زکوٰۃ دینے کی مقدار کو پہنچ جائے اور پھر اس کی زکوٰۃ دے دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔“

زیور کی زکوٰۃ پر علامہ مودودی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں بڑا ہی بصیرت افروز نوٹ لکھا ہے۔ ذیل میں ہم اس نوٹ کو بعینہ درج کرتے ہیں۔

”زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں کئی مسلک ہیں ایک مسلک یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اسے عاریثا دینا ہی اس کی زکوٰۃ ہے۔ یہ انس بن مالک سعید بن مسیب، قتادہ اور شعبی کا قول ہے۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ زیور پر زکوٰۃ دے دینا کافی ہے، تیسرا مسلک یہ ہے کہ ہر زیور

عورت ہر وقت پہننے لگتی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور جو زیادہ تر رکھا جاتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ چوتھا مسلک یہ ہے کہ ہر قسم کے زیور پر زکوٰۃ ہے۔ ہمارے نزدیک یہی آخری قول صحیح ہے، اول تو سن احادیث میں چاندی سونے پر زکوٰۃ کے وجوب کا حکم بیان ہوا ہے ان کے الفاظ عام ہیں مثلاً یہ کہ

فی الرقعة ربع العشر وليس فيها دون خمس اواق صدقة۔

”چاندی میں $\frac{1}{4}$ فی صدی زکوٰۃ ہے اور پانچ اوقیہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔“

بہم متعدد احادیث و آثار میں تصریح مذکور ہے کہ زیور پر زکوٰۃ واجب ہے، چنانچہ

ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں قوی سند کے ساتھ یہ روایت آئی ہے کہ

لیک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کے ساتھ اس

کی لڑکی تھی جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔

آپؐ نے پوچھا ”تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟“

اُس نے کہا ”نہیں“

اس پر آپؐ نے فرمایا۔

ایسے رک اللہ ان یسوا رک اللہ بہا یور القیمة سوا دین من النار

”کیا تجھے پسند ہے کہ خدا قیامت کے روز تجھے ان کے بدلے آگ کے کنگن

پہنائے؟“

نیز مؤطا، ابوداؤد اور دارقطنی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔

مَا أَذْهَبَتْ زَكَاةُ فُلَانٍ يَكْفُرُ۔

”جس زیور کی زکوٰۃ تو نے ادا کر دی وہ کفر نہیں ہے۔“

ابن لازم نے محلی میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو فرمان بھیجا تھا، اس میں یہ ہدایت بھی تھی۔

مُرَاةَا الْمُسْلِمِيْنَ يُوْكِيْنَ عَنْ حَلِيْمٍ -

”مسلمان غورتوں کو حکم دو کہ اپنے زیوروں کی زکوٰۃ ادا کریں۔“

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فتویٰ پوچھا گیا کہ زیور کا کیا حکم ہے تو انہوں نے

جواب دیا۔

اِذَا بَلَغَ مَأْتِيْنِ فَقِيْهِ الزَّكٰوٰةُ -

”جب وہ دوسو درہم کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ ہے۔“

اسی مضمون کے اقوال صحابہ میں سے ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ

اور حضرت عائشہؓ سے تابعین میں سے سعید بن مسیبؓ، سعید بن جبیرؓ، عطاءؓ، مہاجرؓ، ابن سیرینؓ

اور زہریؓ سے اور ائمہ فقہ میں سے سفیان ثوریؓ، ابو عیسیٰؓ اور ان کے اصحابؓ

سے منقول ہیں۔

(رسائل دسائل دوم ۱۳۲-۱۳۳)

شرح زکوٰۃ

(۱) سونا، چاندی، تجارتی اموال، دھات کے سکے نوٹ، زیور سب پر پالیسواں حصہ یعنی $\frac{1}{5}$ فیصد کی شرح سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۲) سونا، چاندی یا زیور میں پالیسواں حصہ سونا یا چاندی زکوٰۃ میں یا واجب ہے، لیکن یہ مندرجہ نہیں کہ سونا چاندی ہی دی جائے اس کی قیمت کا حساب لگنا کر نقد رقم بھی دی جاسکتی ہے، کپڑے بھی دیئے جاسکتے ہیں اور دوسری چیزیں بھی دی

ہا سکتی ہیں۔ نقدی یا تجارتی مال کی قیمت اگر سونے یا چاندی میں سے کسی کے نصاب کے بقدر ہو، تو اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔

(۳) سونے یا چاندی کا جو نصاب میان کیا گیا ہے، اگر کسی کے پاس اس نصاب سے کچھ زیادہ چاندی سونا، یا تجارتی مال ہے تو اس پر زکوٰۃ اسی صورت میں واجب ہوگی جب وہ اس نصاب کے پانچویں حصے کے بقدر ہو اس سے کم ہو تو معاف ہے۔ ۱۔

(۴) اگر کسی زیور، یا ڈلی یا کپڑے میں سونا، چاندی دونوں ملے ہوئے ہیں، تو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا زیادہ ہے، جو چیز زیادہ ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ سونا زیادہ ہے تو سب کو سونا تصور کیا جائے گا اور سونے کے نصاب سے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور اگر چاندی زیادہ ہے تو سب کو چاندی تصور کر کے چاندی کے نصاب سے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

(۵) سونے یا چاندی کے زیور وغیرہ میں اگر کسی دوسری دھات کا میل ہو، اور اس کی مقدار سونے یا چاندی سے کم ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اس حد کو سونے یا چاندی کا تصور کر کے زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور اگر اس میں سونا یا چاندی کم ہے تو صرف اس سونے اور چاندی کا نصاب لگایا جائے گا اگر وہ بقدر نصاب ہوگی تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

(۶) ایک شخص کے پاس کچھ سونا ہے اور کچھ چاندی ہے ان میں سے جس چیز کا نصاب

پورا ہو اس کے ساتھ دوسری جنس کی قیمت کا بھی حساب لگا کر $\frac{1}{2}$ فیصد کے حساب سے سب کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

(۷) اگر کسی کے پاس سونا بھی نصاب سے کم ہے اور چاندی بھی نصاب سے کم ہے تو چاندی کو سونے سے ملا کر یا سونے کو چاندی سے ملا کر جو نصاب بھی پورا ہوتا ہو اس پر $\frac{1}{2}$ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے گی۔ اسی طرح کچھ نقد رقم ہے، کچھ چاندی ہے کچھ تجارتی مال ہے تو سب کو ملا کر اگر چاندی یا سونے کا نصاب پورا ہو تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۸) زیوروں میں جو جواہر اور موتی وغیرہ ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، ان کا وزن منہا کرنے کے بعد باقی سونے یا چاندی کے وزن پر $\frac{1}{2}$ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

وہ چیزیں جن پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۱) رہنے بسنے کے مکان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ پاس ہے وہ کتنی ہی مالیت کا ہو۔

(۲) موتی، یاقوت اور دوسرے تمام جواہر پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۳) آب پاشی اور کعلیتی باڑی کے لیے جواہر، بیل، بھینسے پالے گئے ہوں

ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس معاملے میں اصول یہ ہے کہ ایک شخص اپنے کاروبار میں جن عوامل پیدائش سے کام لے رہا ہو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ حدیث میں ہے:-

ليس في الامل العوامل صدقة۔

یعنی جن اونٹوں سے کعلیتی باڑی میں کام لیا جاتا ہو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ ان کی زکوٰۃ زمین کی پیداوار سے حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح تمام آلات پیدائش پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۴) کارخانے کی مشینوں اور آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے، نیز کارخانے کی عمارت، کاروبار میں کام آنے والے فرنیچر، اسٹیشنری کے سامان، دکان کی عمارت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۵) شیرخانہ (Dairy farm) کے مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی عوام کی تعریف میں آتے ہیں، البتہ ڈیری فارم کی مصنوعات پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۶) بیش قیمت نادر چیزیں اگر کسی نے یادگار کے طور پر شوقیہ گھر میں رکھ چھوڑی ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ اگر ان کی تجارت کر رہا ہو تو ان پر وہی زکوٰۃ عائد ہوگی جو اموال تجارت پر ہوتی ہے۔

(۷) کسی نے حوض یا تالاب وغیرہ میں شوقیہ مچھلیاں پال رکھی ہیں تو ان پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ ہاں اگر ان کی تجارت کر رہا ہو تو تجارتی زکوٰۃ واجب ہے۔

(۸) مویشی جو ذاتی ضرورت کے لیے پالے گئے ہوں مثلاً دودھ پینے کے لیے چند گائیں یا بھینسیں پال لی ہیں یا نقل و حمل کے لیے بیل، اونٹ یا سواری کے لیے چند گھوڑے پال لیے ہیں تو ان کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(۹) سواری کے لیے موٹر سائیکل، کار، بس ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔
(۱۰) مرغی خانہ۔ جو اندوں کی فروخت کے لیے قائم کیا گیا ہو اس کی مرغیوں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ فروخت ہونے والے اندوں پر وہی زکوٰۃ واجب ہوگی جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہے۔

(۱۱) شوقیہ طور پر جو مرغیاں یا اس قسم کے دوسرے جانور پالے جائیں ان

پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

(۱۲) کرایہ پر چلائی جانے والی چیزیں مثلاً سائیکل، رکشا، ٹیکسی، بس، ٹرک، فرنیچر، اور کراکری کا سامان وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں ان سے حاصل ہونے والا منافع اگر بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ ان کی قیمتوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

(۱۳) دکان اور مکان جن سے کرایہ وصول ہوتا ہو ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو، اور کسی مالیت کے ہوں۔

(۱۴) پہننے کے کپڑے، کوٹ، پادری، کبیل وغیرہ، ٹوپی، جوتے، گھڑی، گھر کا سامان، بستر، گھڑی، بین وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں خواہ یہ چیزیں کتنی ہی بیش قیمت ہوں۔

(۱۵) گدھا، خچر اور گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں ہے بشرطیکہ یہ تجارت کے لیے نہ ہوں۔

(۱۶) وقف کے جانوروں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے اور جو گھوڑے جہاد کے لیے پالے گئے ہوں، اور جو اسلحہ اور سامان جہاد اور خدمت دین کے لیے ہوں اس پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

جانوروں کی زکوٰۃ

عام میدانوں میں چرنے والے پالتو جانور جو افزائش نسل اور دودھ کے لیے پالے جاتے ہیں ان کو اصطلاح میں سائٹھ کہتے ہیں ان میں زکوٰۃ واجب ہے، جو جانور سواری یا گوشت کے لیے پالے گئے ہوں، جھنگلی جانور، مثلاً ہرن، ہارہ، نیل گائے،

چیتا وغیرہ کی زکوٰۃ نہیں ہاں اگر یہ جنگی جانور تجارت کے لیے پالے ہوں تو ان پر
وہی زکوٰۃ واجب ہوگی جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہوتی ہے، یعنی تجارتی
سرمایہ اگر سال کے آغاز اور اختتام پر دوسو درہم یا اس سے زائد ہو تو زکوٰۃ واجب
ہوگی ورنہ نہیں۔

جو جانور جنگلی اور پالتو جانور کے اختلاط سے پیدا ہوں ان میں زکوٰۃ واجب ہونے
کی شرط یہ ہے کہ اختلاط کرنے والے جانوروں میں مادہ پالتو ہو۔ اور ز جنگلی ہو مثلاً بکری
اور زہرن کے اختلاط سے جو ہائید پیدا ہوں گے ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔
جو سائہ جانور وقف ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اسی طرح جو گھوڑے وقف
ہوں، یا جہاد کی غرض سے پالے گئے ہوں ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔
سائہ جانور اگر زکوٰۃ کے لیے پالے گئے ہوں تو ان پر وہی زکوٰۃ واجب ہوگی
جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہوتی ہے۔

اگر کسی نے اخراجات نہ ہی کے لیے سائہ جانور پالے لیکن دوران سال تجارت
کا ارادہ ہو گیا تو اس سال کی زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہوگی بلکہ جس دن سے اس نے تجارت
کا ارادہ کیا ہے اسی دن سے اس کا تجارتی سال شروع ہوگا اور سال پورا ہونے پر
تجارتی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

بھیڑ بکری کا نصاب اور شرح زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معاملے میں بھیڑ، بکری، دُنبہ سب کا ایک ہی حکم ہے، سب کا ایک ہی
نصاب اور شرح زکوٰۃ ہے، اگر کسی کے پاس دُنبے بھی ہیں اور بکریاں بھی اور دونوں
کا نصاب پورا ہے تو دونوں کی زکوٰۃ الگ الگ دے اور اگر دونوں کے ملانے سے

نصاب پورا ہوا ہے تو جس کی تعداد زیادہ ہو زکوٰۃ میں وہی جانور دینا ہوگا اور دونوں کی تعداد برابر ہے تو اختیار ہے کہ جو جانور چاہے دے دے،
نصاب اور شرح زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے۔

چالیس (۴۰) بھیڑ بکریوں میں۔ زکوٰۃ ایک بھیڑ یا بکری۔

اکتالیس (۴۱) سے ایک سو بیس (۱۲۰) تک کچھ واجب نہیں۔

جب ایک سو اکیس (۱۲۱) ہو جائیں تو دو بکریاں واجب ہیں۔

ایک سو بائیس (۱۲۲) سے دوسو (۲۰۰) تک کچھ نہیں۔

سویس (۲۰۰) سے ایک زائد ہو جائے تو تین بھیڑ بکریاں واجب ہوں گی۔ پھر دوسو (۲۰۰) سے تین سو ننانوے (۳۹۹) تک کچھ نہیں۔

چار سو (۴۰۰) پوری ہونے پر چار بھیڑیاں یا بکریاں واجب ہوں گی۔

چار سو (۴۰۰) کے بعد (۱۰۰) کی تعداد پوری ہونے پر ایک بھیڑ یا بکری کے حساب

سے زکوٰۃ فرض ہوگی سو (۱۰۰) سے کم تعداد پر کچھ نہیں اور سو (۱۰۰) سے زائد تعداد پر بھی کچھ واجب نہیں۔

بکری اور بھیڑ کی زکوٰۃ میں ایک سال یا اس سے زائد کا بچہ دینا چاہیے۔

گلے بھینس کا نصاب اور شرح زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معاملے میں گائے اور بھینس کا ایک ہی حکم ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز

نے بھینس کو گائے پر قیاس کر کے اس پر بھی وہی زکوٰۃ مائدہ کی جو گائے پر نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ دونوں کا نصاب بھی ایک ہے اور دونوں کی شرح زکوٰۃ بھی،

کسی کے پاس دو دونوں قسم کے جانور ہوں تو دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہونے پر زکوٰۃ

واجب ہو جائے گی۔ البتہ زکوٰۃ میں وہی حال اور دیا جائے گا، جس کی تعداد زیادہ ہو، اور اگر گائے اور بھینس دونوں کی تعداد برابر ہو تو اختیار ہے کہ چاہے زکوٰۃ میں گائے دے یا بھینس دے۔

نصاب اور شرح زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے۔

جو شخص تیس (۳۰) گائے بھینسوں کا مالک ہو جائے اس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ اس سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

تیس (۳۰) گائے بھینسوں میں گائے یا بھینس کا ایک بچہ جو پورے ایک سال کا ہو دینا ہوگا۔

اکتالیس (۳۱) سے اسی (۴۰) تک کچھ واجب نہیں۔ چالیس (۴۰) گائے بھینسوں میں ایک ایسا بچہ واجب ہے جو پورے دو سال کا ہو۔

۱۰۔ اکتالیس (۴۱) سے اسی (۵۰) تک کچھ واجب نہیں۔ ساٹھ گائے بھینسوں میں ایک ایک سال کے دو بچے واجب ہیں۔

ساٹھ سے زائد میں ہر تیس (۳۰) گائے بھینسوں پر ایک سال کا بچہ اور ہر چالیس (۴۰) گائیوں پر دو سال کا بچہ دینا ہوگا۔

مثلاً کسی کے پاس ستر (۷۰) گائے بھینس ہیں تو ستر (۷۰) میں دو نصاب ہیں ایک چالیس (۴۰) کا اور دوسرا تیس (۳۰) کا اور اگر اسی (۸۰) گائیں ہو جائیں تو چالیس، چالیس کے دو نصاب ہو جاتے ہیں لہذا دو دو سال کے دو بچے واجب ہوں گے۔ اور اگر نوے (۹۰) ہو جائیں تو تیس تیس کے تین نصاب ہو جائیں گے۔ جس میں ہر تیس پر ایک سالہ بچے کی شرح سے زکوٰۃ دینا ہوگی۔

اونٹ کا نصاب اور شرح زکوٰۃ

ہو شخص پانچ اونٹوں کا مالک ہو وہ صاحب نصاب ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔
اس سے کم اونٹوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

نصاب اور شرح زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے۔

پانچ اونٹوں پر ایک بکری واجب ہے۔ اور نو (۹) اونٹوں تک ایک ہی بکری واجب ہوگی۔

دس اونٹوں پر دو بکریاں دینا ہوں گی اور چودہ اونٹوں تک یہی شرح زکوٰۃ رہے گی۔

پندرہ اونٹوں پر تین بکریاں، اور انیس (۱۹) تک یہی زکوٰۃ واجب رہے گی۔

بیس اونٹ ہو جائیں تو چار بکریاں واجب ہوں گی اور چوبیس (۲۴) اونٹوں

تک یہی شرح زکوٰۃ رہے گی۔

پچیس (۲۵) اونٹ ہو جائیں تو ایک ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کا دوسرا

سال شروع ہو چکا ہو۔

چھبیس (۲۶) سے چونتیس (۲۹) اونٹوں تک کچھ واجب نہیں۔

چونتیس (۳۰) اونٹ ہو جائیں تو ایک ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کا تیسرا سال

شروع ہو چکا ہو۔

سینتیس (۳۱) سے پینتالیس (۳۵) تک کچھ واجب نہیں۔

چھیالیس (۳۶) میں ایسی اونٹنی واجب ہے جس کا چوتھا سال شروع ہو

چکا ہو۔

سینتالیس (۴۵) سے ساٹھ (۶۰) تک کچھ واجب نہیں۔

اکسٹھ (۶۱) اونٹوں میں ایک ایسی اونٹنی واجب ہے جس کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہو۔

باسٹھ (۶۲) سے پچھتر (۷۵) تک کچھ واجب نہیں۔

چھیتر (۷۶) ہونے پر ایسی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی جن کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو۔

ستر (۷۷) سے نوے (۹۰) تک کچھ واجب نہیں۔

اکیانوے (۹۱) اونٹ ہو جائیں تو دو ایسی اونٹنیاں واجب ہوں گی جن کا چونتھا سال شروع ہو چکا ہو۔

پھر ایک سو بیس (۱۲۰) اونٹوں تک بھی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی اس کے بعد پھر وہی حساب دوبارہ شروع ہو جائے گا۔ پانچ پر ایک بکری اور دس پر دو بکریاں۔

ادلے زکوٰۃ کے لیے ایک ضروری وضاحت

سونہ، چاندی، اور مویشی کی جو زکوٰۃ واجب ہو وہ سونا، چاندی اور جانور کی شکل میں بھی ادا کی جاسکتی ہے اور نقدی کی شکل میں بھی۔

اسی طرح زیور کی زکوٰۃ میں بھی سونا یا چاندی دینا ضروری نہیں۔ بازار کے رائج نرخ سے اس کی قیمت کا حساب کر کے نقدی بھی دی جاسکتی ہے۔

مصارفِ کُوة

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف زکوٰۃ کی اہمیت و عظمت اور تاکید بیان فرمائی ہے بلکہ صراحت کے ساتھ اس کے مصارف بھی بیان فرمادیئے ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (توبہ ۶۰)

”یہ صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے ہیں جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے ہیں جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، اور گردنوں کو پھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے کے لیے ہیں، اور خدا کی راہ میں اور مسافر فرائض میں صرف کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ خدا کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جانتے والا اور دانادینا ہے۔“

اس آیت میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) فقرار۔

(۲) مساکین۔

(۳) عاملین زکوٰۃ۔

(۴) مؤلفۃ القلوب۔

(۵) رقاب۔

(۶) غارمین۔

(۷) فی سبیل اللہ۔

(۸) ابن السبیل۔

زکوٰۃ کی رقم ان آٹھ مدوں ہی میں صرف کی جاسکتی ہے ان کے سوا کسی اور مد میں صرف کرنا جائز نہیں۔

”حضرت زیاد بن الحارث الصدیقی ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ زکوٰۃ کے مال میں سے مجھے بھی عنایت فرمائیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

”اللہ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ کسی غیر نبی کی، بلکہ خود ہی اس کا فیصلہ فرمادیا ہے اور اس کی آٹھ مدیں مقرر فرمادی ہیں۔ تم اگر ان مدوں میں سے کسی مد میں آتے ہو تو میں تمہیں مندرجہ زکوٰۃ کی مد سے دے دوں گا۔“

ان مدوں کی تفصیل یہ ہے:-

(۱) فقیر:- فقیر سے مراد ہر وہ عورت اور مرد ہے جو اپنی گزر اوقات کے لیے دوسروں کی مدد اور تعاون کا محتاج ہو، اس میں وہ تمام نادار، محتاج، معذور داخل ہیں جو مستقل طور پر یا بارضی طور پر مالی تعاون کے مستحق ہوں، معذور

اپنا حج، یتیم بچے، بیوائیں، ضعیف، بے روزگار اور وہ لوگ جو ناگہانی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں، زکوٰۃ کی مدد سے ان کی وقتی امانت بھی جائز ہے اور ان کے مستقل مفائداں بھی مقرر کیے جاسکتے ہیں۔

(۲) مسکین :- اس سے مراد وہ شریف غرباء ہیں جو بے چارے نہایت ہی غستہ سال اور در ماندہ ہوں، لیکن اپنی عزت نفس اور شرم کی وجہ سے کسی کے آگے دست سوال بھی دراز نہ کرنا چاہتے ہوں، اپنی روزنی کمانے کے لیے وہ ہاتھ پیر مارتے ہوں لیکن دوڑ دھوپ کے باوجود انہیں ضرورت بھر نہ ملتا ہو، اور لوگوں پر اپنا حال کھلنے نہ دیتے ہوں۔ حدیث میں مسکین کی تشریح یہ ہے :-

أَلَدِي لَا يَجِدُ غَنِيًّا يُغْنِيهِ وَلَا يَفْطِنُ لَهُ فَيَتَصَدَّقَ وَلَا يَقْتَرُمُ
فَيَسْأَلُ النَّاسَ۔ (بخاری و مسلم)

”جو نہ اپنی ضرورت بھر مال پاتا ہے نہ اپنی خود داری کی وجہ سے ہتھیانا

جاتا ہے کہ لوگ اس کی مالی مدد کریں۔ اور نہ کھڑے ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے؟

(۳) عاقلین زکوٰۃ :- سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ اور عشر کی تحصیل حفاظت، تقسیم اور اس کے حساب کتاب کے ذمہ دار ہوں وہ صاحب نصاب ہوں یا نہ ہوں ہر سال میں ان کی تنخواہیں زکوٰۃ کی مدد سے دی جاسکتی ہیں۔

(۴) مولفۃ القلوب :- اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، اسلام اور اسلامی مملکت کے مفاد میں ان کو بھولا کرنا۔ اور مخالفت کے جوش کو ٹھنڈا کرنا پیش نظر ہو، یہ کافر بھی ہو سکتے ہیں اور وہ مسلمان بھی جن کا اسلام ان کو اسلام اور اسلامی مملکت کے مفاد کی خدمت پر ابھارنے کے لیے کافی نہ ہو،

یہ لوگ اگر صاحب نصاب بھی ہوں تو ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اسلام کے آغاز میں اس طرح کے لوگوں کی تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ میں سے دیا جاتا تھا لیکن حضرت عمرؓ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں اس طرح کے لوگوں کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا اور اب یہ مادہ ہمیشہ

۱۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد مجاہد بن جحش اور اقرع بن حابس حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور انہوں نے ایک زمین آپ سے طلب کی آپ نے ان کو عطیہ کا فرمان لکھ دیا۔ انہوں نے چاہا کہ مزید پچنگی کے لیے دوسرے اعیان صحابہ بھی اس فرمان پر گواہیاں ثبت کر دیں۔ چنانچہ گواہیاں بھی ہو گئیں مگر جب یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گواہیاں لینے گئے تو انہوں نے فرمان کو ٹہر کر اسے ان کی آنکھوں کے سامنے ہاک کر دیا۔ اور ان سے کہا بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی تالیف قلب کے لیے تمہیں دیا کرتے تھے مگر وہ اسلام کی کمزوری کا زمانہ تھا۔ اب اللہ نے اسلام کو تم جیسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے اس پر وہ حضرت ابو بکرؓ کے پاس شکایت لے کر آئے اور آپ کو طعنہ بھی دیا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر! لیکن نہ تو حضرت ابو بکرؓ نے اس پر کوئی نوٹس لیا اور نہ دوسرے صحابہ میں سے ہی کسی نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا۔ اس سے حنفیہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب مسلمان کثیر التعداد ہو گئے اور ان کو یہ طاقت حاصل ہو گئی کہ اپنے بل بوتے پر کھڑے ہو سکیں تو وہ سبب باقی نہ رہا جس کی وجہ سے اجتہاد مؤلفۃ القلوب کا حصہ رکھا گیا تھا۔ اس لیے باجماع صحابہ یہ حصہ ہمیشہ کے لیے ساقط ہو گیا۔

کے لیے ختم ہو گئی ہے۔ یہی مسلک امام مالکؒ کا بھی ہے۔ البتہ بعض دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ مدارج بھی باقی ہے اور حسب ضرورت تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ کا مال صرف کیا جاسکتا ہے۔ ۱۔

(۵) غلام کو آزاد کرانا۔ یعنی جو غلام اپنے آقا سے یہ معاہدہ کر چکا ہو کہ اگر میں تمہیں اتنی رقم ادا کر دوں تو تم مجھے آزاد کر دو۔ ایسے غلام کو مکاتب کہتے ہیں۔ مکاتب کو آزادی کی قیمت ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ جام غلاموں کو زکوٰۃ کی رقم سے خرید کر آزاد کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی زمانے میں غلام موجود نہ ہوں تو یہ مدارج ساقط ہے گی۔

۲۔ مولانا مودودی صاحب اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حق قیامت تک ساقط ہو جانے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلاشبہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح تھا۔ اگر اسلامی حکومت تالیف قلب کے لیے مال صرف کرنے کی ضرورت سمجھتی ہو۔ تو کسی نے اس پر فرض نہیں کیا ہے کہ ضروری اس مد میں کچھ نہ کچھ صرف کر لے لیکن اگر کسی وقت اس کی ضرورت محسوس ہو تو اللہ نے اس کے لیے جو گنجائش رکھی ہے اسے باقی رہنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ (اذہ صحابہ کرام کا اجماع جس امر پر ہوا تھا۔ وہ صرف یہ تھا کہ ان کے زمانے میں جو حالات تھے ان میں تالیف قلب کے لیے کسی کو کچھ دینے کی وہ حضرات ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ اسی سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی محمولہ نہیں ہے کہ صحابہؓ کے اجماع نے اس مدارج قیامت تک کے لیے ساقط کر دیا جو قرآن میں بعض اہم مسائل دینی کے لیے رکھی گئی تھی (تفسیر القرآن دوم ص ۲۰۰)

۳۔ یہی مسلک امام شافعیؒ کا بھی ہے۔

(۶) قرضدار:- ایسے لوگ جو قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں، اور اپنی ضروریات سے بچا کر قرض ادا نہ کر پارہے ہوں۔ خواہ بے روزگار ہوں یا کمزور دلے اور ان کے پاس اتنا نہ ہو کہ اگر اپنا قرض چکا نہیں تو ان کے پاس بقدر نصاب باقی رہے اور اس سے وہ لوگ بھی مراد ہیں جو کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں، کوئی تادان یا غیر معمولی جہانہ دینا پڑا یا کاروبار فیل ہو گیا یا کوئی اور حادثہ پیش آیا اور سارا اثاثہ تباہ ہو گیا۔

(۷) فی سبیل اللہ:- اس سے مراد راہِ خدا میں جہاد ہے، جہاد کا لفظ قتال کے مقابلہ میں عام ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں وہ ساری کوششیں شامل ہیں جو مجاہدین نظام کفر کو مثلاً کہ نظام اسلامی کو قائم کرنے کے لیے کریں، چاہے وہ قلم و زبان سے ہوں، یا تلوار سے یا ہاتھ پاؤں کی محنت اور دھڑ دھوپ سے، اس کا دائرہ نہ تو اتنا محدود ہے کہ اس سے مراد محض قتال ہو اور نہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں رفاہ عام کے سارے کام شامل سمجھ لیے جائیں۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بالاتفاق اسلام نے صرف وہی کوششیں مراد لی ہیں جو دین حق کو قائم کرنے اس کی اشاعت و تبلیغ کرنے اور اسلامی مملکت کی حفاظت اور دفاع کے لیے کی جائیں۔ اس بعد و جہد میں جو لوگ شریک ہوں ان کے مصارف سفر، ان کی سواری، آلات و اسلحہ اور سروسامان کی فراہمی کے لیے زکوٰۃ کی رقم صرف کی جا سکتی ہے۔

نیز اس سے مراد وہ ناگزیر حرم نہیں جو حج کے ارادے سے روانہ ہوں اور راہ میں کسی حادثہ کا شکار ہو کر مالی تعاون کے محتاج ہوں اور وہ طلبہ بھی مراد ہیں جو دین کا علم حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اور حاجت مند ہوں۔

(۸) ابن السبیل یعنی مسافر۔ مسافر خواہ اپنے گھر میں خوش حال اور دولت مند ہو، لیکن حالت سفر میں اگر وہ مالی مدد کا محتاج ہے تو زکوٰۃ کی مدد سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ کے چند مسائل

(۱) ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی رقم ان سارے ہی مصارف میں تقسیم کی جائے جو قرآن میں بیان کیے گئے ہیں بلکہ حسبِ ضرورت اور موقع جن جن مصارف میں جس جس قدر مناسب ہو خرچ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو کسی ایک ہی مصرف میں ساری زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

(۲) زکوٰۃ کے جو مصارف ہیں یہی مصارف عشر اور صدقہ فطر کے بھی ہیں البتہ فعلی صدقات میں اختیار ہے۔

(۳) بنی ہاشم کے لوگ اگر زکوٰۃ کی وصول یابی اور تقسیم و حفاظت کے کام پر مامور کیے جائیں تو ان کا معاوضہ مد زکوٰۃ سے دینا جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم کے لوگوں پر زکوٰۃ کا مال حرام کر دیا ہے۔ البتہ بنی ہاشم کے لوگ معاوضہ لیے بغیر اگر یہ خدمت انجام دینا چاہیں تو انجام دے سکتے ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صدقات کی تحصیل و تقسیم کا کام ہمیشہ معاوضہ لیے بغیر ہی کیا۔

(۴) عام حالات میں کسی بستی کی زکوٰۃ اسی بستی کے حاجت مندوں اور ناداروں پر صرف کرنا چاہیے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ اس بستی کے لوگ محروم رہیں اور زکوٰۃ دوسرے مقامات پر بھیج دی جائے۔ ہاں اگر دوسرے مقامات پر ضرورت

شدید ہو، یا دینی مصلحت کا تقاضا ہو، مثلاً کسی مقام پر زلزلہ آگیا قحط پڑ گیا یا اور کوئی ناگہانی مصیبت آگئی یا کوئی تباہ کن فساد ہو گیا یا دوسرے مقامات پر کچھ دینی ادائے ہیں جو مالی تعاون کے محتاج ہیں یا رشتہ دار رہتے ہیں تو ان صورتوں میں دوسرے مقامات پر زکوٰۃ بھیجنا جائز ہے، لیکن یہ خیال رہے کہ اپنی بستی کے حاجت مند بالکل محروم نہ رہ جائیں۔

وہ لوگ جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

سات قسم کے افراد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۱) ماں باپ کو اور پر تک، یعنی دادا، دادی، نانا، نانی اور پھر ان کے ماں باپ کو اور پر تک۔

(۲) اولاد کو نیچے تک، یعنی، بیٹا، بیٹی، ان کی اولاد، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی، اور پھر ان کی اولاد نیچے تک۔

(۳) اپنے شوہر کو۔

(۴) اپنی بیوی کو۔

ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے کے معنی بالآخر یہ ہوتے ہیں کہ گویا زکوٰۃ کے مال سے اپنی ہی ذات کو نفع پہنچایا۔ لیکن اس کے یہ معنی ہر گز نہیں ہیں کہ اپنے مال سے آدمی ان کا تعاون نہ کرے، بلکہ شریعت کی جانب سے ان کی کفالت اور مالی تعاون ہر مسلمان پر لازم ہے۔ ان چار رشتوں کے علاوہ باقی سارے رشتہ داروں کو نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ دینا جائز ہے بلکہ بہتر ہے اور زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔

(۵) صاحب نصاب خوش حال آدمی کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اور نہ کسی فقیر اور نادار کو ان کا دینا جائز ہے کہ وہ صاحب نصاب ہو جائے۔ ہاں اگر وہ مقروض ہو یا کثیر العیال ہو تو حسب ضرورت زیادہ سے زیادہ دے سکتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”صدقہ مال دار آدمی کے لیے جائز نہیں جو ان پانچ افراد کے۔

(۱) راہ خدا میں جہاد کرنے والا۔

(۲) صدقہ کی تحصیل وغیرہ کا کام کرنے والا۔

(۳) مقروض۔

(۴) یا وہ شخص جو اپنی دولت سے صدقہ کا مال خریدے۔

(۵) یا وہ شخص جس کا پڑوسی مسکین ہو پھر اس مسکین کو صدقہ ملے اور وہ مسکین اپنے

دولتمند پڑوسی کو بطور ہدیہ پیش کر دے۔ ۱۷

(۶) غیر مسلم کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

(۷) بنی ہاشم کی اولاد میں تین خاندانوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

☆۱ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کو۔

☆۲ عائشہ کی اولاد کو۔

☆۳ ابوطالب کی اولاد کو۔

سادات نبی فاطمہ اور سادات علوی اس تیسرے خاندان میں داخل ہیں، کیونکہ

وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔

البتہ آج یہ تحقیق انتہائی دشوار ہے کہ فی الواقع کون بنی ہاشم میں سے ہے اس لیے

۱۷ موطا امام مالک۔

بیت المال سے تو ہر حاجت مند کی اعانت ہونی چاہیئے ہاں جس کو اپنے ہاشمی ہونے کا یقین ہو تو زکوٰۃ نہ لے۔

”امام مالکؒ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”صدقہ کا مال آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کھلیے جائز نہیں اس لیے کہ

صدقہ لوگوں کا میل ہی تو ہے۔“

زکوٰۃ کے متفرق مسائل

(۱) کسی شخص پر آپ کی کچھ رقم قرض ہے، اور اس کے حالات تنگ ہیں اگر آپ اپنی زکوٰۃ میں وہ رقم اس کو معاف کر دیں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ البتہ قرض کے بقدر اس کو زکوٰۃ میں دے دینے کے بعد وہی رقم آپ اپنے قرض میں اس سے وصول کر لیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(۲) گھر میں کام کاج کرنے والے نوکر، پارکر، خادم، ماما، دائی، وغیرہ کو زکوٰۃ دینا درست ہے البتہ خدمت کے معاوضے اور تنخواہ میں ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

(۳) ناداروں کے کپڑے بنانے، سردی کے موسم میں کپڑے پہننے کے لئے اور شادی وغیرہ کی ضروریات جتیا کر دینے میں زکوٰۃ کی رقم صرف کی جا سکتی ہے۔

(۴) جس خاتون نے کسی بچے کو دودھ پلایا ہے اگر وہ نادار اور حاجت مند ہو تو اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دے سکتی ہے اور وہ بچہ بھی جو ان ہونے کے بعد دودھ پلانے والی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

(۵) ایک شخص کو مستحق سمجھ کر آپ نے زکوٰۃ دے دی پھر بعد میں معلوم ہوا

کہ یہ تو صاحب نصاب ہے، یا ہاشمی سید ہے۔ یا تاریکی میں دی اور بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو زکوٰۃ دی ہے وہ اپنی والدہ یا اپنی لڑکی تھی، یا اور کوئی ایسا رشتہ دار تھا، جس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، تو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہو گئی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ لینے والے کو معلوم ہو کہ میں مستحق نہیں ہوں تو نہ لے اور اگر بعد میں معلوم ہو تو واپس کر دے۔

(۷) آپ نے کسی کو حاجت مند سمجھ کر زکوٰۃ دے دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ شخص غیر مسلم تھا، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی دوبارہ ادا کرنا ہوگی۔

(۸) لوٹ سکتے، اموال تجارت جو چیز بھی سونے یا چاندی کے نصاب کے بقدر ہو جائے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ مثلاً کسی کے پاس کچھ نوٹ ہیں۔ اور کچھ مختلف سکتے ہیں اور سب ملا کر ۴۰۰ (چار سو) بنتے ہیں یا اپنی ہی رقم کا مال تجارت ہے تو اگرچہ سونے کا نصاب تو پورا نہیں ہوتا لیکن چاندی کا نصاب پورا ہو جاتا ہے، تو یہ شخص صاحب نصاب ہو گا اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اس لیے کہ ۴۰۰ (چار سو روپے) کی رقم ساڑھے چھتیس (۳۶) تولے چاندی کی قیمت سے زیادہ ہے۔

(۹) کسی شخص کو عطیے میں یا انعام میں کوئی مال ملا اگر وہ بقدر نصاب ہے تو سال گزرنے پر اس سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

(۱۰) بینکوں میں رکھی ہوئی امانتوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۱۱) ایک شخص سال بھر مختلف طریقوں سے صدقہ اور خیرات کرتا رہا لیکن اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تھی سال گزرنے پر وہ اس خیرات کیے ہوئے مال کو زکوٰۃ میں محسوب نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ زکوٰۃ نکالنے کے لیے زکوٰۃ کی

نیت کرنا شرط ہے۔

(۱۱) زکوٰۃ کی رقم منی آرڈر کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہے۔ اور زکوٰۃ کی مد سے ہی منی آرڈر کی فیس ادا کرنا بھی جائز ہے۔

عشر کا بیان

عشر کے معنی

عشر کے لغوی معنی ہیں دسواں حصہ۔ لیکن اصطلاح میں عشر سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ ہے جو بعض زمینوں میں پیداوار کا دسواں حصہ ہوتی ہے اور بعض زمینوں میں پیداوار

کا بیسواں حصہ۔
عشر کا شرعی حکم

قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا
أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنْ الْأَرْضِ - (البقرہ: ۲۶۷)

”ایمان والو! راؤ خدا میں بہتر حصہ خرچ کرو۔ اپنی کمائی میں سے اور اس میں جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے۔“

دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

وَأَكُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ - (الانعام: ۱۴۱)

”اور اللہ کا حق ادا کرو، جس دن تم اُن کی فصل کاٹو۔“

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر ہے۔

قرآن پاک کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار میں عشر فرض ہے اور حدیث رسول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے۔

”جو زمین بارش یا پٹے کے پانی سے سیراب ہوتی ہے یا جو خود بخود دریا سے شرب ہونے کی وجہ سے سیراب ہو اس میں عشر واجب ہے اور جو کنوئیں وغیرہ سے پانی کھینچ کر سیراب کی باقی ہو اس میں نصف عشر واجب ہے۔“

عشر کی شرح

جس کھیت یا باغ کو بارش کا پانی، چٹھے، دریا، ندی اور قدرتی نالوں کا پانی سیراب کرتا ہو یا دریا کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے قدرتی طور پر نعم اور سیراب رہتی ہو اس میں پیداوار کا دسواں حصہ عشر میں نکالنا واجب ہے اور جو کھیت یا باغ آب پاشی کے مصنوعی ذرائع مثلاً ٹیوب ویل، رہٹ وغیرہ سے سیراب کیے جاتے ہوں ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ یعنی نصف عشر نکالنا واجب ہوتا ہے۔

عشر خدا کا حق ہے اور یہ کل پیداوار کا واقعی دسواں حصہ یا بیسواں حصہ ہوتا ہے، لہذا غلہ یا پھل جب قابل استعمال ہو جائیں تو پہلے عشر نکال لیا جائے پھر وہ غلہ یا پھل استعمال کیے جائیں۔ عشر نکالنے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ورنہ واقعی دسواں یا بیسواں حصہ خدا کی راہ میں نہ جائے گا۔

کن چیزوں میں عشر واجب ہے

زمین کی ہر پیداوار میں عشر واجب ہے۔ اس پیداوار میں بھی جو ذخیرہ کر کے رکھی جاسکتی ہے مثلاً غلہ، سرسوں، تلی، مونگ پھلی، گنا، کھجور، خشک میوے وغیرہ اور اس پیداوار میں بھی جو ذخیرہ کر کے نہیں رکھے جاسکتے، مثلاً سبزی، ترکاری، لکڑی، کھیر

گاجر، موٹی شلجم، تربوز، خربوزہ، لیمو، سنگترہ، امرود، مالٹا، آم، جاسن وغیرہ۔
 شہد پر بھی عشر واجب ہے، علماء اہلحدیث بھی شہد میں عشر کے قائل ہیں۔
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَذُوا الْعُشْرَ فِي الْعَسَلِ ۝

”شہد میں عشر ادا کرو۔“

نیز شہد کی شرح واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

فِي كُلِّ عَشْرَةٍ اِذَا قَاتَى سِتْنًا ۝

”ہر دس شتک شہد میں ایک شتک عشر واجب ہے۔“

اور حضرت ابو سیادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا،
 یا رسول اللہ! میرے پاس شہد کی مکھیاں رہتی ہوئی ہیں تو آپ نے حکم دیا پھر اس کا
 عشر ادا کرو۔ ۝

۱۔ بعض فقہاء کے نزدیک سبزی، ترکاری، پھول پھل وغیرہ جو ذخیرہ کر کے نہیں رکھے جاتے ان
 پر عشر واجب نہیں ہے، البتہ کاشتکار اگر انہیں مارکٹ میں فروخت کرتا ہے تو اس پر تمہارتی زکوٰۃ
 واجب ہوگی جب کہ وہ بغیر نصاب ہو یعنی کاروبار کا تمہارتی سرمایہ سال کے آغاز اور اختتام پر
 دو سو درہم یا اس سے زائد ہو۔

۲۔ بیہقی۔

۳۔ جامع ترمذی۔

۴۔ امام مالک اور حضرت سفیانؒ کے نزدیک شہد میں عشر نہیں ہے، امام شافعیؒ کا مشہور قول
 (بانی برکتہ)

انہی روایات کی بنا پر حنفیہ اہل حدیث، احمد بن حنبل، عمر بن عبدالعزیز وغیرہ شہد کو محض عشر مانتے ہیں اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی اس کے حق میں ہے، صحابہ میں سے ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ بھی اسی کے قائل تھے۔

شکر کے مسائل

(۱) عشر کل پیداوار کا دسواں کیا جائے گا اور عشر ادا کرنے کے بعد باقی پیداوار سے مل بیل اور سنبھائی، نگرانی وغیرہ کے مصارف ادا کیے جائیں گے مثلاً کسی کمیت میں بیس

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۷) بھی یہی ہے اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں شہد کی زکوٰۃ کے محلے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

بہیقی میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے شہد کا عشر لایا اور درخواست کی کہ سبلہ جنگل کی حفاظت کا انتظام فرما دیجئے۔ آپ نے اس جنگل کی حفاظت کا انتظام فرما دیا۔ پھر سب عمرؓ کا دور خلافت آیا تو سفیان بن حرب نے عمرؓ سے اس بارے میں تحقیق چاہی آپ نے لکھ بھیجا کہ وہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے۔ تمہیں بھی دیں تو لے لو اور سبلہ جنگل کی حفاظت کا بندوبست کر دو۔ ورنہ وہ تو کھئی دے پیدا ہونے والی چیز آسمانی بارش کے مانند ہے جو چاہے اسے استعمال کرے۔

مردودی صاحب کی رائے یہ ہے کہ شہد کی پیداوار پر تو زکوٰۃ نہ ہو البتہ اس کی تجارت پر دہی زکوٰۃ مانند جو دوسرے اموال تجارت پر عائد ہوتی ہے۔

کونسل غلہ پیدا ہوا ہے تو پہلے دو کونسل قطر عشر میں ادا کیا جائے پھر باقی ماندہ اٹھ سارہ کونسل غلے سے کھیتی باڑی کے دوسرے مصارف ادا کیے جائیں گے۔

(۲) پیداوار جس وقت سے قابل استعمال ہو جائے اسی وقت اس پر عشر واجب ہو جاتا ہے، مثلاً چنا، مکئی اور آم وغیرہ بکنے سے پہلے ہی استعمال ہونے لگتے ہیں لہذا اسی وقت جتنی پیداوار ہے اس کا عشر نکالنا ہو گا۔ عشر بیکالنے سے پہلے اس کو استعمال میں لانا درست نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص اپنی کھیتی یا باغ جس میں پہل آپکے ہیں فروخت کر ڈالے تو بکنے سے پہلے فروخت کرنے کی صورت میں عشر خریدار پر واجب ہو گا اور اگر بکنے کے بعد فروخت کیا ہے تو عشر بیچنے والے کے ذمے ہو گا۔

(۴) زمین میں جو شخص کاشت کر رہا ہے عشر اسی پر واجب ہو گا خواہ وہ کرایہ پر زمین لے کر کاشت کر رہا ہو یا عاریتاً زمین لے کر کاشت کر رہا ہو۔

(۵) اگر دو افراد شرکت میں کھیتی باڑی کر رہے ہوں تو عشر دونوں شرکاء پر ہو گا۔ خواہ بیچ ایک ہی شریک کا ہو۔

(۶) عشر فرض ہونے کے لیے کسی فضا کی شرط نہیں ہے بلکہ پیداوار

لے یہ امام اعظم کا مسلک ہے صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں عشر فرض نہیں ہوتا۔ اہل حدیث کے نزدیک بھی پانچ وسق سے کم میں عشر فرض نہیں ہے، اور عشر کی فرضیت کے لیے یہی ایک شرط ہے کہ پیداوار کم از کم پانچ وسق ہو۔ اہل کلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔

لیس فیما دون خمسة اوسق صداقة۔ (بخاری)

”پانچ وسق سے کم پیداوار میں صدقہ (عشر) واجب نہیں۔“

تھوڑی ہو یا کم عشر ہر حال فرض ہوگا۔ البتہ ایک صاع یعنی دو ڈھائی کلو سے کم پیداوار قابل لحاظ نہیں ہے۔

(۷) عشر میں سال گزرنے کی قید نہیں ہے بلکہ جن زمینوں میں سال کے اندر دو بار کاشت کی جاتی ہے ان میں ہر فصل پر عشر واجب ہے۔

(۸) نابالغ بچے اور کم عقل دیوانے کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔

(۹) وقف کی زمین اگر کوئی کاشت کرے تو اس کاشت کار پر بھی عشر واجب ہے۔

(۱۰) بوزین بارانی ہوا میں اگر مصنوعی ذرائع سے بھی آب پاشی کی جائے۔ تو عشر نکالنے میں اس کا لحاظ ہوگا کہ وہ زمین قدرتی ذرائع سے زیادہ سیراب ہوئی ہے یا مصنوعی ذرائع سے۔

(۱۱) عشر ادا کرنے میں یہ اختیار ہے کہ چاہے وہی پیداوار عشر میں ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے۔

(۱۲) ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں ان کو عشری سمجھنا چاہیے۔ اور مسلمانوں کو عشر ادا کرنا چاہیے۔ لے

(۱۳) عشری کی زمین کی مال گزاری دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا لے

(۱۴) عشر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

لے ہندوستان میں جو اراضی ملوکہ مسلمیں ہیں وہ عشری ہیں، کیونکہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے پس بحالت اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے (فتاویٰ دارالعلوم جلد سوم مشا)

لے فتاویٰ دارالعلوم سوم مشا۔

رکاز کے مسائل

رکاز سے مراد وفیہ اور معدنیات ہیں۔ زمین میں پوشیدہ ہونے کی وجہ سے ان کو رکاز کہتے ہیں۔

(۱) برآمد شدہ دھنیں میں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے حدیث میں ہے فی النکاح الخمس یعنی دھنیں میں پانچواں حصہ واجب ہے۔

(۲) کانوں سے نکلنے والی چیزوں میں خواہ وہ دھاتیں ہوں جیسے لوہا، چاندی، سونا، رانگا وغیرہ یا جامد چیزیں ہوں جیسے گندھک وغیرہ ان میں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے۔ اور چار حصے کان والے کے۔

(۳) زمین سے نکلنے والی ان چیزوں میں بیت المال کا کوئی حصہ نہیں جو آگ میں ڈالنے سے نرم نہ ہوتی ہوں، جیسے جواہرات وغیرہ، اور قریق چیزوں میں بھی بیت المال کا کچھ واجب نہیں جیسے تیل اور پٹرول وغیرہ۔

۱۔ امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ معدنیات خواہ وہ دھاتیں ہوں یا جامد (گندھک وغیرہ) یا نباتات (پٹرول، پارہ وغیرہ) سب پر دھاتی فیصدی زکوٰۃ واجب ہوگی اگر ان کی قیمت بقدر نصاب ہو، اور یہ پرائیویٹ ملکیت میں ہوں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں اس مسلک پر عمل بھی تھا۔ (المغنی جلد دوم ص ۵۰)۔

صدقہ فطر کا بیان

صدقہ فطر کے معنی

فطر کے لغوی معنی ہیں روزہ کھولنا۔ اور صدقہ فطر کے معنی ہیں روزہ کھولنے کا صدقہ۔ اصطلاح میں صدقہ فطر سے مراد وہ واجب صدقہ ہے جو رمضان ختم ہونے پر اور روزہ کھلنے پر دیا جاتا ہے۔

ہمس سال مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم بھی دیا۔
صدقہ فطر کی حکمت اور فوائد۔

رمضان المبارک میں روزے رکھنے والے اپنی مدت تک یہ کوشش کرتے ہیں کہ رمضان کا احترام کریں اور ان حدود اور آداب و شرائط کا پورا پورا لحاظ رکھیں، جن کے اہتمام کی بشریت نے تاکید کی ہے تاہم انسان سے بہت سی شعوری اور غیر شعوری کوتاہیاں ہوجاتی ہیں۔ صدقہ فطر کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں دل کی آمادگی سے اپنی کمائی خرچ کرے تاکہ ان کوتاہیوں کی تلافی ہو سکے اور خدا کے حضور روزہ شرف قبول پاسکے۔ اس کے علاوہ عید کے موقع پر صدقہ فطر پہنچنے کی ایک حکمت اور مصلحت یہ بھی ہے کہ مومناں کی نادار اور غریب افراد بھی اطمینان

اور کسادگی کے ساتھ اپنے کھانے پینے اور پہننے اور سونے کی ضرورتیں پوری کر سکیں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عید گاہ میں سامنے ہو سکیں، تاکہ عید گاہ کا اجتماع عظیم الشان ہو اور راستوں میں مسلمانوں کی کثرت سے اسلام کی شان و شوکت کا بھی اظہار ہو سکے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ وہ روزے داروں کو بے ہودہ کاموں اور بے شرعی کی نفرتوں سے پاک کر دے اور نادار حاجت مندوں کے کھانے پینے کا نظم ہو جائے۔ پس جو شخص عید کی نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کرے گا تو وہ صدقہ شرف قبول پائے گا اور جو نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقہ و خیرات کی طرح ایک صدقہ ہوگا۔“ ۱

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: ”عید کا دن، خوشی کا دن ہے، اور اس دن اسلام کی شان و شوکت کا اظہار مسلمانوں کی کثرت اور عظیم اجتماعت کے ذریعے کیا جاتا ہے اور صدقہ فطر سے اس مقصد کی تکمیل ہوتی ہے اس کے علاوہ صدقہ فطر روزے کی تکمیل کا بھی سبب ہے۔“ ۲

صدقہ فطر کا حکم

صدقہ فطر ہر ایسے خوش حال مسلمان مرد اور عورت پر بالغ، نابالغ پر واجب ہے۔ جس

۱ ابو داؤد، ابن ماجہ۔

۲ حجتہ اللہ البالغہ۔

۳ اہل حدیث کے نزدیک صدقہ فطر زکوٰۃ کی طرح فرض ہے۔ اور ہر امیر، غریب، مرد و عورت، آزاد، غلام اور چھوٹے بڑے پر فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکتے کے (باقی بر ص ۱۲۳)

کے پاس اس کی اصلی ضرورتوں سے زیادہ انہی قیمت کا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، خواہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو یا نہیں۔ مثلاً کسی کے پاس اپنی رہائش گاہ کے علاوہ بھی مکان ہے جو خالی پڑا ہے یا کرایہ پر اٹھا ہوا ہے، اگر اس مکان کی قیمت نصاب کے بقدر ہو تو اس مالک پر صدقہ فطر واجب ہے اگرچہ اس مکان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر اسی مکان کے کر لئے پر اس کا گزارہ ہے تو پھر یہ مکان اصلی ضرورت میں شمار ہوگا اور اس پر صدقہ فطر واجب نہ ہوگا۔ یا کسی کے گھر میں استعمال ہونے والے سامان کے علاوہ کچھ سامان ہے، مثلاً تانبے کے برتن، یا قیمتی فرنیچر وغیرہ جس کی مالیت نصاب کے بقدر یا اس سے زائد ہے تو صدقہ فطر واجب ہو جائے گا۔ اگرچہ اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲۲) گلی کوہوں میں اپنا آدمی بھیج کر یہ اعلان کرایا تھا :-

”اگاہ ہو! صدقہ فطر ہر مسلمان مرد، عورت، آزاد، غلام اور چھوٹے بڑے پر واجب ہے“ (ترمذی)

نیز ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر فرض فرمایا ہے ایک صاع کھجور، یا

ایک صاع جو، ہر غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے بڑے مسلمان پر اور یہ حکم فرمایا ہے کہ عید گاہ

جاننے سے پہلے ادا کریں“ (بخاری)

۱۰ اہل حدیث کے نزدیک صدقہ فطر کے لیے نصاب کے بقدر مال ہونا ضروری نہیں۔ جس

شخص کے پاس بھی ایک روز کی خوراک سے زائد فطرہ اور کھانے کا سامان ہو اس پر صدقہ فطر فرض

ہے۔ (اسلامی تعلیم، ج ۱ ص ۱۵۳)

”آگاہ رہو! صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے وہ مرد ہو یا عورت اگر ادھویا غلام“

چھوٹا ہو یا بڑا ۱۱

صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے اوپر بیان کیے ہوئے نصاب کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے۔ نہ آزادی شرط ہے نہ بلوغ اور نہ ہوش و خرد۔ غلام پر بھی واجب ہے لیکن اس کا آقا ادا کرے گا۔ نابالغ اور دیوانے پر بھی واجب ہے لیکن اس کا باپ اور ولی ادا کریگا۔ صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ مل پر سال گزر جائے بلکہ طلوع فجر سے چند لمحہ پہلے بھی اگر کسی کو خدا مال و دولت سے نواز دے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہو جائے گا۔

صدقہ فطر واجب ہونے کا وقت

صدقہ فطر واجب ہونے کا وقت عید کے دن طلوع فجر سے ہے۔ لہذا جو شخص طلوع فجر سے پہلے فوت ہو جائے یا دولت سے محروم ہو کر نادار ہو جائے تو اس پر واجب نہ ہوگا۔ اور اس بچے پر بھی واجب نہ ہوگا۔ جو طلوع فجر کے بعد پیدا ہو، ہاں جو کچھ طلوع فجر سے پہلے عید کی شب میں پیدا ہو، اس پر صدقہ فطر واجب ہے، اسی طرح جو شخص طلوع فجر سے پہلے اسلام کی سعادت پالے یا دولت مند ہو جائے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔

۱۲ ترمذی۔

۱۳ اہل حدیث کے نزدیک صدقہ فطر واجب ہونے کا وقت رمضان کے آخری دن غروب آفتاب سے شروع ہو کر عید کی نماز کے پہلے تک رہتا ہے اس کو فطر کا صدقہ کہتے ہیں۔ لہذا رمضان کا آخری روزہ افطار کرنے کے بعد سے عید تک واجب ہوتا ہے اگرچہ اس کی ادائیگی کچھ بھی درست ہے۔

صدقہ فطر ادا کرنے کا وقت

صدقہ فطر واجب ہونے کا وقت تو عید کے دن طلوع فجر ہے لیکن اس کے وجوب کی حکمت اور مقصد کا تقاضا یہ ہے کہ عید سے چند یوم پہلے ہی ضرورت مندوں کو پہنچا دیا جائے تاکہ غریب اور نادار لوگ بھی اپنے کھانے پینے اور پہننے کی ضرورت کا سامان اطمینان کے ساتھ فراہم کر کے سب کے ساتھ عید گاہ ہا سکیں۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک دو دن پہلے ہی صدقہ فطر ادا کر دیا کرتے تھے۔ اگر کسی دھرم سے دو ہار یوم پہلے ادا نہ کر سکے تو عید کی نماز سے پہلے تو بہر سال ادا کر دینا چاہیئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

فَمَنْ آدَاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فِي نِكَاحٍ مَقْبُولَةٍ وَمَنْ آدَاهَا
بَعْدَ الصَّلَاةِ فِي مَدَقَةٍ مِنَ الصَّدَقَاتِ -

”جو شخص نے صدقہ فطر نماز سے پہلے ادا کر دیا تو وہ خدا کے حضور مقبول صدقہ ہے اور جو شخص نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقہ و غیرات کی طرح ایک صدقہ ہے۔“

عید گاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا مستحب ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے یا کاہلی کی بنا پر عید سے پہلے ادا نہ کر سکے تو وہ عید کے بعد ادا کر دے یہ نہ سمجھے کہ اب معاف ہو گیا ہے۔

کس کس کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے

(۱) خوش سال مرد پر اپنے علاوہ نابالغ اولاد کی طرف سے بھی واجب ہے۔ اگر نابالغ اولاد دولت مند ہے تو اس کے مال میں سے ادا کرے ورنہ اپنے پاس سے

ادا کرے۔

(۲) بالغ اولاد کی طرف سے اس صورت میں واجب ہے جب وہ نادار اور غریب ہو، مال دار ہونے کی صورت میں واجب نہیں۔

(۳) جو اولاد ہوش و خرد سے محروم ہو، ان کے پاس مال ہو یا نہ ہو ہر صورت میں ان کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے خواہ وہ بالغ ہوں۔

(۴) ان خادموں کی طرف سے بھی واجب ہے جو اس کی سرپرستی میں رہتے ہوں اور جن کے کھانے کپڑے کا یہ فیصل ہو۔

(۵) بیوی کی طرف سے واجب تو نہیں ہے، لیکن اگر بطور احسان ادا کر دیا جائے تو جائز ہے، بیوی کی طرف سے ادا ہوا جائے گا۔

(۶) باپ اگر فوت ہو جائے تو دادا کے لیے وہی سارے احکام ہیں جو باپ کے لیے بیان ہوئے۔

(۷) خاتون اگر خوشحال ہو تو اس پر صرف اپنی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے اپنے علاوہ کسی طرف سے واجب نہیں نہ اولاد کی طرف سے نہ ماں باپ کی طرف سے اور نہ شوہر کی طرف سے۔

صدقہ فطر کی مقدار

صدقہ فطر کی مقدار اتنی روپے والے سیر کے حساب سے ایک سیر تین چھٹانک گیہوں یا گیہوں کا آٹا ہے اور یہ وزن ایک کلو ایک سو دس گرام (۱۰۰۰) بنتا ہے یہ

۱۔ علم الفقہ جلد چہارم ص ۵۲۔ لیکن مولانا اشرف علی صاحب کے نزدیک ایک آدمی کا صدقہ فطر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک ہے، بلکہ احتیاطاً دو سیر یا اور زائد دینا بہتر ہے۔ (وہبشتی زیور میرا حصہ ص ۲۷)۔

اور اگر جو یا جو کا آٹا یا چھو ہارے یا منقہ دینا ہو تو گھیروں کے وزن سے دو گن یعنی دوسیر حقہ چھٹانک دینا ہوگا۔

صدقہ فطر کے متعلق مسائل

- (۱) جس شخص نے کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں صدقہ فطر اس پر بھی واجب ہے، صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔
- (۲) صدقہ فطر میں غلہ بھی دے سکتے ہیں اور غلے کی قیمت بھی، مناسب یہ ہے کہ غلہ یا قیمت دینے میں فقراء اور مساکین کا فائدہ پیش نظر رہے۔
- (۳) اگر گھیروں یا جو کے علاوہ کوئی دوسرا غلہ جو ار، باجرا، چنا، مکئی وغیرہ دینے کا پروگرام ہو تو وہ گھیروں یا جو کی قیمت کے بقدر ہونا چاہیے۔
- (۴) ایک شخص کا صدقہ فطر ایک فقیر کو دینا بھی جائز ہے اور چند فقیروں کو دینا بھی جائز ہے، اسی طرح چند افراد کا صدقہ فطر ایک فقیر کو بھی دینا درست ہے اور چند فقیروں کو بھی۔
- (۵) اگر کسی کے پاس کچھ گھیروں ہوں اور کچھ جو تو وہ حساب لگا کر صدقہ فطر کی مقدار پوری کر کے ادا کرے۔
- (۶) اگر ضرورت ہو تو صدقہ فطر کی رقم دوسرے مقامات پر بھی بھیجی جاسکتی ہے، لیکن کسی شدید اور محقول ضرورت کے بغیر ایسا نہ کرنا چاہیئے۔
- (۷) صدقہ فطر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

17A

blank

-36



روزے کا بیان

رمضان کا روزہ اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے، قرآن میں نہ صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے روزے رکھو بلکہ اس کے آداب و احکام بھی بیان کئے ہیں۔ اور رمضان کی عظمت و برکت کے وجہ پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ پہلے ہم اس مہینے کے فضائل و برکات بیان کرتے ہیں جس کے روزے شریعت نے مسلمانوں پر فرض کیے ہیں۔

رمضان المبارک کے فضائل

رمضان کی عظمت و فضیلت قرآن میں

قرآن پاک میں رمضان کی عظمت و فضیلت کے عین وجہ بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) نزل قرآن یعنی اسی مہینے میں قرآن پاک نازل ہوا۔

(۲) لیلة القدر یعنی اسی مہینے میں ایک رات ایسی مبارک ہے کہ وہ خیر و برکت

میں ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

(۳) فرضیت صوم یعنی اسی مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کیے گئے ہیں۔

ابھی فضائل کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شہر اللہ و اللہ کا مہینہ کہہ کر خدا کی

طرف نسبت کا شرف بخشا ہے، اور اس کو تمام مہینوں سے افضل قرار دیا ہے، ذیل میں ان وجوہ کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

فضیلت رمضان کے وجوہ

(۱) نزولِ قرآن۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ (البقرہ: ۱۸۵)

”رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو سارے انسانوں کے لیے ہدایت ہے، جو راہِ حق و کمانے والی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی کتاب ہے۔“

رمضان کی عظمت و فضیلت کے لیے صرف یہ بات کیا کم ہے کہ اس میں خدا نے ہدایت کی آخری کتاب نازل فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ انسانیت اگر سرچشمہ ہدایت سے محروم ہوتی تو یہ پورا کارخانہ ہستی سورج کی تاب ناک اور جہانداروں کی دلاویز روشنی کے باوجود تیرہ و تار ہوتا، اور ساری صنّاعی اور حسن و جمال کے باوجود کائنات نہ صرف بے رونق بلکہ نامکمل اور بے مقصد ہوتی، اور کفر و النحاد اور شرک و معصیت میں بھٹکے ہوئے انسان جنگل کے درندوں سے زیادہ بدتر ہوتے۔ قرآن اس سرزمین پر ہدایت اور روشنی کا ایک ہی سرچشمہ ہے جو اس سے محروم ہے وہ یقیناً ہدایت اور خیر سے محروم ہے۔

(۲) لیلة القدر۔ قرآن پاک میں صراحت ہے کہ قرآن رمضان میں نازل

کیا گیا، اور یہ کہ لیلة القدر میں نازل کیا گیا ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ
 لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا
 بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ فَهِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ (القدر: ۱-۵)
 ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا، اور تم کیا جانو کہ شب قدر
 کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح الٰہی اپنے رب
 کے حکم سے ہر ایک کام کے انتظام کے لیے اترتے ہیں۔ سلامتی ہی سلامتی! یہاں تک
 کہ صبح ہو جائے۔

اس کے لازمی معنی یہ ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان ہی کی کوئی رات ہے، اور حدیث میں
 وضاحت ہے۔

”اُس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے“
 اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
 ”لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو“
 (۳) فرضیت صوم ۱۔ خدا نے روزے جیسی اہم عبادت کے لیے اس مہینے کو
 مقرر فرمایا اور اس پورے مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کیے قرآن میں ہے۔
 فَصَلِّ شَهْرًا مِنْكُمْ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط۔ (البقرہ: ۱۸۵)
 ”ہر شخص بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پورے

مہینے کے روزے رکھے ۵

رمضان کی عظمت و فضیلت حدیث میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی عظمت و برکت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

☆ ”جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا اور خدا کا منادی پکارتا ہے کہ لئے بھلائی اور خیر کے طالب آگے بڑھ! اور اسے برائی اور بد عملی کے شائق رُک! اور خدا کی طرف سے بہت سے نافرمان بندوں کو دوزخ سے رہائی بخشی جاتی ہے، اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے۔“

☆ اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کی روزی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

☆ رمضان تمام مہینوں کا سردار ہے۔ ۴

☆ اس مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری

حصہ آتش جہنم سے رہائی اور نجات ہے۔ ۵

۱۵ جامع ترمذی، ابن ماجہ۔

۱۶ مشکوٰۃ۔

۱۷ علم الفقہ جلد ۲ بحوالہ مراقاة المفاتیح۔

۱۸ مشکوٰۃ۔

* اس مہینے میں جو شخص خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی خوشی سے کوئی نفل نیک کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر و ثواب پائے گا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ ۱۷

رمضان کی عظمت و اہمیت تاریخ میں

تاریخ کی شہادت ہے کہ حق و باطل کی پہلی فیصلہ کن جنگ (غزوہ بدر) اسی مہینے میں ہوئی اور حق کو باطل سے ممتاز کر دینے والا مبارک دن جس کو قرآن نے ”یوم الفرقان“ کہا ہے رمضان ہی کا ایک مبارک دن تھا، اسی دن حق کو پہلی فتح حاصل ہوئی اور باطل سرنگوں ہوا۔ پھر تاریخ کی شہادت یہ بھی ہے کہ رمضان ہی میں مکہ بھی فتح ہوا۔ ان معلومات کو مرتب کر کے غور کیجئے۔

* حق کی ہدایت اسی مہینے میں نازل ہوئی۔

* اسلام کو ابتدائی غلبہ اسی مہینے میں حاصل ہوا۔

* اور اسلام کو مکمل غلبہ بھی اسی مہینے میں نصیب ہوا۔

رمضان کا مہینہ ہر سال انہی حقیقتوں کی یاد دہانی کے لیے آتا ہے شریعت نے اس مہینے میں روزے فرض کیے اور قیام لیل اور تلاوت قرآن کا نظم فرمایا، تاکہ مومنین میں روح جہاد مردہ نہ ہونے پائے اور وہ سال میں کم از کم ایک بار رمضان میں قرآن سن کر یا پڑھ کر اپنا منصب اور فریضہ شعور کے ساتھ ذہنوں میں تازہ کر سکیں۔ قرآن کا نزول اور اس

کی تلاوت اور روزے کی مجاہدانہ تربیت اسی لیے ہے کہ فرزندِ اسلام دین کو غالب اور قائم کرنے ہی کے لیے زندہ ہیں اور کسی وقت بھی اس منصبی فریضے سے غافل نہ ہوں۔

روزے کے معنی

روزے کو عربی میں صوم یا سیام کہتے ہیں جس کے معنی ہیں کسی چیز سے دُک جانا اور اس کو ترک کر دینا۔ شریعت کی اصطلاح میں صوم سے مراد یہ ہے کہ آدمی صحیح مادی سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہے۔

روزے کی فرضیت کا حکم

ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد انصار دینی مہینے میں رمضان کے روزے مسلمانوں پر فرض کیے گئے اور تعم دیگیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ - (البقرہ: ۱۸۳)

”اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا۔“

”روزہ فرض عین ہے جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو کسی عذر کے بغیر نہ رکھے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔“

روزے کی اہمیت

قرآن حکیم کی شہادت ہے کہ روزہ تمام آسمانی شریعتوں میں فرض رہا ہے اور ہر امت کے لیے نظامِ عبادت میں اس کو ایک لازمی جزو کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ - (البقرہ: ۱۸۳)

”جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔“

یہ آیت محض ایک تاریخی واقعہ بیان کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس اہم حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ روزے کو نفس انسانی کی تربیت سے خصوصی تعلق ہے اور تزکیہٴ قلوب میں اس کو ایک فطری دخل ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تربیت و تزکیہ کا کوئی اس کے بغیر پورا ہی نہیں ہو سکتا اور کوئی بھی دوسری عبادت اس کا بدل نہیں بن سکتی یہی وجہ ہے کہ یہ تمام انبیاء کی سابقہ شریعتوں میں فرض رہا ہے۔

اس کی اہمیت واضح فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

”جو شخص کسی (شرعی) عذر اور مرض کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ

دے وہ اگر عمر بھر بھی روزے رکھے تب بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔“

یعنی رمضان کے روزے کی خیر و برکت اور فضیلت و اہمیت یہ ہے کہ اگر کوئی غافل و اناستہ رمضان کا کوئی روزہ ترک کر دے تو اس محرومی اور خسران کی تلافی عمر بھر روزے رکھنے سے بھی نہیں ہو سکتی ہاں اس کی قانونی قضا ہو سکتی ہے۔

روزے کا مقصد

روزے کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ آدمی میں تقویٰ پیدا ہو۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ - (البقرہ: ۱۸۳)

”تا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔“

تقویٰ دراصل اس ”اخلاقی جوہر“ کا نام ہے جو خدا کی محبت اور خوف سے پیدا

ہوتا ہے خدا کی ذات پر ایمان اور اس کی صفت رحمت و کرم اور فضل و احسان کے گہرے احساس سے جذبہ محبت جنم لیتا ہے اور اس کی صفت قہر و غضب اور عذاب و عتاب کے شعوری تصویر سے جذبہ خوف ابھرتا ہے اور محبت و خوف کی یہ قلبی کیفیت ہی تقویٰ ہے جو تمام اعمال خیر کا اصل سرچشمہ اور تمام اعمال بد سے روکنے کا حقیقی ذریعہ ہے۔

روزہ خدا کی ذات پر بخیرہ یقین اور اس کی دو گونہ صفات، رحمت و کرم اور قہر و غضب کا گہرا احساس پیدا کرتا ہے۔ دن بھر مسلسل کئی گھنٹے اپنے انتہائی بنیادی اور منہ دہری خواہشات سے رکاوٹ مہنا آدمی پر یہ اثر چھوڑتا ہے کہ وہ انتہائی عاجز و درماندہ اور واقعی مجبور و محتاج ہے، وہ زندگی کی ایک ایک سانس کے لیے خدا کے فضل و کرم کا حاجت مند ہے اور پھر وہ زندگی کو خدا کی نعمتوں سے مالا مال دیکھ کر جذبات محبت سے سرشار ہو جاتا ہے۔ اور دلی ذوق و شوق کے ساتھ خدا کی اطاعت و بندگی میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ اور جب وہ اپنی انتہائی پُر زور اور ہیجانی خواہشات سے تنہائی کے ان گوشوں میں بھی رکا رہتا ہے، جہاں اس پر خدا کے سوا کسی کی نظر نہیں پڑتی تو اس سے خدا کے خوف اور محبت کا احساس گہرے سے گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے دل پر خدا کی عظمت و جبروت کا سایہ اس طرح چھا جاتا ہے کہ وہ پھر گناہ کے تصور سے بھی کانپنے لگتا ہے۔

حقیقی روزہ

لیکن روزے کا یہ عظیم مقصد اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب روزہ پورے احساس و شعور کے ساتھ رکھا جائے اور ان تمام کمزریات سے اس کی حفاظت کی جائے

جن کے اثر سے روزہ بے جان ہو جاتا ہے۔ حقیقی روزہ دراصل وہی ہے جس میں آدمی قلب و روح اور ان کی ساری صلاحیتوں کو خدا کی نافرمانی سے بچائے اور نفس کی ہر بُری خواہش کو روزہ ڈالے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”جب تو روزہ رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور اپنے سارے اعضاءے جسم کو خدا کی ناپسندیدہ باتوں سے روک رکھے۔“ ۱

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

”جو شخص روزہ رکھ کر بھی جموٹ بولنے اور جھوٹ پھیل کرنے سے باز نہ رہا تو خدا کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔“ ۲

اور آپ نے متنبہ فرمایا۔

”رکھتے ہی روزے دار ایسے ہوتے ہیں کہ روزے سے بھوک اور پیاس کے سوال ان کے پتے کچھ نہیں پڑتا۔“

روزے کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”آدمی کے ہر عمل خیر کا اجر دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے۔ مگر خدا کا ارشاد ہے کہ روزہ کا معاملہ اور ہے، وہ تو خالص میرے لیے ہے اور میں خود

ہی اس کا اجر دوں گا۔ بندہ میری ہی خاطر اپنی خواہشات اور اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے، روزے دار کے لیے دُوسری ہیں۔

ایک افطار کے وقت (جب وہ اس جذبے سے سرشار ہو کر خدا کی نعمتوں سے لذت اندوز ہوتا ہے کہ خدا نے اس کو ایک فریضہ پورا کرنے کی توفیق بخشی۔

دوسری سرت اپنے پروردگار سے ملنے کے وقت (جب وہ خدا کے حضور بار بار اپنے گناہوں اور اس کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روٹھ کر رہے گا)۔

اور روزے دار کے منہ کی بُو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے اور روزہ رکن ہوں سے بچنے کی، ڈجال ہے اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ بے حیائی کی باتوں اور شور و ہنگامے سے دور رہے اور اگر کوئی گالی گلوچ کرنے لگے یا لڑنے جھگڑنے پر اُتر آئے تو اس کو سوجھنا چاہیے کہ میں روزہ دار ہوں، دھملا میرے لیے لڑنے جھگڑنے کی کیا گنجائش؟

نیز ارشاد فرمایا۔

”جس شخص نے ایمانی شعور اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے اس کے لئے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔“

ایمانی شعور کے ساتھ روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے وجود پر یقین ہو، اس کے وعدوں پر یقین ہو اور یہ یقین ہو کہ عمل کا اجر لازماً آخرت میں ملے گا اور خدا ہی اپنے علم و حکمت اور عدل و کرم کی بنیاد پر اجر دے گا۔

سہ بخاری اسلم۔

سہ بخاری اسلم۔

یہاں احتساب کے سنی یہ ہیں کہ خدا کی رضا اور اجر آخرت ہی کے لیے روزہ رکھا جائے نیز ان تمام چیزوں سے روزے کی حفاظت کی جائے جو خدا کو نا پسند ہیں اور جن سے خدا نے منع فرمایا ہے۔

رویت ہلال کے احکام

(۱) شعبان کی انتیس تاریخ کو رمضان کا پانچ دیکھنے کی کوشش کرنا مسلمانوں پر واجب کفایہ ہے۔ جنہری یا نجوم وغیرہ سے پانچ کا حساب لگا کر روزہ رکھنا اور پانچ دیکھنے سے بے نیاز ہو جانا ہرگز سباز نہیں۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ خود اس فن کے ماہر ہوں اور وہ نیک اور پرہیزگار بھی ہوں ان کو خود بھی اپنے حساب پر عمل کرنا جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”سہاند دیکھ کر روزے رکھو، اور پانچ دیکھ کر روزے ختم کرو اور اگر ۲۹ شعبان کو پانچ نظر نہ آئے تو شعبان کے ۳۰ دن کی گنتی پوری کر دیجئے۔“

(۲) پانچ کی رویت کو کسی تجربہ کی بنیاد پر مانتا اور روزہ رکھنا سباز نہیں مثلاً عوام میں مشہور ہے کہ ”جس دن رجب کی چوتھی ہے اسی دن رمضان کی پہلی ہوتی ہے“

۱۔ یعنی بحیثیت اجتماعی مسلمانوں پر واجب ہے کہ رمضان کا پانچ دیکھنے کا اہتمام کریں اور اس کے لیے مناسب انتظام کریں۔ اور اگر پورے معاشرے نے اس کی اہمیت محسوس نہ کی اور غفلت برتی تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔

۲۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔

اور بارہا اس کا تجربہ کیا ہا چکا ہے۔ شریعت میں چاند کے ثبوت کے لیے اس طرح کے تجربوں کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۱۳) رجب کی انتیس تاریخ کو چاند دیکھنے کی کوشش اور اہتمام کرنا مستحب ہے۔ اس لیے کہ رمضان کی پہلی تاریخ معلوم کرنے کے لیے شعبان کی تاریخوں کا معلوم رکھنا ضروری ہے، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ:-

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان کے ایام اور اس کی تاریخیں جس فکر و اہتمام سے یاد رکھتے تھے کسی دوسرے مہینے کی تاریخیں اس اہتمام سے یاد نہ رکھتے تھے۔ پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے۔ اور اگر ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہ آتا تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے رمضان کا روزہ رکھتے۔“

(۱۴) جو شخص رمضان کا چاند اپنی آنکھ سے دیکھ لے اس پر واجب ہے کہ وہ بستی کے لوگوں یا مسلمانوں کے ذمہ دار افراد یا اداروں کو اس کی خبر پہنچائے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

۱۔ مثلاً رجب کی انتیس تاریخ کو چاند نکل آیا لیکن لوگوں نے اس کے دیکھنے کا کوئی اہتمام نہ کیا۔ اور یکم شعبان کو ۳۰ رجب سمجھ کر حساب لگاتے رہے یہاں تک ۳۰ شعبان ہو گئی۔ لیکن گروہ غمار پاباد دل وغیرہ کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا، اور چونکہ ۲۹ تاریخ شعبان کی سبھی جا رہی تھی اس لیے یکم رمضان کو لوگ ۳۰ شعبان سمجھتے رہے، اور رمضان کا ایک روزہ اپنی غفلت سے جاتا رہا۔

(۵) مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں صرف دو دیندار افراد کی گواہی سے نہ رمضان کے چاند کا ثبوت ہو سکتا ہے اور نہ عید کے چاند کا۔ ایسی صورت میں کم از کم اتنے افراد کی گواہی ضروری ہے جن کی گواہی سے چاند کا یقین یا گمان غالب ہو جائے۔

(۶) مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ہلال رمضان کے ثبوت کے لیے صرف ایک آدمی کی خبر بھی کافی ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ اگر دو شرطیں پائی جائیں۔

۱۔ گواہی دینے والا قاتل و بالغ اور دینی دار مسلمان ہو۔

۲۔ وہ یہ خبر دے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے۔

(۷) اور مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ہلال عید کے ثبوت کے لیے ایک آدمی کی گواہی معتبر نہیں ہے چاہے وہ کیسا ہی معتبر اور ثقہ ہو، ہلال عید کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ دو دینی دار اور متقی مرد گواہی دیں یا ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتیں گواہی دیں، اگر چار عورتیں گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تب بھی عید کے چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔

(۸) جن مقامات پر کوئی مسلمان قاضی اور سالم نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کو خود اپنے طور پر چاند دیکھنے اور اس کا اعلان کرنے کا نظم کرنا چاہیے اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

(۹) اگر شہر بھر میں یہ خبر مشہور ہو جائے کہ چاند ہو گیا، لیکن انتہائی تلاش اور تحقیق کے باوجود بھی کوئی ایک ایسا شخص نہیں جو اقرار کرے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے۔ تو اس صورت میں چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔

(۱۰) اگر کسی ایسے شخص سے چاند دیکھا جس کی گواہی شریعت میں قابلِ قبول ہے اور اس کے سوا شہر میں کسی نے چاند نہیں دیکھا تو اس کی گواہی سے شہر و علاقہ روزہ نہ رکھیں البتہ یہ شخص خود روزہ رکھے اس پر روزہ رکھنا واجب ہے فرض نہیں ہے پھر اگر اس کے تین روزے پورے ہو جائیں اور عید کا چاند نہ دیکھا جائے تو یہ شخص اکتیسواں روزہ بھی رکھے اور عید بتی والوں کے ساتھ منائے۔

(۱۱) اگر کسی نے تنہا عید کا چاند خود اپنی آنکھ سے دیکھا لیکن چونکہ وہ اکیلا ہے اور شریعت میں عید کے چاند کے ثبوت کے لیے ایک آدمی کی گواہی مقبوض نہیں ہے اس لیے اس کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ تو ایسے شخص کے لیے تنہا روزہ نہ رکھنا جائز نہیں اس کو چاہیے کہ روزہ رکھے اور اپنے چاند دیکھ لینے کی وجہ سے بغیر روزہ کے نہ رہے۔

(۱۲) کسی بستی میں کسی وجہ سے چاند نہ دیکھا گیا اور دوسرے مقامات سے چاند ہو جانے کی خبریں آئیں۔ اگر یہ خبریں شریعت کی رو سے قابلِ قبول ہوں تو ان سے رمضان کے چاند کا ثبوت ہی ہوگا اور خیبر کے چاند کا ثبوت بھی مسلمانوں کے ذمہ داروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی اطلاعات کا جائزہ لیں اور اگر وہ شرعی اعتبار سے قابلِ قبول ہوں تو ان کے مطابق شہر میں اعلان کرانے کا اہتمام کریں۔

(۱۳) اگر دو معتبر اور ثقہ افراد کی شہادت سے رویت ہلال ثابت ہو جائے اور اسی حساب سے لوگ روزہ رکھیں لیکن تین روزے پورے ہو جانے پر عید کا چاند نظر نہ آئے تو اکتیسویں دن بہر حال عید کریں اس دن روزہ رکھنا درست نہیں۔

نیا چاند دیکھنے کی دُعا

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی رات کا چاند دیکھتے تو فرماتے۔

اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُمَّ اهْدِنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِسْمَانِ
وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ وَالتَّوْفِيقِ لِمَا نَحِبُّ رَضِيَ رَبُّنَا
وَرَبُّكَ اللَّهُ - اے

اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ چاند ہمارے لیے امن و ایمان
سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر ہم پر طلوع فرما اور ان کاموں کی توفیق کے ساتھ،
جو تمہیں پسند اور محبوب ہیں اے چاند ہمارا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ
ہے۔

روزے کی قسمیں اور ان کا حکم

روزے کی چھ قسمیں ہیں جن کی تفصیل اور احکام جاننا نہایت ضروری ہے۔

(۱) فرض۔

(۲) واجب۔

(۳) سنت۔

(۴) نفل۔

(۵) مکروہ۔

(۶) حرام۔

(۱) فرض روزے۔ سال بھر میں صرف رمضان المبارک کے تیس روزے

مسلمانوں پر فرض ہیں، رمضان کے روزوں کا فرض ہونا قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت ہے اور امت اپنی پوری تاریخ میں قواتر کے ساتھ اس پر عمل کرتی رہی ہے، جو شخص روزہ رمضان کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر اور خارج از اسلام ہے، اور جو شخص بغیر کسی عذر کے ترک کرے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے رمضان کے روزے اگر کسی عذر سے یا محض غفلت سے رہ جائیں تو ان کی قضا کمیتی بھی فرض ہے۔ یہ غیر معین فرض ہیں یعنی جب موقع ہو رکھ لیں لیکن بہتر یہی ہے کہ جلد از جلد رکھ لیں۔

(۲) فوجہ روزے

نذر کے روزے، کفارے کے روزے، واجب ہیں، اگر کسی متعین دن کے روزے کی نذر مافی ہے تو اسی دن رکھنا ضروری ہے اور اگر دن متعین نہیں کیا ہے تو پھر جب چاہیں رکھ سکتے ہیں، لیکن بلا وجہ تاخیر نہ کرنا چاہیے۔

(۳) مسنون روزے

جو روزے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھے یا جن کے رکھنے کی آپ نے ترغیب دی ہے یہ روزے سنت ہیں اور ان کے رکھنے کا بڑا اجر و ثواب ہے لیکن ان میں سے کوئی روزہ سنت مؤکدہ نہیں، کہ جن کے نہ رکھنے سے آدمی گنہگار ہو، مسنون روزے یہ ہیں۔

* عاشورے کے روزے، یعنی محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کے دو روزے۔

* یوم عرفہ کا روزہ یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کا روزہ۔

* ہمام بعض کے روزے، یعنی، ہر چھینے کی، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶ تاریخ کے روزے۔

(۴) نفلی روزے

فرض، واجب اور سنون روزوں کے علاوہ تمام روزے مستحب ہیں، البتہ بعض مستحب روزے ایسے بھی ہیں جن کے اہتمام کا اجر و ثواب زیادہ ہے، مثلاً۔

(۱) ماہ شوال کے چھ روزے، ان کو عرفہ عام میں شش عید کے روزے کہتے ہیں۔

(۲) پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ۔

(۳) ماہ شعبان کی پندرہویں تاریخ کا روزہ۔

(۴) ذی الحجہ کے ابتدائی عشرے کے آٹھ روزے

(۵) مکروہ روزے

☆ صرف سیخریا اتوار کے دن کا روزہ رکھنا۔

☆ صرف یوم عاشوہ کا روزہ رکھنا۔

☆ کسی خاتون کا شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا۔

☆ بیچ میں ناغہ کیے بغیر مسلسل روزے، جس کو صوم وصال کہتے ہیں۔

(۶) حرام روزے

سال بھر میں چھ روزے حرام ہیں۔

(۱) عید الفطر کے دن کا روزہ۔

(۲) عید الاضحیٰ کے دن کا روزہ۔

(۳) آیام تشریق۔

(۴) ۱۱ ذوالحجہ۔

(۵) ۱۲ ذوالحجہ۔

(۶) ۱۳ ذوالحجہ کا روزہ۔

روزے کی شرطیں

روزے کی شرطیں دو قسم کی ہیں۔

☆ شرائط صحت۔

☆ شرائط وجوب۔

روزہ صحیح ہونے کے لیے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائطِ صحت کہتے ہیں اور روزہ واجب ہونے کے لیے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائطِ وجوب کہتے ہیں۔

روزے کے شرائطِ وجوب

روزہ واجب ہونے کی چار شرطیں ہیں۔

(۱) اسلام۔ کافر ہر روزہ واجب نہیں۔

(۲) بلوغ۔ نابالغ بچے پر روزہ واجب نہیں ہے۔

(۳) عوَم رمضان کی فرضیت سے واقف ہونا۔

(۴) معذور نہ ہونا یعنی کوئی ایسا عذر نہ ہو جس میں شریعت نے روزہ نہ رکھنے

کی اجازت دی ہے، مثلاً سفر، بڑھاپا، مرض، جہاد وغیرہ۔

روزے کے شرائطِ صحت

روزہ صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) اسلام۔ کافر کا روزہ صحیح نہیں۔

(۲) خواتین کا حیض و نفاس سے پاک ہونا۔

۱۔ البتہ عادت ڈلوانے کے لیے نابالغ بچوں سے بھی روزہ رکھوانا چاہیے۔ جس طرح نماز پڑھوانے کا اہتمام کرنے کی حدیث میں تاکید ہے اسی طرح روزہ رکھوانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے، لیکن انہیں بچوں سے رکھوایا جائے جو روزے کی بھوک پیاس کو برداشت کرنے کی قوت رکھتے ہوں، غلو سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۳) نیت کرنا۔ یعنی دل میں روزہ رکھنے کا ارادہ کرنا، روزہ رکھنے کا ارادہ کیے بغیر اگر کوئی شخص دن بھر ان چیزوں سے رُکاوہ رہے روزے میں رُکاوہ رہے تو اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔

روزے کے فرائض

روزے میں صبح صادق نمودار ہونے سے غروب آفتاب تک تین باتوں سے رُکاوہ رہنا فرض ہے۔

(۱) صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ کھانا۔

(۲) صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ پینا۔

(۳) صبح صادق سے غروب آفتاب تک جنسی لذت کے حصول سے پرہیز کرنا۔

اس میں جنسی لذت کی وہ تمام صورتیں شامل ہیں جن میں مادّہ نامنی کا اخراج ہوتا ہے، خواہ وہ صنہف نازک کے علاوہ کسی اور انسان یا بہائم سے حصول لذت ہو یا بخلق وغیرہ ہو، سب سے بچنا فرض ہے، البتہ اپنی خاتون کو دیکھنے، یا چمٹانے یا پیار کرنے سے بچنا فرض نہیں ہے اس لیے کہ اس سے مادّہ نامنی کا اخراج نہیں ہوتا۔

روزے کے سُنن و مستحبات

(۱) سحری کا اہتمام کرنا، سنت ہے۔ چاہے وہ چند کھجوریں یا چند گھونٹ

پانی ہی ہو۔

(۲) سحری اخیر وقت میں کھانا مستحب ہے، جب کہ صبح صادق ہونے میں کچھ ہی

دیر باقی ہو۔

(۳) روزے کی نیت رات ہی سے کر لینا مستحب ہے۔

(۴) افطار جلد کرنا یعنی سوچ ڈوب جانے کے بعد خواہ مخواہ دیر نہ کرنا مستحب ہے۔

(۵) چھوہارے، کھجور یا پانی سے افطار کرنا مستحب ہے۔

(۶) غیبت، جھٹی، غلط بیانی، شور و ہنگامہ، غصہ اور زیادتی سے بچنے کا اہتمام کرنا

سنون ہے، یہ کام یوں بھی غلط ہیں لیکن روزے میں ان سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے۔

روزے کے مفاسدات

روزے میں تین چیزوں سے بچنا فرض ہے۔

(۱) کچھ کھانے سے۔

(۲) کچھ پینے سے۔

(۳) جنسی لذت حاصل کرنے سے۔

لہذا ہر اس فعل سے روزہ فاسد ہو جائے گا جو ان تینوں فرضوں کے خلاف ہو، البتہ روزے کو فاسد کرنے والی چیزیں اپنی نوعیت کے لحاظ سے دو قسم کی ہیں ایک وہ جن سے صرف تضا واجب ہوتی ہے اور ایک وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔

وجوب کفارہ سے متعلق کچھ اصولی باتیں

(۱) اگر کوئی چیز قصداً پیٹ میں پہنچائی جائے اور اس کو نفع بخش ہونے کا خیال

بھی ہو، چاہے وہ غذا ہو یا دایا کوئی ایسا فعل کیا جائے جس کی لذت جنسی فعل جیسی ہو تو ان صورتوں میں روزے کی قضا بھی واجب ہوگی اور کفارہ بھی لازم آئے گا۔

(۲) اگر کوئی چیز خود بخود پیٹ میں پہنچ جائے، یا اس کے نفع بخش ہونے

کا خیال نہ ہو یا کوئی ایسا فعل کیا جائے جس کی لذت جنسی فعل جیسی نہ ہو

توصرت روزے کی قضا واجب ہوگی، کفارہ لازم نہ آئے گا۔

(۳) کفارہ صرف رمضان کا روزہ فاسد ہونے سے واجب ہوتا ہے، رمضان کے سوا کوئی اور روزہ فاسد ہونے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، چاہے غلطی سے فاسد ہو جائے یا قصدًا فاسد کر دیا جائے۔

(۴) رمضان کا قضا روزہ فاسد ہونے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، صرف ادا روزہ فاسد ہونے ہی سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔

(۵) جن لوگوں میں روزے کے شرائط وجوب نہ پائے جائیں ان کا روزہ فاسد ہونے سے بھی کفارہ واجب نہیں ہوتا، مثلاً مسافر کا روزہ، نابالغ بچے کا روزہ۔ حیض و نفاس والی خواتین کا روزہ۔ اگرچہ مسافر اور حیض و نفاس والی خواتین نے روزے کی نیت، سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اور حیض و نفاس آنے سے پہلے ہی کی ہو۔

(۶) ہر وہ فعل جس میں اپنے قصد اور ارادہ کو دخل نہ ہو، مثلاً بھولے سے کچھ کھا لیا، یا جنسی لذت حاصل کر لی، یا کالی کرتے میں غلطی سے پانی حلق سے نیچے اتر گیا۔ یا کسی نے زبردستی کسی سے جنسی لذت حاصل کر لی تو ان تمام صورتوں میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

(۷) جنسی فعل میں فاعل و مفعول دونوں کا عاقل ہونا شرط نہیں۔ دونوں میں سے جو عاقل ہو اور قصدًا یہ فعل کرے اس پر کفارہ لازم آئے گا۔ اگر عورت عاقل ہے تو اس پر کفارہ لازم ہے مرد پر نہیں اور اگر مرد عاقل ہے تو مرد پر کفارہ واجب ہے دیوانی عورت پر نہیں۔

(۸) کوئی خاتون چاہے نابالغ بچے سے جنسی فعل کرائے یا کسی دیوانے اور مجنون

سے ہر حال میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۹) رمضان میں روزے کی نیت کیے بغیر کوئی کھائے پیئے تو اس پر کفارہ واجب نہیں صرف قضا واجب ہے، کفارہ اُسی صورت میں واجب ہوگا جب روزے کی نیت کر لینے کے بعد روزہ توڑے۔

(۱۰) کسی شہر کی بنیاد پر اگر کوئی اپنا روزہ فاسد کر دے تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔ وہ صورتیں جن میں صرف روزے کی قضا واجب ہوتی ہے

(۱) کسی کی آنکھ دیر میں کھلی اور یہ سمجھ کر کہ ابھی سحری کا وقت باقی ہے کچھ کھا پی لیا پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی، تو اس روزے کی قضا رکھنا واجب ہے۔

(۲) کسی نے سو راج ڈوبنے سے پہلے ہی سمجھ کر کہ سو راج ڈوب گیا ہے غلط کر لیا۔ تو قضا واجب ہے۔

(۳) بے ارادہ کوئی پیز پیٹ میں پہنچ گئی مثلاً کلی کے لیے منہ میں پانی لیا اور وہ طلق سے نیچے اتر گیا۔ ناک یا کان میں دوا ڈالی اور وہ پیٹ میں پہنچ گئی۔ پیٹ یا دماغ کے زخم میں دوا ڈالی اور وہ اس زخم کی راہ سے پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی تو ان صورتوں میں صرف قضا واجب ہے۔

(۴) کسی نے روزہ دار کو زبردستی کچھ کھلا پلا دیا تو صرف قضا واجب ہے۔

(۵) کسی نے زبردستی کسی خاتون کے ساتھ جنسی فعل کیا یا غافل سو رہی تھی یا بے ہوش تھی اور کسی نے اس سے جنسی لذت حاصل کی تو خاتون پر صرف قضا واجب ہوگی۔

(۶) کسی نادان نے مردہ عمدت یا کس بچی کے ساتھ جنسی فعل کیا یا بہائم کے

ساتھ یہ فعل کیا، یا کسی کو لپٹایا یا پوسر لیا یا بلیق کا مرتکب ہوا اور ان صورتوں میں انزال ہو گیا تو صرف قضا واجب ہے۔

(۷) کسی نے روزے کی نیت ہی نہیں کی لیکن کھانے پینے وغیرہ سے رکوع رہا یا نیت کی مگر نصف النہار کے بعد کی تو ان صورتوں میں روزہ نہ ہوگا اور قضا لازم ہوگی۔

(۸) روزے میں کسی کے منہ میں انسویا پسینے کے قطرے چلے گئے اور پورے منہ میں اس کی ٹکینی محسوس ہوئی اور وہ ان قطروں کو بٹکل گیا تو روزہ جاتا رہا۔ قضا لازم ہے۔

(۹) منہ میں کوئی شخص پان دبائے ہو گیا اور صبح صادق کے بعد آنکھ کھلی تو صرف قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں۔

(۱۰) روزے میں کسی نے قصداً منہ بھرتے کی تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے۔

(۱۱) کسی نے روزے میں کوئی کنکری یا لوبہ کا کھڑایا اور کوئی ایسی چیز کھا لی جس کو نہ بطور غذا کھاتے ہیں نہ بطور دوا تو اس صورت میں روزہ جاتا رہا اور صرف قضا لازم ہوگی۔

(۱۲) روزے میں کسی خاتون نے اپنے مقام خاص میں کوئی دوا ڈالی یا تیل ڈالا تو اس صورت میں صرف قضا واجب ہے۔

(۱۳) کسی نے روزے میں بھولے سے کھاپی لیا، اور پھر یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ ہی گیا ہے قصداً کچھ کھاپی لیا تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

(۱۴) کسی نے روزے میں کان کے اندر تیل ڈالا، یا ہلاب میں عمل دیا تو روزہ جاتا رہا اور اس کی صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

(۱۵) کسی خاتون نے علاج وغیرہ کی ضرورت سے اپنی انگلی شرمگاہ میں اپنی انگلی داخل کی یا کسی دائمی وغیرہ سے داخل کرائی اور پھر سامی انگلی یا انگلی کا کچھ حصہ نکلانے کے بعد دوبارہ داخل کی تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے اور اگر دوبارہ داخل نہیں کی لیکن انگلی کسی چیز میں بھیگی ہوئی تھی تو پہلی ہی بار داخل کرنے سے روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی خاتون اپنی شرمگاہ میں ردائی وغیرہ رکھے اور سب اندر غائب ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔

(۱۶) جماع اور لواطت کے علاوہ جنسی لذت کا کوئی ایسا فعل کیا جس سے عادت انزال ہو جاتا ہے، اگر انزال ہو گیا تو روزہ جاتا رہا اور صرف قضا لازم آئے گی، مثلاً کوئی حلق کا ترنگب ہڑا۔ یا کسی نے خاتون کی ناف، ران یا کولہوں میں عضو خاص گھسا کر منی خارج کی، یا کسی جانور کے ساتھ یہ فعل کیا، یا کسی خاتون نے کسی دوسری خاتون کے ساتھ حصول لذت کی کوشش کی اور انزال ہو گیا تو روزہ جاتا رہے گا اور قضا لازم ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۱۷) مسواک کرتے ہوئے یا دہنہی مسوڑے وغیرہ سے خون نکلا اور روزہ میں تنوک کے ساتھ نکل لیا تو روزہ ٹوٹ گیا قضا واجب ہے، ہاں اگر خون تنوک کی مقدار سے کم ہے اور حلق میں محسوس نہیں ہو رہا ہے تو روزہ نہیں جائے گا۔

وہ صورتیں جن میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں

(۱) کسی نے روزے میں جذبات سے مغلوب ہو کر جنسی فعل کا ارتکاب کیا

بچا ہے وہ مرد ہو یا عورت، یا مرد نے لواطت کی تو قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔
 (۲) کسی خاتون نے مرد سے ہمبستری کی اور عضو کا سر اندر داخل ہو گیا تو بچا ہے
 منی کا خروج ہو یا نہ ہو ہر حال میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۳) کسی نادان نے عورت سے ہمبستری کی اور اس کے پچھلے حصے میں عضو کا
 سر داخل کر دیا تو دونوں کا روزہ فاسد ہو گیا۔ قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔
 (۴) کسی نے ایسی کوئی چیز کھاپی لی جو کھانے پینے کے استعمال میں آتی ہے
 یا ایسی چیز کھائی جو کھانے پینے میں استعمال نہیں کی جاتی لیکن دوا کے طور پر کھاپی لی،
 کہ اس سے فائدہ ہو گا۔ تو روزہ جاتا رہا اور اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب
 ہیں۔

(۵) خاتون غافل سو رہی تھی یا بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور مرد نے اس سے منی
 لذت حاصل کی تو مرد پر قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۶) کوئی ایسا فعل کیا جس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، لیکن اس شخص نے اپنے
 طور پر یہ سمجھ لیا کہ میرا روزہ فاسد ہو گیا اور پھر قصداً کچھ کھاپی لیا، تو روزہ فاسد ہو گیا
 قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی، مثلاً کسی نے سرمہ لگایا، سرمے میں تیل ڈالا یا بچنے
 لگولنے یا کسی خاتون کو پشایا یا بوسہ لیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ میرا روزہ جاتا رہا قصداً کچھ
 کھاپی لیا، تو روزہ فاسد ہو گیا اس صورت میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔
 وہ امور جن کے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

یعنی ان چیزوں کا بیان جن کے کرنے سے روزہ فاسد تو نہیں ہوتا لیکن مکروہ
 ہو جاتا ہے، ان سب چیزوں کی کراہت تنزیہی ہے۔ تحریمی نہیں۔

- (۱) کسی چیز کا ذائقہ چکھنا، البتہ کوئی خاتون مجبوراً اس لیے کھانے کی چیزوں کا ذائقہ چکاتے وقت، یا بازار سے خریدنے وقت چکھ لے کہ اس کا شوہر بد مزاج اور سخت گیر ہے، یا اس طرح کوئی ملازمہ اپنے آقا کے خوف سے چکھ لے تو مکروہ نہیں۔
- (۲) منہ میں کوئی چیز چبانا یا یونہی ڈالے رکھنا۔ مثلاً کوئی خاتون اپنے منہ بچے کو کھلانے کے لیے اپنے منہ میں کوئی چیز دبائے یا نرم کرنے کے لیے یا ٹشونڈا کرنے کے لیے منہ میں ڈالے تو یہ مکروہ ہے، البتہ مجبوری کی صورت میں جائز ہے۔ مثلاً کسی کا بچہ بھوکا ہے۔ اور وہ صرف وہی چیز کھاتا ہے جو منہ میں چبا کر اس کو دی جائے اور کوئی بے روزہ آدمی بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں چبا کر کھلانا مکروہ نہیں۔
- (۳) کسی عورت کا ہونٹ منہ میں لے لینا، یا ننگے ہو کر بدن ملانا مکروہ ہے۔ چاہے انزال ہونے اور صحبت کر لینے کا خوف ہو یا نہ ہو۔
- (۴) روزے میں کوئی ایسا کام کرنا مکروہ ہے جس سے اتنی زیادہ کمزوری پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو کہ روزہ توڑنا پڑے گا۔
- (۵) کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے میں ضرورت سے زیادہ اہتمام اور غلو کرنا۔
- (۶) بلاوجہ منہ میں ٹھوک جمع کر کے نگھلنا۔
- (۷) بے قراری، گھبراہٹ، اور اضطراب کا اظہار کرنا۔
- (۸) غسل کی حاجت ہو اور موقع بھی ہو پھر بھی کوئی شخص بلاوجہ قصداً صبح صادق کے بعد تک غسل نہ کرے تو یہ مکروہ ہے۔
- (۹) منجن، پیسٹ، یا کوئلہ وغیرہ چبا کر اس سے دانت مانجھنا۔

(۱۰) روزے میں غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، گالی گلوچ اور خورد و ہنگامہ کرنا، مارنا پیٹنا اور کسی پر زیادتی کرنا۔

(۱۱) قصداً سلق میں دھواں، یا گرد و غبار پہنچانا مکروہ ہے، اور اگر لویان وغیرہ سلگا کر اس کو سوزنگھا یا حقہ، سگریٹ اور بیٹری وغیرہ پی لیا تو روزہ جاتا رہا۔
وہ امور جن سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۱) روزے کا خیال نہ رہا اور بھولے سے کچھ کھاپی لیا یا شریک حیات سے جنسی لذت حاصل کی، چاہے ایک بار ایسا کیا یا کئی بار اتفاق ہوا حدیث کہ اگر بھولے سے پیٹ بھر کر بھی کھاپی لیا تب بھی روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ مکروہ ہوا۔
(۲) دن میں روزہ دار سو گیا اور سوتے میں کوئی ایسا خواب جس سے غسل کی حاجت ہو گئی تو اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۳) دن میں سرمہ لگانا، سرمے میں تیل ڈالنا یا بدن پر مالش کرنا، خوشبو سونگھنا سب درست ہے سرمہ لگانے کے بعد اگر بلغم میں سرمہ کی سیاہی محسوس ہو تب بھی روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۴) اپنی شریک حیات کے ساتھ لیٹنا، بغل گیر ہونا، بوس و کنار کرنا، سب درست ہے، ہاں اگر انزال کا اندیشہ یا جذبات کے زہجان میں صحبت کر لینے کا خطرہ ہو تو پھر یہ سب کام مکروہ ہیں۔

(۵) روزے میں تھوکرنا اور بلغم نکلنا مکروہ نہیں۔

(۶) روزے میں سلق کے اندر کسی چلی گئی یا بے اختیار گرد و غبار یا دھواں پڑا گیا تو اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ان میں کوئی چیز قصداً پیٹ میں پہنچائی تو

روزہ پکارتا ہے گا۔

(۷) کسی خاتون کے جنسی اعضاء کو دیکھنے سے یا کوئی جنسی خیال دل میں لانے سے اگر انزال ہو گیا تو روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۸) کسی جانور کے جنسی اعضاء کو چھونے سے اگر انزال بھی ہو جائے تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

(۹) مرد کے لیے اپنے عضو خناس کے سوراخ میں تیل یا پانی یا دوا وغیرہ ڈالنا یا پچکاری سے پہنچانا، یا سلائی وغیرہ داخل کرنا جائز ہے، اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۱۰) کوئی شخص خشک کھڑی یا خشک انگلی اپنے پچھلے حصہ میں داخل کرے لیکن کھڑی اندر فاقب نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

(۱۱) کسی نے یہ سمجھا کہ ابھی رات باقی ہے اور وہ اپنی شریک حیات سے صحبت میں مشغول ہو گیا، یا روزہ کا خیال نہ رہا، اور صحبت شروع کر دی لیکن پھر جو نہی معلوم ہوا کہ صبح صادق ہو چکی ہے یا روزہ یاد آیا تو فوراً علیحدہ ہو گیا اس صورت میں اگر علیحدہ ہونے کے بعد انزال ہو تب بھی روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اس انزال کا نیکم وہی ہوگا جو روزے میں احتلام کا ہے۔

(۱۲) کان میں پانی چلا جائے یا کوئی قصد اڈال لے تو اس سے روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۳) دانتوں کے درمیان غذا یا بوٹی یا کوئی ریشہ یا چھالیدہ کا کوئی ٹکڑا رہ گیا اور اس کو سنہ سے نہیں نکالا بلکہ اندر ہی اندر نگل لیا اگر یہ چنے کی مقدار سے کم

ہے تو روزہ ناسد نہ ہوگا۔

(۱۴) بے اختیار قے تو گئی منہ بھر کر ہوئی یا اس سے کم یا زیادہ بہر حال روزہ مکروہ نہ ہوگا۔ اگر اس صورت میں بے اختیار کچھ حصہ پھر پیٹ میں لوٹ جائے تب بھی روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۵) روزے میں کسی وقت بھی مسواک کرنا، چاہے خشک لکڑی سے کی جائے یا بالکل تازہ اور تر لکڑی سے، نیب کی تازہ مسواک کا کڑوا کڑوا ذائقہ منہ میں محسوس ہو تب بھی روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۱۶) گرمی کی شدت میں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، منہ ہاتھ دھونا، نہانا، کپڑا توڑ کر کے بدن پر رکھنا مکروہ نہیں۔

(۱۷) اگر پان کھانے کے بعد اچھی طرح کلی اور غرارہ کر کے منہ صاف کر لیا۔ لیکن تھوک میں سرخی اب بھی محسوس ہو رہی ہے تو کوئی حرج نہیں اس سے روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۸) اگر قصد اقعے کی لیکن بخود میقے کی منہ بھر نہیں ہے تو روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ مکروہ ہوا۔

(۱۹) مسواک کرنے یا دینی منہ سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ نکل لیا۔ اگر خون یا غذا تھوک سے کم ہو اور علق میں خون کا مزہ معلوم نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

روزے کی نیت کے مسائل

(۱) نیت کے معنی ہیں دل میں ارادہ کرنا، زبان سے نیت کا اظہار کرنا ضروری نہیں، صرف دل میں ارادہ کر لینا کافی ہے، بلکہ سحری کھانا بھی نیت ہی کے قائم مقام ہے اس لیے کہ سحری روزے ہی کی غرض سے کھائی جاتی ہے۔

البتہ جو لوگ اس وقت کھانے کے عام طور پر عادی ہو یا جو نادان سحری اہتمام سے کھاتے ہوں اور روزہ نہ رکھتے ہوں تو ان لوگوں کی سحری نیت کے قائم مقام نہ ہوگی، ان کے لیے ضروری ہے کہ نیت کریں۔

(۲) رمضان المبارک کے ہر روزے کے لیے الگ نیت کرنا ضروری ہے، رمضان کے سارے روزوں کے لیے صرف ایک دن نیت کر لینا کافی نہیں ہے۔

(۳) رمضان کے ادا روزوں میں فرض کہہ کر نیت کرنا ضروری نہیں۔ صرف روزے کی نیت کر لینا کافی ہے، البتہ کوئی مریض اگر رمضان کا روزہ رکھے تو وہ فرض کی تعبیر کرے اس لیے کہ اس پر رمضان کا روزہ فرض نہیں ہے مریض اگر محض روزے کی نیت کرے یا نفا روزے کی نیت کرے تو اس کا روزہ رمضان کا روزہ نہ ہوگا۔

(۴) مسافر کے لیے ضروری ہے کہ وہ رمضان میں کسی اور واجب روزے کی نیت نہ کرے رمضان کے فرض روزے کی نیت کرے، یا قفلی روزے کی نیت کرے

ہر طرح درست ہے۔

- (۵) رمضان کے قضا روزوں میں متعین طور پر فرض کی نیت کرنا ضروری ہے۔
 (۶) اگر کوئی شخص شب میں روزہ کی نیت کرنا بھول جائے اور دن میں اس کو یاد آئے تو ان تین قسم کے روزوں میں نصف النہار سے پہلے پہلے تک نیت کر لینا درست ہے یعنی غروب آفتاب سے قبل نصف النہار تک کسی وقت بھی نیت کر لے درست ہے۔

(۱) رمضان کے ادا روزوں میں۔

(۲) نذر کے ان روزوں میں جن میں دن یا تاریخ کی تخصیص کر دی گئی ہو۔

(۳) نفلی روزوں میں۔

(۴) ان چار قسم کے روزوں میں غروب آفتاب سے طلوع صبح صادق تک نیت کر لینا ضروری ہے، ان میں صبح صادق کے بعد نیت کرنا کافی نہیں ہے۔
 (۱) رمضان کے قضا روزوں میں۔

(۲) نذر کے ان روزوں میں جن میں دن یا تاریخ مقرر نہ ہو۔

(۳) کفارے کے روزوں میں۔

(۴) اور ان نفلی روزوں کی قضا میں جو شروع ہو جانے کے بعد کسی وجہ سے فاسد ہو گئے ہوں۔

(۸) اگر شب میں کسی وجہ سے روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا، پھر صبح کو بھی روزہ نہ

رکھنے ہی کا خیال رہا، پھر نصف النہار سے پہلے خیال آیا کہ رمضان کا روزہ چھوڑنا مناسب نہیں اور نیت کرنی تو یہ روزہ درست ہے ہاں اگر صبح میں کچھ کھاپی لیا تھا تو اب نیت کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔

(۹) رمضان کے مہینے میں کسی نے فرض روزے کے بجائے نفلی روزے کی نیت کی اور یہ سوچا کہ فرض روزے کی قضا رکھ لوں گا۔ تب بھی وہ روزہ رمضان ہی کا ہوگا۔ نفلی روزہ نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر نفلی روزے کے بجائے واجب روزے کی نیت کی تب بھی رمضان ہی کا روزہ ہوگا۔ اصولی بات یہ ہے کہ رمضان میں صرف رمضان کا فرض روزہ ہی صبح سے کوئی اور روزہ صحیح نہیں ہے۔

(۱۰) روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اس لیے صبح صادق سے پہلے پہلے وہ سارے کام جائز ہیں، جن سے بچنا روزے میں فرض ہے، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ روزے کی نیت کر لینے کے بعد کچھ کھانا پینا وغیرہ جائز نہیں، یہ غلط ہے، صبح صادق سے پہلے پہلے کھانا پینا وغیرہ سب جائز ہے چاہے غروب آفتاب کے بعد ہی دوسرے دن کے روزے کی نیت کر لی ہو۔

(۱۱) نفلی روزہ نیت کرنے سے واجب ہو جاتا ہے اگر صبح کے وقت یہ نیت کی کہ آج میرا روزہ ہے اور پھر اس کے بعد روزہ توڑ دیا، تو اس روزے کی قضا واجب ہے۔

(۱۲) کسی نے شب میں یہ ارادہ کیا کہ میں کل کا روزہ رکھوں گا۔ لیکن پھر صبح ہونے سے پہلے پہلے ارادہ بدل دیا، اور روزہ نہیں رکھا، تو اس صورت میں قضا واجب نہیں۔

(۱۳) اگر شب میں نیت کرے تو کہے۔

بَعَثْتُ بِكَ نَوِيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ -

”میں نے ماہ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی“

اور دن میں نیت کرے تو کہے۔

كَوَيْتُ بِعَصْرِ الْيَوْمِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ -

”میں نے ماہ رمضان کے آج کے روزے کی نیت کی“

لیکن عربی میں نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں کسی بھی زبان میں کہہ لے۔

سحری اور افطار

روز رکھنے کی غرض سے صبح صادق سے پہلے جو کچھ کھایا پیا جاتا ہے اُسے ”سحری“ کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سحری کا اہتمام فرماتے اور دوسروں کو بھی سحری کھانے کی تاکید فرماتے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سحر کے وقت مجھ سے فرماتے۔
”میرا روزہ رکھنے کا ارادہ ہے مجھے کچھ کھلاؤ؟“

تو میں کچھ کھجوریں اور ایک برتن میں پانی پیش کر دیتا۔

اور آپؐ نے سحری کھانے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

”سحری کھالیا کرو اس لیے کہ سحری کھانے میں بڑی برکت ہے۔“

برکت سے مراد یہ ہے کہ دن کے کاموں میں اور عبادت و اطاعت میں کمزوری محسوس نہ ہوگی اور روزے میں آسانی ہوگی۔ چنانچہ ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

”دن کو روزہ رکھنے میں سحری کھانے سے مدد لیا کرو۔ اور قیام لیل

کے بے قیلولے سے مدد لیا کرو۔“

سحری کھانا سنت ہے اور مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کے روزوں میں فرق یہ

بھی ہے کہ وہ سحری نہیں کھاتے اور مسلمان سحری کھاتے ہیں۔ اگر بھوک نہ ہو تو کچھ تھوڑا سا میٹھا، یا دودھ یا کم از کم پانی ہی پلینا چاہیئے۔ اس لیے کہ سحری کھانے کا بڑا اجر و ثواب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”سحری کا کھانا سراسر برکت ہے، سحری کھانا کبھی نہ چھوڑو۔ چاہے پانی کا ایک گونٹ ہی پیو، کیونکہ سحری کھانے والوں پر خدا رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لیے استغفار کرتے ہیں“ ۱۷

سحری میں تاخیر

سحری اخیر وقت میں کھانا جب کہ صبح صادق میں تھوڑی ہی دیر باقی ہو۔ مستحب ہے، بعض لوگ نظر احتیاط بہت پہلے سحری کھا لیتے ہیں یہ بہتر نہیں ہے بلکہ تاخیر سے کھانے میں اجر و ثواب ہے۔

افطار میں تعمیل

افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے، یعنی سورج ڈوبنے کے بعد احتیاط کے خیال سے تاخیر کرنا مناسب نہیں بلکہ فوراً ہی افطار کر لینا چاہیے۔ اس طرح کی غیر ضروری احتیاطوں کے اہتمام سے دینی مزاج بگڑ جاتا ہے، دینداری یہ نہیں ہے کہ آدمی خواہ مخواہ اپنے کو مشغفتوں میں ڈالے، بلکہ دینداری یہ ہے کہ خدا کے حکم کی بے چوں و چرا اطاعت کی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

یہ باتیں پیغمبرانہ اخلاق کی ہیں۔

(۱) سحری تا خیرے کھانا۔

(۲) افطار میں تعجیل کرنا۔

(۳) نماز میں واہنا ہاتھ یا نہیں ہاتھ کے اوپر رکھنا۔

حضرت ابن ابی اوفیٰ کہتے ہیں کہ ”ہم لوگ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور آپ روزے سے تھے، جب سورج نکلنے سے اوچھل ہو گیا تو آپ نے کسی سے فرمایا۔

”اٹھو اور ہمارے لیے ستو گھول دو“

اس شخص نے کہا ”یا رسول اللہ! کچھ دیر اور ٹھہر جائیں کہ شام ہو جائے تو اچھا ہو“

ارشاد فرمایا ”سواری سے اتر دو اور ہمارے لیے ستو گھول دو“

اس شخص نے پھر کہا ”یا رسول اللہ! ابھی دن پھیلا ہوا ہے“

آپ نے پھر ارشاد فرمایا ”سواری سے اتر دو اور ہمارے لیے ستو گھول دو“

تب وہ اتر ادر اُس نے سب کے لیے ستو تیار کیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

ستو نوش فرمائے اور ارشاد فرمایا ”جب تم دیکھو کہ رات کی سیاہی اس طرف سے

چھانا شروع ہو گئی ہے تو روزہ دار کو روزہ کھول دینا چاہیے“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ خدا کا ارشاد ہے۔

”لپٹے بندوں میں سب سے زیادہ مجھے وہ بندہ پسند ہے جو افطار میں تعجیل کرے۔“ (یعنی غروب آفتاب کے بعد ہرگز تاخیر نہ کرے)

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

”لوگ اچھی حالت میں رہیں گے جب تک وہ افطار میں جلدی کریں گے۔“

کس چیز سے افطار مستحب ہے

کھجور اور چھوڑے سے افطار کرنا مستحب ہے اور یہ میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار بھی مستحب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی انہی چیزوں سے افطار فرماتے۔

”حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر یہ نہ ہوتیں تو چھوڑوں سے افطار فرماتے تھے اور اگر یہ بھی نہ ہوتے تو چند گھونٹ پانی ہی نوش فرمالیتے تھے۔“

اور انہی چیزوں سے افطار کی ترغیب آپؐ نے صحابہ کرام کو دی اور فرمایا۔

”جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے، کھجور میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار کرے، فی الواقع پانی انتہائی پاک ہے۔“

کھجور عرب کی پسندیدہ غذا بھی تھی اور ہر غریب و امیر کو آسانی سے میسر بھی آسانی

۱۔ جامع ترمذی۔

۲۔ بخاری، مسلم۔

۳۔ جامع ترمذی، ابوداؤد۔

۴۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد۔

تھی، رہا پانی تو وہ ہر جگہ فراوانی سے مہیا ہے، ان چیزوں سے روزہ افطار فرمانے اور ترغیب دینے کی مصلحت یہ ہے کہ امت کسی مشقت میں مبتلا نہ ہو اور ہر وقت سہولت کے ساتھ روزہ افطار کر سکے پھر پانی کی ایک خوبی آپ نے یہی بیان فرمائی کہ وہ اتنی پاک چیز ہے کہ ہر چیز اس سے پاک ہو جاتی ہے، ظاہر کا پاک ہونا تو محسوس امر ہے، باطن بھی اس سے پاک ہو جاتا ہے، روزہ دار جب دل بھر خدا کی خوشنودی کے لیے شعوری ایمان کے ساتھ پیاسا رہے گا اور شام کو ٹھنڈے پانی سے اپنی پیاس بجھائے گا تو بے اختیار شکر و احسان مندی کے جذبات پیدا ہوں گے جن سے اس کے باطن کو جلا نصیب ہوگی۔

مگر یہ خیال رہے کہ اس محلے میں غلو کرنا، اور کسی دوسری چیز سے افطار کو غیر متقیانہ فعل سمجھنا سراسر غلط ہے اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ نمک سے افطار کرنا بڑا اجر و ثواب ہے۔

افطار کی دُعا

اَللّٰهُمَّ لَكَ مُمْتِكٌ وَعَلَى سِرِّكَ اَنْطَرْتُ۔ ۱۔

”اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا، اور تیری ہی دی ہوئی روزی

سے افطار کیا۔“

افطار کے بعد کی دُعا

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَكَثَبَتِ الْأَجْرُ

إِنْ شَاءَ اللَّهُ۔

”پیس جاتی رہی، رگیں سیراب ہو گئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر بھی ضرور

ملے گا۔

افطار کرانے کا اجر و ثواب

دوسرے کو افطار کرانا بھی پسندیدہ عمل ہے اور افطار کرانے والے کو بھی اتنا ہی اجر و ثواب ملتا ہے جتنا روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے چاہے وہ چند لمبے کھلائے یا ایک کھجور ہی سے افطار کرادے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”جس شخص نے کسی روزے دار کو افطار کرایا تو اس کو روزے دار کی طرح

اجر و ثواب ملے گا۔“

بے سحری کا روزہ

شب میں سحری کھانے کے لیے اگر آنکھ نہ کھلے تب بھی روزہ رکھنا چاہیے سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا بڑی کم بہتی کی بات ہے۔ محض سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ چھوڑنا گناہ ہے۔

اگر کبھی آنکھ دیر سے کھلی اور یہ خیال ہو ا کہ ابھی رات باقی ہے اور کچھ کھا پی لیا پھر معلوم ہوا کہ صبح صادق کے بعد کھایا پیایا ہے تو اگرچہ اس صورت میں روزہ نہ ہو گا لیکن پھر بھی دن بھر روزہ داروں کی طرح رہے اور کچھ نہ کھائے پیئے۔

اگر اتنی دیر سے آنکھ کھلی کہ صبح ہو جانے کا شبہ ہے تو ایسے وقت میں کھانا
 پینا مکروہ ہے اور اگر شبہ ہو جانے کے باوجود کھاپی لیا تو بہت برا کیا ایسے وقت
 میں کھانا گناہ ہے پھر اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ صبح ہو چکی تھی تو قضا واجب ہے، اور اگر
 شبہ ہی رہے تو قضا واجب نہیں لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ قضا کا روزہ رکھے۔

وہ معذوریات جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

ایسی معذوریات جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے صرف دس ہیں ان میں سے کوئی معذوری بھی ہو تو روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے، ان معذوریوں کی تفصیل یہ ہے۔

- ۱۔ سفر۔
- ۲۔ بیماری۔
- ۳۔ حمل۔
- ۴۔ ارضاع۔ یعنی بچے کو دودھ پلانا۔
- ۵۔ ٹھوک پیاس کی شدت۔
- ۶۔ ضعف اور بڑھاپا۔
- ۷۔ خوف ہلاکت۔
- ۸۔ جہاد۔
- ۹۔ بے ہوشی۔
- ۱۰۔ جنون اور دیوانگی۔

سفر

شریعت نے اپنے سارے احکام میں بندوں کی سہولت اور آسانی کا پورا پورا لحاظ کیا ہے۔ اور کسی معاملے میں بھی ان کو کسی بے ہاشقت اور تنگی میں مبتلا نہیں کیا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں روزے کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے بھی قرآن نے مسافر اور مریض کی معذوری کا لحاظ کیا ہے اور ان کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔

فَمَنْ شَرِهَدَا مِنْكُمُ الثَّمَرَةَ فَلْيَصُومُوهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا
أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةً مَّا يَمْشِي بِهَا (البقرہ: ۱۸۵)

”پس تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس پر لادم ہے کہ وہ اس مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) گنتی پوری کر لے۔“

مسفر خواہ کسی بھی غرض کے لیے ہو اور چاہے اس میں ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہوں یا مشقتیں برداشت کرنی پڑ رہی ہوں ہر حال میں مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ البتہ جس سفر میں کوئی خاص مشقت نہ ہو تو مستحب یہی ہے کہ روزہ رکھ لے، تاکہ رمضان کی فضیلت و برکت حاصل ہو سکے لیکن مشقت و پریشانی کی صورت میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

(۲) اگر روزے کی نیت کر لینے کے بعد یا روزہ شروع ہو جانے کے بعد کوئی شخص سفر پر روانہ ہو، تو اس دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے البتہ اگر وہ روزہ توڑ دے تو کفارہ لازم نہ آئے گا۔

(۳) اگر کوئی مسافر صفت انہما سے پہلے پہلے کہیں مقیم ہو جائے اور اس وقت تک اس نے روزے کو فاسد کرنے والا کوئی کام نہیں کیا ہے تو اس کے لیے بھی اس دن روزہ رکھنا ضروری ہے البتہ اگر وہ روزہ فاسد کر دے گا تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۴) اگر کوئی مسافر کسی مقام پر کچھ دن قیام کا ارادہ کر لے چاہے پندرہ دن سے کم ہی کا ارادہ کرے، تب بھی بہتر یہ ہے کہ وہ روزہ رکھے ان ایام میں روزہ نہ رکھنا مکروہ ہے اور اگر پندرہ دن قیام کا ارادہ کر لے تو پھر روزہ نہ رکھنا جائز نہیں۔

بیماری

(۱) اگر روزہ نہ رکھنے سے کسی بیماری کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو یا یہ خیال ہو کہ دوا نہ ملنے کی وجہ سے یا غذا نہ ملنے کی وجہ سے بیماری بڑھ جائے گی یا یہ خیال ہو کہ دیر میں صحت حاصل ہوگی تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ ایسا خیال کرنے کی کوئی معقول وجہ ضرور ہونی چاہیئے۔ مثلاً کوئی نیک ماہر طبیب ہدایت کرے، یا اپنا بار بار کا تجربہ ہو، یا گمان غالب ہو، محض یوں ہی وہم و خیال کی بنا پر روزہ ترک کر دینا جائز نہیں۔

(۲) اگر کسی نے محض اپنے وہم و خیال سے کہ شاید روزہ رکھنے سے مرض پیدا ہو جائے یا بڑھ جائے نہ خود اس کا کوئی تجربہ ہے اور نہ اس نے کسی ماہر حکیم اور ڈاکٹر ہی سے مشورہ لیا، اور روزہ نہیں رکھا تو وہ گنہگار ہوگا اور اس کو کفارہ بھی دینا پڑے گا۔

(۳) کسی بے دین اور شریعت کی قدر و اہمیت محسوس نہ کرنے والے طبیب کے مشورے پر عمل کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

حل

- (۱) اگر کسی خاتون کو گمان غالب ہو کہ اگر وہ روزہ رکھے گی تو بچے کو نقصان پہنچے گا یا خود اسی کو نقصان پہنچے گا تو اس کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔
- (۲) اگر روزہ کی نیت کر لینے کے بعد کسی خاتون کو معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے اور اس کا گمان غالب یہ ہے کہ عمل کی صورت میں روزہ اس کے لیے نقصان دہ ہے تو اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ توڑ دے اور پھر قضا رکھے اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا۔

ارضاع

- (۱) دودھ پلانے روزہ رکھنے سے اگر گمان غالب یہ ہو کہ بچے والی خاتون کو شدید نقصان پہنچے گا۔ مثلاً دودھ خشک ہو جائے گا اور بچہ بھوک سے تڑپے گا یا خود اپنی ہی جان کا خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔
- (۲) اور اگر اجرت دے کر دودھ پلویا جاسکتا ہو اور بچہ بھی کسی دوسرے کا دودھ پی لے تو پھر روزہ نہ رکھنا درست نہیں۔ اور اگر بچہ کسی دوسری خاتون کا دودھ پیتا ہی نہ ہو تب بھی روزہ چھوڑ دینا درست ہے۔
- (۳) اجرت پر دودھ پلانے والے خاتون کو بھی اگر گمان غالب ہو کہ روزہ رکھنے سے بچے کو یا خود اس کو نقصان پہنچے گا تو وہ روزہ چھوڑ سکتی ہے۔
- (۴) کسی خاتون نے عین رمضان کے دن ہی دودھ پلانے کی ملازمت

شروع کی، اس دن اگر وہ روزے کی نیت بھی کر چکی ہو تب بھی اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے، روزہ توڑنے سے اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا۔

بھوک پیاس کی شدت

اگر کوئی شخص بھوک پیاس کی شدت سے اس قدر بے تاب ہو جائے کہ جان جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے یا عقل میں فتور آنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

ضعف اور بڑھاپا

(۱) کوئی شخص اب بیمار تو نہیں ہے لیکن بیماری کی وجہ سے اتنی کمزوری ہو گئی ہے کہ روزہ رکھنے سے دوبارہ بیمار پڑ جانے کا گمان غالب ہے تو اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔

(۲) کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو گیا ہے اس کے لیے بھی اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور چونکہ ایسے ضعیف کے بارے میں یہ توقع نہیں ہے کہ وہ کبھی تندرست ہو کر قضا رکھے گا اس لیے اس پر واجب ہے کہ روزے کا فدیہ ادا کرے، چاہے اُسی وقت دے یا بعد میں ادا کرے، فدیہ کی تعداد وہی ہے جو صدقہ فطر کی ہے۔

خوف ہلاکت

اگر محنت مشقت کی وجہ سے جان ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی ظالم مجبور کر رہا ہو کہ اگر تو نے روزہ رکھا تو جان سے مار ڈالوں گویا شیرید مار لگائوں گا۔ یا کوئی عضو کاٹ لوں گا۔ تو ایسے شخص کے لیے بھی اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔

جہاد

دشمنانِ دین سے جہاد کی نیت ہو اور یہ خیال ہو کہ روزہ رکھنے سے کمزوری آجائے گی تو اس صورت میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

بالفعل جہاد ہو رہا ہو تب بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

بالفعل جہاد نہیں ہو رہا ہے لیکن جلد ہی تصادم کا اندیشہ ہے تب بھی اجازت ہے۔

اور اگر روزہ رکھ لیا ہو اور ایسا موقع پیش آجائے تو روزہ توڑ دینے کی بھی اجازت

ہے، روزہ توڑ دینے سے کفارہ لازم نہ آئے گا۔

بے ہوشی

اگر کسی پر بے ہوشی طاری ہو جائے، اور کئی دن تک یہی صورت رہے تو اس صورت میں جو روزے رکھے جائیں گے ان کی قضا واجب ہوگی۔ البتہ جس شب میں بے ہوشی طاری ہوئی ہے، اگر اس دن بے ہوش ہونے والے سے کوئی ایسا فعل نہ ہو نہیں ہوا ہے جو روزے کو فاسد کرنے والا ہو۔ اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ بے ہوش ہونے والے نے روزے کی نیت کی تھی یا نہیں، تو اس دن اس کا روزہ بھجوا جائے گا اور اس دن کی قضا لازم نہ آئے گی البتہ بقیہ سارے دنوں کی قضا واجب ہوگی۔

جنون

اگر کسی پر جنون طاری ہو جائے اور اس مدت میں وہ روزے نہ رکھ سکے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ کسی وقت بھی جنون میں کوئی افقہ نہیں ہوا، ایسی صورت میں تو روزے بالکل معاف ہیں نہ قضا ہی واجب ہوگی اور نہ فدیہ واجب ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی وقت جنون میں افتادہ ہو جاتا ہو تو اس شکل میں اس پر قضا واجب ہوگی۔

وہ صورتیں جن میں روزہ توڑ دینا جائز ہے

(۱) یکایک کوئی زبردست دورہ پڑ گیا، یا کوئی ایسی بیماری ہو گئی کہ جان پر بن آئی یا خدا نخواستہ موثر وغیرہ سے کوئی حادثہ ہو گیا یا کسی اونچے مقام سے گر پڑنے کی وجہ سے حالت غیر ہو گئی تو ان تمام صورتوں میں روزہ توڑ دینا جائز ہے۔

(۲) اگر کوئی اچانک بیمار پڑ گیا اور یہ اندیشہ تو نہیں ہے کہ جان ہاتی رہے گی البتہ یہ اندیشہ ہے کہ اگر روزہ نہ توڑا تو بیماری بہت زیادہ بڑھ جائے گی تو اس صورت میں بھی روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔

(۳) اگر کسی کو ایسی شدت کی بھوک یا پیاس لگی کہ نہ کھانے پینے سے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے تب بھی روزہ توڑ دینا درست ہے۔

(۴) کسی حاملہ خاتون کو کوئی ایسا حادثہ پیش آ گیا کہ اپنی یا بچے کی جان کا ڈر ہے تو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کا اختیار ہے۔

(۵) کسی کو سانپ وغیرہ نے کاٹ کھایا، اور فوراً دوا وغیرہ کا استعمال ضروری ہے تو روزہ توڑ دینا چاہیئے۔

(۶) کمزوری تو تھی لیکن بہت کمزور نہ رہا کہ یا دن میں محسوس ہوا کہ اگر روزہ نہ کھولا تو جان پر بن آئے گی یا پھر مرض کا شدید حملہ ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے۔

قضا روزوں کے مسائل

(۱) رمضان المبارک کے جو روزے کسی دیر سے رہ گئے ہوں ان کی قضا میں بلا دیر تاخیر کرنا درست نہیں، بہتر یہ ہے کہ جتنی جلد ہو سکے رکھ لے۔

(۲) رمضان المبارک کے روزے ہوں یا اور کسی قسم کے یہ ضروری نہیں کہ مسلسل ان کی قضا رکھی جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ مذر ختم ہوتے ہی فوراً رکھ لیے جائیں بلکہ جب موقع ہو تو ان کی قضا رکھ سکتے ہیں۔

(۳) روزوں کی قضا میں ترتیب فرض نہیں ہے، مثلاً قضا کے روزے رکھے بغیر اور روزے رکھنا درست ہے۔

(۴) قضا کے روزے رکھنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ دن اور تاریخ وغیرہ مقرر کر کے رکھے جائیں۔ بلکہ جتنے روزے قضا ہو گئے ہیں ان کے بدلے اتنے ہی روزے رکھ لینا چاہیئے۔

(۵) اگر رمضان کے دو سال کے کچھ روزے رہ گئے ہوں تو یہ تعین ضروری ہے کہ کس سال کے روزوں کی قضا رکھ رہا ہے، اس لیے یہ نیت کر کے روزے رکھے کہ میں فلاں سال کے قضا روزے رکھ رہا ہوں۔

(۶) قضا روزے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ رات سے نیت کی جائے

اگر صبح صادق کے بعد قضا کی نیت کی تو قضا درست نہیں یہ روزہ نفل ہو جائے گا اور قضا کا روزہ پھر رکھنا واجب ہے۔

(۷) اگر رمضان کے کچھ روزے چھوٹ گئے ہوں، اور ان کی قضا رکھنے کا موقع نہ مل سکا ہو کہ دوسرا رمضان آگیا تو اب رمضان کے ادا روزے رکھے قضا کے روزے رمضان کے بعد رکھے۔

(۸) کسی نے ٹمک کے دن میں رمضان کا روزہ رکھا بعد میں معلوم ہوا کہ آج توشعبان کی ۳۰ تاریخ ہے تو یہ روزہ نفل ہو جائے گا اگر پرکردہ ہوگا اور اگر معلوم ہونے کے بعد ٹوڑ دے تو اس کی قضا واجب نہ ہوگی اس لیے کہ فعل مظنون میں قضا واجب نہیں ہوتی اور اگر یہ معلوم ہوا کہ آج یکم رمضان ہے تو پھر وہ رمضان کا روزہ قرار پائے گا۔

کفارہ اور اس کے مسائل

رمضان کا روزہ فاسد ہو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے جائیں درمیان میں کوئی ناغہ نہ کیا جائے اور اگر کسی وجہ سے ناغہ ہو جائے تو پھر نئے سرے سے پورے ساٹھ روزے رکھے جائیں اور ناغے سے پہلے جو روزے رکھ لیے تھے ان کا شمار نہ ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص کسی وجہ سے روزے نہ رکھ سکتا ہو تو پھر ساٹھ محتاجوں کو

صبح و شام پیٹ بھر کھانا کھلانا واجب ہے۔ ۱۷

(۱) خواتین کے لیے کفارے میں یہ سہولت ہے کہ حیض کی وجہ سے ناغہ ہو جانے سے کفارہ کا تسلسل ختم نہ ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد ناغہ نہ کریں پاک ہوتے ہی پھر روزے رکھنے شروع کر دیں۔

(۲) کفارے کے روزے رکھنے کے دوران اگر نفاس کا زمانہ آجائے تو اس سے بھی کفارے کا تسلسل ختم ہو جائے گا۔ اور نئے سرے سے پھر دو مہینے کے پورے روزے رکھنا واجب ہوں گے۔

(۳) کفارے کے روزوں کے دوران اگر ماہ رمضان آجائے تو پہلے رمضان کے روزے رکھے اور رمضان کے بعد کفارے کے پورے ساٹھ روزے پھر نئے سرے سے رکھے۔

(۴) اگر ایک ہی رمضان کے دوران ایک سے زائد روزے فاسد ہو گئے ہوں تو سب کے لیے ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔

(۵) اگر کسی پر ایک کفارہ واجب ہوا اور وہ ابھی ادا کرنے نہیں پایا تھا کہ دوسرا واجب ہو گیا تو صرف ایک ہی کفارہ دونوں کے لیے واجب ہوگا۔ چاہے یہ دونوں کفارے دو رمضان کے ہوں بشرطیکہ روزہ فاسد ہونے کی وجہ منجسی فعل نہ ہو، منجسی فعل کے سبب جتنے روزے فاسد ہوں ان کا کفارہ الگ الگ ادا کرنا ہوگا چاہے پہلا کفارہ ادا نہ کر پایا ہو۔

(۷) ہنسی فعل کر لینے کی وجہ سے جتنے روزے فاسد ہوں ان کا کفارہ الگ الگ ادا کرنا ہوگا چاہے پہلا کفارہ نہ ادا کیا ہو۔

(۸) ساتھ محتاجوں میں یہ لحاظ ضروری ہے کہ محتاج پوری عمر کے ہوں اگر بالکل چھوٹی عمر کے بچوں کو کھلایا، تو ان کے بدلے پھر پوری عمر کے محتاجوں کو کھلانا ضروری ہے۔

(۹) کھانا کھلانے کے بجائے غلہ دینا بھی جائز ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ قیمت ادا کر دی جائے۔

(۱۰) محتاجوں کو کھانا کھلانے میں اپنے مام و معیار کا لحاظ رکھو نہ زیادہ بڑھیا واجب ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ سو کمی روٹی ہی دے دی جائے۔

(۱۱) اگر مسکینوں کو کھانا کھلانے میں تسلسل نہ رہے تو کوئی مضائقہ نہیں کفارہ صحیح ہو جائے گا۔

(۱۲) اگر ایک ہی محتاج کو ساتھ دن تک صبح و شام کھانا دیا تو کفارہ صحیح نہ ہوگا۔ اور یہی صورت غلہ یا اس کی قیمت دینے میں بھی ہے۔

فدیہ

جو شخص بڑھاپے کے باعث امتحانی کمزور ہو گیا ہو یا ایسی شدید بیماری میں

۱۔ غلہ صدقہ فطر کے بقدر دینا واجب ہے۔ اس سے کم دیا تو کفارہ صحیح نہ ہوگا۔ صدقہ فطر کی مقدار ۱۲۱ پر دیکھیے۔

میں مبتلا ہو کہ بظاہر صحت مند ہونے کی توقع جاتی رہی ہو اور وہ روزہ رکھنے کی سکت نہ رکھتا ہو تو شریعت نے ایسے لوگوں کو رخصت دی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزے کے بدلے ایک محتاج کو فدیہ ادا کر دیں، فدیہ میں کھانا بھی کھلایا جاسکتا ہے، غلہ بھی دیا جاسکتا ہے اور غلے کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے۔

فدیہ کی مقدار

ایک فقیر کو صدقہ فطر کے بقدر غلہ دینا۔ یا اتنے غلے کی قیمت ادا کر دینا۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ہر روزے کے بدلے صبح و شام دونوں وقت کسی محتاج کو کھانا کھلا دیں، کھانا کھلانے میں اپنے کھانے پینے کے عام معیار کو سامنے رکھ کر اوسط درجے کا کھانا کھلائیں یا دیں۔

فدیہ کے مسائل

(۱) فدیہ ادا کرنے کے باوجود اگر مریض کی صحت خدا کے فضل سے بحال ہو جائے تو روزوں کی قضا واجب ہے اور جو فدیہ ادا کیا جا چکا ہے، اس کا اجر و ثواب بھی خدا عطا فرمائے گا۔

(۲) کسی کے ذمے کچھ قضا کے روزے تھے، مرتے وقت اس نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے ان کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ اگر ان قضا روزوں کا سارا فدیہ چھوٹے ہوئے ایک تہائی مال کے بقدر ہے تو فدیہ ادا کرنا واجب ہے اور

اگر فدیہ کی قیمت زیادہ بن رہی ہے اور تہائی مال کی مقدار کم ہے تب تہائی مال سے زائد فدیہ میں ادا کرنا اسی وقت جائز ہے جب وارث برضا و رغبت اس کی اجازت دیں، البتہ اس صورت میں بھی نابالغ وارثوں کی اجازت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

(۳) اگر مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو اور وارث بطور خود چھوٹے ہوئے روزوں کا فدیہ ادا کر دیں تب بھی درست ہے اور خدا کی ذات سے توقع ہے کہ وہ فدیہ کو قبول فرمائے اور روزوں کا مواخذہ نہ فرمائے۔

(۴) ہر وقت کی نماز کا فدیہ بھی اتنا ہی ہے جتنا ایک روزے کا ہے اور یہ خیال رہے کہ دن میں پانچ فرض نمازیں ہیں اور ایک وتر کی واجب نماز لہذا چار نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ہوگا۔

(۵) کسی کی نمازیں چھوٹ گئی ہوں اور وہ مرتے وقت وصیت کر جائے کہ اس کے مال میں سے نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے تو اس کے احکام بھی وہی ہیں جو روزے کے فدیے کے ہیں۔

(۶) مرنے والے کی طرف سے اگر وارث روزے رکھ لیں یا اس کی قضا نمازیں پڑھ لیں، تو یہ درست نہیں۔

(۷) معمولی سی بیماری کی وجہ سے رمضان کا روزہ قضا کرنا اور یہ خیال کرنا کہ پھر قضا رکھ لیں گے یا فدیہ ادا کر کے یہ سمجھنا کہ روزہ کا حق ادا ہو گیا صحیح نہیں رمضان کا روزہ اسی صورت میں چھوڑے جب واقعی روزہ رکھنے کی سکت نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”جس شخص نے رمضان کا کوئی ایک روزہ بھی کسی عذر اور بیماری کے بغیر چھوڑ

دیا تو عمر بھر کے رونے رکھنے سے بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی " لہ

روزوں کے متفرق احکام و آداب

(۱) بولوگ کسی دہرے روزہ رکھنے سے محذور ہوں ان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ رمضان میں کھلم کھلا نہ کھائیں اور بظاہر روزہ داروں کی طرح رہیں۔

(۲) جن لوگوں میں وہ سناری شرائط موجود ہوں جن کے ہوتے روزہ رکھنا صحیح بھی ہے اور واجب بھی پھر کسی دہرے ان کا روزہ فاسد ہو جائے تو ان پر واجب ہے کہ دن کے باقی حصے میں روزے داروں کی طرح رہیں اور کھالے پیئے اور جنسی افعال سے پرہیز کریں۔

(۳) کوئی مسافر نصف النہار کے بعد اپنے گھر پہنچ جائے یا کہیں قیام کا ارادہ کر لے تو اس کے لیے بھی مستحب ہے کہ وہ دن کے باقی حصے میں روزہ داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے وغیرہ سے پرہیز کرے۔ اسی طرح کوئی خاتون اگر نصف النہار کے بعد حیض یا نفاس سے پاک ہو جائے تو اس کے لیے بھی مستحب ہے کہ شام تک کھانے پینے سے پرہیز کرے۔

(۴) اگر کوئی شخص قصداً روزہ فاسد کر دے، یا کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ رات باقی ہے صبح صادق کے بعد کھانا کھالے، تو اس کے لیے بھی واجب ہے کہ وہ دن کے باقی حصے میں روزے داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے وغیرہ سے اجتناب کرے۔

(۵) اگر بچہ نصف النہار کے بعد بالغ ہو جائے، یا کوئی غیر مسلم ایمان لے آئے تو اس کے لیے بھی مستحب ہے کہ شام تک روزہ دار کی طرح کھانے پینے وغیرہ سے رُکا رہے۔

(۶) اگر روزہ رکھنے کے بعد کسی خاتون کو حیض آجائے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا لیکن اس ٹکے لیے بھی مستحب یہی ہے کہ روزہ داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے سے اجتناب کرے۔

نفلی روزوں کی فضیلت اور مسائل

ماہِ شوال کے چھ روزے

ان روزوں کو عرفِ عام میں ششِ عید کے روزے کہا جاتا ہے، حدیث میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اس نے شوال میں چھ روزے رکھے تو اس نے گویا ہمیشہ روزے رکھے“ ۱

نیز آپ نے فرمایا ہے۔

”جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے

چھ روزے رکھے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا گویا کہ آج ہی اس کی ماں

نے اس کو جہم دیا ہے“ لے

(۱) یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ روزے عید کے بعد لگاتار رکھے جائیں لگاتار بھی رکھے جاسکتے ہیں اور بیچ میں ناغہ کر کے بھی رکھے جاسکتے ہیں۔

(۲) یہ بہتر ہے کہ خوال کی دوسری تاریخ سے ان روزوں کی ابتدا کر دی جائے لیکن ضروری نہیں۔ پورے مہینے میں جس طرح بھی مہولت ہو چھ روزے رکھ لیے جائیں۔

یوم عاشورہ کا روزہ

محرم کی دسویں تاریخ کو یوم عاشورہ کہتے ہیں اس دن مکے کے قریش بھی روزہ رکھتے تھے اور خاندان کعبہ پر نیا غلات چڑھاتے تھے، اور اس روزے کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ روزہ رکھتے تھے، اس کے بعد جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہود اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی تاکید فرمائی کہ روزہ رکھیں۔

”حضرت ابی عباسؑ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھتے دیکھا، تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا ”تمہارے نزدیک اس دن کی کیا خاص اہمیت ہے کہ تم اس دن روزہ رکھتے ہو؟“

ان لوگوں نے جواب دیا: "ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اسی دن خدا نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کو نجات بخشی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تھا، تو موسیٰ (علیہ السلام) نے خدا کے اس احسان کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا تھا، پس ہم بھی (اسی لیے) اس دن کا روزہ رکھتے ہیں" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "موسیٰ (علیہ السلام) سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں (کہ اس دن روزہ رکھیں) پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور امت کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا" ۱۷

بہتر یہ ہے کہ دسویں تاریخ کے ساتھ نویں تاریخ یا گیارہویں تاریخ کا روزہ بھی رکھا جائے تاکہ اس دن کی تفصیلت بھی حاصل رہے اور یہود کے ساتھ مشابہت بھی نہ رہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی یہ روزہ رکھنے لگے اور صحابہ کو بھی رکھنے کی تاکید فرماتے، تو صحابہ نے آپؐ سے عرض کیا: "یا رسول اللہ! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں" (ہم روزہ رکھنے میں تو ان کے ساتھ تشابہ ہوتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا: "محب اگلا سال آئے گا تو انشاء اللہ ہم نویں تاریخ کو روزہ رکھیں گے"

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں مگر اگلا سال آنے سے پہلے ہی نبی صلی اللہ

علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ۱۷

یوم عرفہ کا روزہ

حج کے مہینے کی نویں تاریخ کو یوم عرفہ کہتے ہیں، حدیث میں اس دن کے روزے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

”میں خدا کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ یوم عرفہ کا روزہ آنے والے سال

اور گزرنے والے سال دونوں کے لیے کفارہ قرار پائے گا۔“ ۱۸

نیز آپؐ نے فرمایا:-

”عرفہ کے دن روزہ رکھنے کا اجر و ثواب ایک ہزار دن کے روزوں کے

برابر ہے۔“ ۱۹

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس روزے کا بہت اہتمام فرماتے تھے، یوم عرفہ سے پہلے کے آٹھ دنوں میں روزہ رکھنے کا بھی بڑا اجر و ثواب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

”دنوں میں کسی دن کی عبادت بھی خدا کو اتنی محبوب نہیں ہے جتنی ذوالحجہ

کے ابتدائی عشرے میں محبوب ہے، اس عشرے کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے

روزوں کے برابر ہے اور اس میں ہر رات کی نفل نماز شعبہ کے نوافل جیسے ہیں۔“

۱۷ مسلم۔

۱۸ جامع ترمذی۔

۱۹ الترغیب۔

ایام بیض کے روزے

ایام بیض سے مراد ہر مہینے کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ اور تاریخ ہے، یہ چاندنی کے خاص دن ہیں اسی لیے ان کو ایام بیض کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان روزوں کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔

حضرت قتادہ بن ثعلاب کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تاکید فرماتے

تھے کہ ہم ایام بیض یعنی مہینے کی تیرہویں، پندرہویں اور پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھا

کریں، اور فرماتے تھے کہ یہ تین روزے اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے

کے برابر ہیں ۱۰

پیر اور جمعرات کا روزہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے اور صحابہ کرام کو بھی ان دنوں میں روزہ رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے

دن روزہ رکھا کرتے تھے ۱۱

اور امت کو ترغیب دیتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

”اعمال کی ایک پیشی پیر اور جمعرات کو ہوتی ہے میں چاہتا ہوں کہ جب میرے

عمل کی پیشی ہو تو میں اس دن روزے سے ہوں ۱۲

۱۰ ابو داؤد، نسائی۔

۱۱ جامع ترمذی، نسائی۔

۱۲ جامع ترمذی۔

ایک بار صحابہ نے آپ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا تو ارشاد فرمایا۔

”اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا“

نفل روزوں کے متفرق مسائل

(۱) نفل روزہ رکھ لینے کے بعد واجب ہو جاتا ہے اگر کسی وجہ سے فاسد ہو جائے یا فاسد کر دیا جائے تو اس کی قضا رکھنا واجب ہے۔

(۲) نفل روزہ بھی بغیر کسی عذر کے توڑنا جائز نہیں البتہ نفل روزہ فرض روزے کے مقابلے میں معمولی عذر کی وجہ سے بھی توڑا جاسکتا ہے۔

(۳) اگر کسی نے روزہ دار کی دعوت کی اور یہ خیال ہے کہ مہمان کے نہ کھانے سے میزبان ناراض ہو جائے گا۔ یا وہ مہمان کے بغیر کھانے کے لیے آمادہ نہ ہو یا میزبان کی دل شکنی کا خیال ہو تو اس صورت میں روزہ توڑنا جائز ہے۔ روزہ دار کو چاہیئے کہ اس کی قضا رکھ لے۔

(۴) خواتین کے لیے رمضان کے روزوں کے سوا دوسرا کوئی بھی روزہ شوہر کی اجازت کے بغیر رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر کسی خاتون نے رکھ لیا ہے اور شوہر روزہ توڑنے کا حکم دے تو توڑ دینا ضروری ہے پھر اس روزے کی قضا بھی شوہر کی اجازت ہی سے رکھے۔

(۵) اگر کوئی شخص ان دنوں کے روزوں کی نذر مانے جن میں روزے رکھنا

حرام ہیں مثلاً عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے ایام تو اس کو چاہیئے کہ ان کے بجائے دوسرے دنوں کے رکھے۔

(۶) اگر کسی نے نفی روزہ رکھا اور اس کے یہاں مہمان آگیا اور خیال یہ ہے کہ اس نے مہمان کے ساتھ کھانا نہ کھایا تو وہ خفا ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی نفی روزہ توڑنا جائز ہے۔

(۷) کسی نے عید کے دن کے روزے کی نیت کی اور روزہ رکھ بھی لیا، اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ روزہ توڑ دے۔ اور اس روزے کی قضا بھی نہیں ہے (۸) رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنا درست نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ملکوئی شخص رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھے مگر ہاں جو شخص اس دن روزہ رکھتا ہو وہ رکھے گا ۱۱

نماز تراویح کا بیان

تراویح، ترویج کی جمع ہے، ترویج کے معنی میں آرام لینے کے لیے تھوڑی دیر بیٹھنا، لیکن اصطلاح میں ترویج سے مراد وہ جلسہ استراحت ہے جو رمضان المبارک کی راتوں میں پڑھی جانے والی مسنون نماز کے دوران ہر چار رکعت کے بعد کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ اس میں رکعت نماز کے دوران پانچ تراویح کرتے ہیں۔ اس لیے اس مسنون نماز کو تراویح کہنے لگے۔

نماز تراویح کا حکم

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا اہتمام فرمایا، اور صحابہ کرام نے بھی، جو شخص کسی عذر کے بغیر تراویح کی نماز ترک کرے گا گنہگار ہوگا، یہ جس طرح مردوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے اسی طرح خواتین کے لیے بھی سنت مؤکدہ ہے۔ پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ نماز تراویح روزے کے تابع نہیں ہے یعنی یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ تراویح پڑھنا صرف اسی کے لیے ضروری ہے جس

۱۔ روافض کے علاوہ ہر مسلک والے تراویح کو مسنون مانتے ہیں۔

۲۔ درمختار۔

نے دن میں روزہ رکھا ہو، دونوں الگ الگ عبادتیں ہیں جو لوگ کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکیں، مثلاً کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو اور روزہ نہ رکھے یا خواتین حیض و نفاس کی حالت میں ہوں اور تراویح کے وقت پاک صاف ہو جائیں تو ان کو نماز تراویح پڑھنا چاہیے، نہ پڑھنے کی صورت میں ترک سنت کا گناہ لازم آئے گا۔
نماز تراویح کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رمضان المبارک کے استقبال میں نہایت ہی مؤثر خطبہ دیا، اور فرمایا کہ

”اس مہینے کی ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کی راتوں میں اللہ نے تراویح پڑھنا نفل کر دیا ہے۔“

جو شخص اس مہینے میں کوئی ایک کام اپنے دل کی خوشی سے بطور خود کرے گا تو اس کا اجر و ثواب اتنا ہو گا جتنا دوسرے مہینوں میں فرض کا ہوتا ہے۔“

ایک اور حدیث میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مغفرت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔
ارشاد ہے۔

”جس نے رمضان کی راتوں میں ایسا فی کفایت اور اجر آخرت کی نیت کے ساتھ

نماز تراویح پڑھی، اللہ اس کے دو سار گناہ معاف کر دے گا جو اس سے سرزد ہو چکے ہیں۔“

یعنی فرض نہیں ہے کہ سنت ہے اس لیے کہ فرض کے مقابلے میں سنت اور مستحب سب کے لیے بولا جاتا ہے۔

مشکوٰۃ روایت سلمان فارسیؓ زچوری روایت کافی طویل ہے یہاں اس کا صرف ایک نمونہ نقل کیا گیا ہے۔

متفق علیہ۔

نماز تراویح کا وقت

جس شب میں رمضان کا چاند نظر آئے اسی شب سے تراویح شروع کی جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تو تراویح چھوڑ دی جائے۔ تراویح پڑھنے کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے تک رہتا ہے، اگر کوئی عشاء کی نماز سے پہلے تراویح پڑھ لے تو وہ نماز تراویح نہ ہوگی اسی طرح اگر کسی نے نماز عشاء کے بعد تراویح پڑھی اور بعد میں کسی وجہ سے نماز عشاء کا دہرانا ضروری ہو گیا تو اس صورت میں تراویح کی نماز بھی دہرائی جاویں۔

البتہ مستحب یہ ہے کہ تہائی رات کے بعد نصف شب سے پہلے تراویح کی نماز پڑھ لی جائے، نصف شب کے بعد پڑھنا جائز تو ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔

۱۔ کذا مختار۔

۲۔ تراویح کے لیے افضل وقت کونسا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اول وقت کو افضل بتاتے ہوئے بڑی وزنی دلیل دیا ہے۔

۳۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ تراویح کے لیے افضل وقت کونسا ہے؟ عشاء کا وقت یا تہجد کا؟ ولائل دونوں کے حق میں ہیں، مگر زیادہ تر رجحان آخر وقت ہی کی طرف ہے، البتہ اول وقت کی ترجیح کے لیے یہ بات بہت وزنی ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی اول وقت ہی کی تراویح پڑھ سکتے ہیں، آخر وقت اختیار کرنے کی صورت میں امت کے سوا معظم کا اس ثواب سے محروم رہنا ایک بڑا نقصان ہے اور اگرچہ صبح آخر وقت کی فضیلت سے مستفید ہونے کی خاطر اول وقت کی جماعت میں شریک نہ ہوں تو اس سے یہ اندیشہ ہے کہ عوام اقل یا توانِ صبح سے بدگمان ہوں یا ان کی عدم شرکت کی وجہ سے خود ہی تراویح چھوڑ بیٹھیں یا پھر ان صبح کو اپنی تہجد خوانی کا دھندلرا پیٹنے پر مجبور ہونا پڑے (رسائل و مسائل حصہ دوم ص ۲۳۱ زیر عنوان رمضان میں قیام اللیل)۔

نماز تراویح کی جماعت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں تین شب، یعنی ۲۲، ۲۵ اور ۲۷ رمضان کو تراویح کی نماز جماعت سے پڑھائی، پھر جب آپؐ نے صحابہ کا ذوق و شوق اور کثرت دیکھی تو آپؐ مسجد میں تشریف نہ لائے، صحابہ سمجھے کہ شاید آپؐ سو گئے اور دروازے پر آکر آپؐ کو پکارنے لگے تو آپؐ نے فرمایا۔

خدا تمہارے ذوق و شوق میں اور برکت دے، میں اس اندیشہ کی وجہ سے باہر نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے، اور تم ہمیشہ اس کی پابندی نہ کر سکو گے، اس لیے تم اس کو اپنے گھروں میں پڑھتے رہو، کیونکہ نفعی نمازوں کا گھروں میں پڑھنا زیادہ باعث اجر و برکت ہے۔

اس حدیث سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ نماز تراویح جماعت سے پڑھنا جائز ہے اس لیے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شب جماعت سے تراویح پڑھائیں اور آپؐ کے بعد بھی صحابہ کرام متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں تراویح باجماعت پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے اس کی باقاعدہ جماعت قائم فرمائی۔ اور صحابہ کرام نے ہر چشم اس کو قبول کیا۔

اور بعد میں کسی خلیفہ نے اس سنت کی مخالفت نہیں کی، اسی لیے علما نے تراویح کی جماعت کو سنت کو کواکب الغایہ کہا ہے۔ ۷

۷ سیح سلم۔

۸ نماز تراویح کی جماعت کے بارے میں کسی نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے سوال کیا تھا، (باقی برصغیر)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۸) اس سوال کا جواب مولانا نے بڑی وضاحت سے دیا ہے، جس سے اس مسئلے پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے، ذیل میں ہم یہ سوال و جواب نقل کرتے ہیں۔

سوال :- علمہ کریم بالعموم یہ کہتے ہیں کہ تراویح اول وقت میں (عشاء کی نماز کے متصل) پڑھنا افضل ہے اور تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ کفارہ ہے۔ یعنی اگر کسی محلہ میں تراویح باجماعت نہ ادا کی جائے، تو اہل محلہ گنہگار ہوں گے اور دو آدمیوں نے بھی مل کر مسجد میں تراویح پڑھ لی تو سب کے ذمے سے ترک جماعت کا گناہ ماقط ہو جائے گا کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں کیوں ایسا نہیں ہوا؟ اور اس زمانے کے مسلمانوں کے لیے کیا حکم ہو گا؟ کیا وہ سب تراویح باجماعت پڑھنے کی وجہ سے گناہگار تھے؟

جواب :- حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے سے لے کر حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانے تک باقاعدہ ایک جماعت میں سب لوگوں کے تراویح پڑھنے کا طریقہ رائج نہ تھا، بلکہ لوگ یا تو اپنے گھروں میں پڑھتے تھے یا مسجد میں تفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں پڑھا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ اس تفرق کو دور کر کے سب لوگوں کو ایک جماعت کی شکل میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا اس کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس یہ محبت موجود تھی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سلسلے کو یہ فرما کر بند کر دیا تھا کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے، اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گزر جانے کے بعد اس امر کا اندیشہ باقی نہ رہا تھا، کہ کسی کے فعل سے یہ چیز فرض قرار پائے گی۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تعلق کی بہترین مثالوں میں سے ایک ہے، کہ انہوں نے شارع کے فشا کو ٹھیک ٹھیک سمجھا، اور امت میں ایک صحیح طریقے کو رائج فرما دیا، صحابہ کرام میں سے کسی کا اس پر اعتراض نہ کرنا، بلکہ بسر و چشم اسے قبول کرنا، یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ نے شارع کے اس فشا کو بھی ٹھیک ٹھیک پورا کیا، کہ ”اسے فرض کے درجے میں نہ کر دیا جائے“ (باقی بر ص ۲)

نماز تراویح کی رکعتیں

نماز تراویح کی بیس رکعتیں اجماع صحابہ سے ثابت ہیں، بیس رکعتیں اس طرح

(بقیہ حاشیہ ۱۹۹) چنانچہ کم از کم ایک بار تو ان کا خود تراویح میں شریک نہ ہونا ثابت ہے، جب کہ وہ بعد الرحمن بن عبد کے ساتھ مکے اور مسجد میں لوگوں کو تراویح پڑھتے دیکھ کر اظہار تحسین فرمایا۔ اور علماء میں بنا پر یہ کہتے ہیں کہ جس جتنی یا محلی میں سرے سے نماز تراویح باجماعت ادا ہی نہ کی جائے اس محلے کے سب لوگ گناہگار ہیں وہ یہ ہے کہ تراویح ایک سنت الاسلام ہے جو عہد خلافت راشدہ سے تمام امت میں جاری ہے۔ ایک ایسے اسلامی طریقے کو چھوڑ دینا اور جتنی کے سارے ہی مسلمانوں کا دل کر چھوڑ دینا، دین سے ایک عام بے پرواہی کی علامت ہے، جس کو اگر گوارا کر لیا جائے تو رفتہ رفتہ وہاں سے تمام اسلامی طریقوں کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

۱۰ اہل حدیث کے نزدیک آٹھ رکعت پڑھنا ہی سنت ہے، ان کے نزدیک بیس رکعتیں پڑھنا سنت سے ثابت نہیں ہے۔ بیشتر روایتیں آٹھ رکعت ہی کی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی جس روایت میں بیس رکعتوں کا ذکر ہے وہ ان حدیثوں کے مقابلے میں ضعیف ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے اس مسئلے کے ذیل میں جو اظہارِ شبہاں فرمایا ہے نیچے ہم اس کو نقل کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب باقاعدہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا تو باتفاق صحابہ بیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں، اور اسی کی پیروی حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی ہوئی، تینوں خلفاء کا اس پر اتفاق اور پھر صحابہ کرامؓ میں اختلاف نہ کرنا یہ ثابت کر لیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لوگ تراویح کی بیس ہی رکعتوں کے عادی تھے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ تینوں میں ہی رکعت کے قائل ہیں اور ایک قول امام مالکؒ کا (باقی بر ص ۲۰۱)

پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے اور ہر چار رکعت کے بعد ترویج میں اتنی دیر بیٹھا جائے جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئی ہیں، ترویج میں اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے، ہاں اگر محسوس ہو کہ مقتدی اتنی دیر تک بیٹھنے میں پریشانی محسوس کرتے ہیں تو پھر اتنی دیر تک نہ بیٹھنا چاہیے، بلکہ مقتدیوں کے جذبات کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

ترویج میں کیا عمل کیا جائے؟

ترویج کی حالت میں نمازی کو اختیار ہے چاہے خاموش بیٹھا رہے چاہے ذکر و تسبیح پڑھے، چاہے نوافل پڑھے، مکہ معظمہ میں لوگ بیٹھنے کے بجائے بیت اللہ کا طواف کیا کرتے ہیں، مدینہ منورہ میں چار رکعت نفل پڑھ لیتے ہیں، بعض فقہانے لکھا ہے کہ ترویج میں یہ دعا پڑھی جائے۔

سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوتِ سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَالْعُظْمَةِ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰) یہی اسی کے حق میں ہے، داؤد ظاہریؒ نے بھی اسی کو سنت ثابتہ تسلیم کیا ہے۔ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز اور حضرت ابان بن عثمانؓ نے میں کے بجائے ۳۶ رکعتیں پڑھنے کا جو طریقہ شروع کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی تحقیق خلفائے راشدین کی تحقیق کے خلاف تھی، بلکہ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ مکہ سے باہر کے لوگ ثواب میں اہل مکہ کے برابر ہو جائیں، اہل مکہ کا قاعدہ یہ تھا، کہ وہ ترویج کی ہر چار رکعت کے بعد کبے کا طواف کرتے تھے، ان دونوں بزرگوں نے ہر طواف کے بدلے چار رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں، یہ طریقہ چونکہ اہل مدینہ میں رائج تھا، اور امام مالکؒ، اہل مدینہ کے عمل کو سند سمجھتے تھے، اس لیے انہوں نے بعد میں ۲۰ کے بجائے ۳۶ کے حق میں فتویٰ دے دیا۔

وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكَثْرَةِ وَالْمَعْرِفَةِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ
الَّذِي لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوتُ سُبُّوْهُ قَدْ دُوسَ، وَتَنَاوَدَبَ الْمَلَكُ
وَالنُّوحُ اللَّهُمَّ اجْزِئَاوْنِ الشَّارِ مَا يُحْيِي مَا يُحْيِي مَا يُحْيِي.

”پاک و برتر ہے حکومت و اقتدار والا، پاک و برتر ہے عزت و عظمت
ہیبت و قدرت اور بڑائی اور دہرے والا، پاک و برتر ہے وہ زندہ ہا ویدادشاہ
جو نہ سوتا ہے اور نہ اس کے لیے فنا ہے، نہایت پاک محبوب ہے مقررہ، ہمارا
پروردگار اور فرشتوں کا پروردگار اور جبریل کا پروردگار“

اے اللہ! ہم کو دوزخ کے عذاب سے نجات دے۔ اے پناہ دینے
والے، اے پناہ دینے والے، اے پناہ دینے والے“

نماز وتر کی جماعت

صرف رمضان المبارک ہی میں وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا ثابت ہے۔ رمضان
المبارک کے علاوہ دوسرے مہینوں میں وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا سہا نہ نہیں ہے۔ جو
لوگ تنہا نماز تراویح ادا کریں وہ بھی نماز وتر جماعت سے پڑھ سکتے ہیں لیکن جو لوگ تراویح
کی نماز جماعت سے ادا کریں ان کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ وتر کی نماز جماعت سے
پڑھیں۔ تراویح کی سنت نماز جماعت سے پڑھ کر وتر کی واجب نماز تنہا پڑھنا درست
نہیں اور اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھ کر سو جائے اور پھر تہجد
کے وقت وتر نماز تنہا ادا کرے۔

تراویح میں ختم قرآن

رمضان المبارک کے پورے مہینے میں ایک بار پورا قرآن پاک ترتیب وار ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال رمضان المبارک میں حضرت جبریل امین کو پورا قرآن سنایا کرتے تھے اور جس سال آپ دنیا سے رخصت ہوئے اس سال آپ نے دوبارہ حضرت جبریل کو قرآن سنایا، آپ نے امت کو بھی اس پر ابھارا اور فرمایا:

”روزہ اور قرآنی مومن کے لیے سفارش کریں گے، روزہ کہے گا میرے

رب! میں نے اس شخص کو دن میں کھانے (پینے) اور دوسری لذتوں سے روکا تو یہ کڑا رہا، تو اسے میرے رب! اس شخص کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا، کہ میں نے اس کو شب میں سونے (اور آرام کرنے) سے روکا (اور یہ اپنی میٹھی نیند چھوڑ کر تیرے حضور کھڑا قرآن پڑھتا رہا تو اسے پردہ دگارا) اس شخص کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ پس اللہ ان دونوں ہی سفارشوں کو شرف قبول عطا فرمائے گا ۱۷

صحابہ کرام نے بھی اس سنت کا اہتمام فرمایا، حضرت عمرؓ تراویح کی نماز باجماعت اور اس میں پورا قرآن سنانے کے لیے خاص اہتمام فرماتے تھے، دین سے عام ہے پر دانی، لوگوں کی کاہلی اور بے توجہی کی وجہ سے اس سنت کو پھوڑنا ہرگز صحیح نہیں۔ کم از کم ایک بار تو تراویح میں پورا قرآن سننے اور سنانے کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے اور جہاں لوگوں میں

ذوق شوق اور عبادت و تلاوت سے شغف محسوس ہوا اور یہ سبھی اطمینان ہو کہ قرآن پاک پوری دبستگی اور آداب کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھا جاسکے گا کہ اس کی تلاوت کا حق ادا ہو تو پھر ایک سے زیادہ ختم کرنا بھی پسندیدہ ہے۔ البتہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ختم کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ اس صورت میں تلاوت قرآن کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی کیفیت حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ ایک ایک حرف کو واضح اور ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے پڑھا کرتے تھے اور آپ نے امت کو ترغیل اور ٹھہراؤ کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

”قرآن پڑھنے والے سے قیامت کے روز کہا جائے گا۔ جس ٹھہراؤ اور خوش الحانی کے ساتھ تم دنیا میں بنا سنوار کر قرآن پڑھا کرتے تھے، اسی طرح قرآن پڑھو، اور ہر آیت کے صلے میں ایک درجہ بلند ہوتے جاؤ۔ تمہارا ٹھکانا تمہاری تلاوت کی آخری آیت کے قریب ہے۔“

ضروری ہدایت

اگر کہیں نماز و قرآن سے شغف میں غیر معمولی کمی ہو، اور مقتدیوں کی عام سستی اور غفلت کی وجہ سے یہ اندیشہ ہو کہ اگر تراویح میں پورا قرآن پڑھنے کا اہتمام ہوا تو نہ صرف یہ کہ لوگوں پر یہ بار ہوگا بلکہ ممکن ہے لوگ مسجد میں آنے اور جماعت سے

نماز پڑھنے سے بھی کترانے لگیں تو بہتر یہی ہے کہ ختم قرآن کا اہتمام نہ کیا جائے اور مختصر سورتوں ہی سے تراویح پڑھی جائیں، تاکہ تراویح کی سنت سے لوگ محروم نہ رہیں۔ بعض لوگ کم علمی کی وجہ سے تراویح میں محض قرآن سننے اور سنانے ہی کو اصل مقصود سمجھتے ہیں اور تراویح کی نماز میں سکون و اعتدال اور خشوع و خضوع کا بالکل لحاظ نہیں کرتے حالانکہ یہی نماز کی جان ہے، اور پھر ایسے لوگ جب رواں دواں پورا قرآن تراویح میں سن لیتے ہیں تو پھر نہ وہ تراویح پڑھنے کا کوئی اہتمام کرتے ہیں اور نہ جماعت سے تراویح پڑھنے کے لیے مسجد آنا ضروری سمجھتے ہیں یہ طرز فکر انتہائی غلط ہے اگر پورا قرآن سننے کا موقع نہ ہو یا قرآن ختم ہو جائے تب بھی تراویح کی نماز ایک مستقل سنت مؤکدہ ہے، اس کے اہتمام میں ہرگز غفلت نہ برتنا چاہیئے۔

نماز تراویح کے متفرق مسائل

(۱) تراویح کی نیت اس طرح کرے۔ نیت کرتا ہوں کہ دو رکعت سنت تراویح پڑھوں، اور پھر دو رکعت کی نیت باندھ کر دس سلام کے ساتھ بیس رکعتیں پوری کرے۔
(۲) نماز وتر تراویح کے بعد پڑھنا افضل ہے۔ لیکن کسی وجہ سے اگر کچھ تراویح پڑھنے سے پہلے یا ساری ہی تراویح پڑھنے سے پہلے نماز وتر پڑھ لی تو یہ بھی جائز ہے۔

(۳) اگر کوئی مقتدی دیر سے آیا اور اس کی کچھ تراویح باقی بقیں کہ امام و تروں کے لیے کھڑا ہو گیا تو اس کو چاہیئے کہ در امام کے پیچھے پڑھ لے اور اپنی باقی تراویح

بعد میں پوری کر لے۔

(۴) چار رکعت پڑھنے کے بعد ترویح میں اتنی دیر بیٹھ کر آرام لینا مستحب ہے جتنی دیر میں چار رکعت پڑھی گئی ہیں، لیکن جہاں اتنی دیر بیٹھنا مقتدیوں پر بار ہونے لگے تو وہاں تھوڑی دیر بیٹھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

(۵) اگر کوئی شخص عشاء کے فرض پڑھے بغیر تراویح کی نماز میں شریک ہو گیا تو اس کی تراویح درست نہیں، اس کو چاہیے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے پھر تراویح ادا کرے، تراویح کا وقت عشاء کے فرضوں کے بعد ہے۔

(۶) اگر کسی نے عشاء کے فرض جماعت سے ادا کیے اور تراویح جماعت سے نہیں پڑھیں، اس کے لیے بھی وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا درست ہے۔
(۷) اگر کسی شخص نے عشاء کے فرض جماعت سے نہ پڑھے وہ بھی نماز و تر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔

(۸) کسی عذر کے بغیر بیٹھ کر تراویح پڑھنا مکروہ ہے البتہ کوئی عذر ہو تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے۔

(۹) جو شخص عشاء کے فرض جماعت سے نہ پڑھ سکا ہو اس کے لیے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنا درست ہے۔

(۱۰) فرض اور وتر ایک امام پڑھائے اور تراویح دوسرا امام پڑھائے یہ بھی درست ہے، حضرت عمرؓ فرض اور وتر کی امامت خود فرماتے اور تراویح کی امامت حضرت ابی ابن کعبؓ فرمایا کرتے تھے۔

(۱۱) اگر تراویح کی کچھ رکعتیں کسی وجہ سے فاسد ہو جائیں اور ان کا اعادہ کرنا

ضروری ہے تو پھر قرآن پاک کے اُس حصہ کا اعادہ بھی کرنا چاہیے جو فاسد شدہ رکعتوں میں پڑھا گیا تاکہ ختم قرآن صحیح نماز میں ہو۔

(۱۲) تراویح میں دوسری رکعت میں بیٹھنے کے بجائے امام کھڑا ہو گیا اگر تیسری رکعت کے سجدے سے پہلے پہلے یاد آجائے یا کوئی مقتدی یاد دلادے تو امام کو چاہیے کہ قعدہ میں بیٹھ جائے اور شہد پڑھ کر سجدہ سہو کرے پھر نماز پوری کر کے سلام پھیر دے۔ یہ دونوں رکعتیں صحیح ہوں گی اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چار رکعتیں پوری کرے، اس صورت میں یہ چار رکعتیں دو رکعتوں کے قائم مقام ہوں گی۔

(۱۳) اگر امام دوسری رکعت میں قعدہ کے لیے بیٹھا پھر مبوءے سے تیسری رکعت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور اس صورت میں چار رکعتیں پوری کہیں تو یہ چاروں رکعتیں صحیح شمار ہوں گی۔

(۱۴) جن لوگوں نے عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو ان کے لیے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنا، درست نہیں، اس لیے کہ فرض نماز تنہا پڑھ کر نفل نماز جماعت سے پڑھنا، نفل کو فرض پر ترجیح دینا ہے اور یہ درست نہیں۔

(۱۵) جو لوگ فرض نماز جماعت سے پڑھ کر تراویح جماعت سے پڑھ رہے ہوں ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں جنہوں نے فرض نماز جماعت سے نہیں پڑھی ہے، اس لیے کہ یہ لوگ ان لوگوں کے تابع سمجھے جائیں گے جو فرض نماز جماعت سے پڑھ کر تراویح باجماعت پڑھ رہے ہیں۔

(۱۶) اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے جب عشاء کے فرض ہو چکے ہوں تو وہ

پہلے فرض ادا کرے پھر تراویح میں شریک ہو، اور تراویح کی جو رکعتیں رہ گئی ہوں ان کو یا تو ان وقفوں میں ادا کرے جب امام ترویج میں بیٹھا ہو، یا پھر وتر جماعت سے ادا کر کے بعد میں پڑھے۔

(۱۷) جن لوگوں نے عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو، بلکہ تنہا پڑھی ہو وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں جو فرض نماز جماعت سے پڑھ کر وتر باجماعت پڑھ رہے ہوں۔

(۱۸) آج کے دور میں شبینہ کا جس طرح رواج ہو گیا ہے یہ ہرگز درست نہیں پڑھنے والا انتہائی بے پروائی کے ساتھ رواں دواں پڑھتا جانتے سمجھتے اس کو صحیح اور غلط کی فکر ہوتی ہے، نہ آداب تلاوت کا لحاظ ہوتا ہے، اور نہ اس سے اثر لینے اور ہدایت پانے ہی کا کوئی احساس ہوتا ہے، بس کسی طرح ختم کر لینا ہی مقصود ہوتا ہے، پھر مقتدیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ بس چند افراد تو امام کے پیچھے ضرور کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی اکثر چند رکعت ہی امام کے ساتھ پڑھتے ہیں ورنہ عام طور پر لوگ پیچھے بیٹھے گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں کچھ بیٹھے بیٹھے داد دیتے رہتے ہیں، کچھ تفریحی انداز کی گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ یہ وہ قیام لیل اور تلاوت قرآن نہیں ہے جس کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی تھی اور جس کو صحابہ کرام سنت سمجھ کر اس کا اہتمام فرماتے تھے۔ یہ درحقیقت قرآن کے ساتھ صریح ظلم ہے اور قیام لیل اور تلاوت قرآن کے مقصد کے ساتھ مذاق ہے۔ قرآن میں ہے۔

كُتِبَ اَنْزَلْنَاكَ اِلَيْكَ مُبَارَكًا لَّيْلًا تَبَرُّوا اِلَيْهِمْ وَلَيَّتَنَّا كَرًّا

اَنْزَلُوْا اَلْاَنْبَاۃَ ۝ (ص: ۲۹)

”یہ کتاب غیور برکت کا سرچشمہ ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر والے اس سے سبق لیں۔“ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن پڑھا اس نے ہرگز قرآن کو نہیں سمجھا۔“ لے
اور قرآن پاک میں ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ
”اور جب قرآن پڑھا جائے تو پوری قوم کے ساتھ سنو۔“

(۱۹) تراویح میں قرآن پڑھنے کی صورت میں ضروری ہے کہ کسی ایک سورت کے شروع میں بلند آواز سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھی جائے اس لیے کہ یہ قرآن پاک کی ایک آیت ہے، پورا قرآن ختم کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو پڑھے اور پورا قرآن سننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو سنے اس لیے ملاحظہ کو چاہیے کہ وہ بلند آواز سے پڑھے۔ عام طور پر لوگ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کے شروع میں بسم اللہ پڑھتے ہیں، یہ کوئی ضروری نہیں، جس سورت سے شروع میں چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ بلکہ کبھی تو قصداً کسی دوسری سورت کے شروع پڑھنا چاہیے تاکہ لوگ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کے شروع میں پڑھنا ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ البتہ جن لوگوں کے نزدیک یہ ہر سورت کی ایک آیت ہے ان کو تراویح میں ہر سورت کے شروع میں پڑھنا چاہیے۔ لے

لے جامع ترمذی۔
لے حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ بسم اللہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے، البتہ امام شافعیؒ اور اہل حنفیہ کے قرار کا مسلک یہ ہے کہ یہ ہر سورت کی ایک آیت ہے۔

(۲۰) تراویح میں بعض لوگ تین بار "قُلْ هُوَ اللَّهُ" پڑھتے ہیں، ایسا کرنا مکروہ ہے۔ ۱۷

(۲۱) قرآن پاک ختم کرنے کے بعد فوراً دوسرا قرآن شروع کر دینا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ خدا کو یہ بات بہت پسند ہے کہ جب ایک بار قرآن شریف ختم ہو تو فوراً دوسرا شروع کر دیا جائے۔ اور دوسرا شروع کچھ کے اَدْلَعَكَ هُمُ الْمُعْلَعُونَ تک پہنچا کر چھوڑ دیا جائے۔ ۱۸

۱۷ بعض فقہانے قن ہو اللہ کو تین بار پڑھنا مستحب کہا ہے لیکن یہ اس سورت میں ہے جب قرآن نماز میں نہ پڑھا جا رہا ہو بلکہ نماز کے باہر پڑھا جا رہا ہو۔
 ۱۸ علم الفقہ جلد ۲ ص ۱۴۴۔

نہایت قرآن کے آداب

(۱) طہارت

قرآن پاک خدائے قدوس کا نہایت مقدس اور با عظمت کلام ہے۔ اس کو ہاتھ لگانے اور تلاوت کرنے کے لیے طہارت اور پاکی کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہیے۔ اگر وضو نہ ہو تو وضو کر لینا چاہیے۔ اور اگر غسل کی حاجت ہو تو غسل کر لینا چاہیے۔ خدائے پاک کا ارشاد ہے۔

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ - (واقفہ ۹۱)

”اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو نہایت پاک ہیں۔“

حیض و نفاس اور جنابت کی حالت میں قرآن سننا تو جائز ہے لیکن پڑھنا اور چھونا ممنوع ہے، وضو کے بغیر پڑھنا تو صحیح ہے لیکن چھونا مناسب نہیں، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ:-

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں تلاوت فرمایا کرتے تھے، با وضو بھی اور بے وضو بھی البتہ جنابت کی حالت میں کبھی تلاوت نہ فرماتے۔“ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”حیض والی خاتون اور جنابت والا آدمی قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔“

(یعنی اس طرح کی حالت میں قرآن کی تلاوت قطعاً ممنوع ہے) ۱۔

(۲) اخلاص نیت

قرآن کی تلاوت کے وقت اخلاص نیت کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہیئے۔ تلاوت کا مقصد محض خدا کی رضا اور طلبِ ہدایت ہونا چاہیئے۔ لوگوں کو اس کے ذریعے اپنا گرویدہ بنانا، اپنی خوش الحانی پر فخر کرنا اور اپنی دینداری کی دعاگ بھٹانا اور لوگوں سے تعریف کی خواہش رکھنا انتہائی گھٹیا مقاصد ہیں، ایسے ریاکار اور دنیا پرست قرآن ٹول قرآن سے ہرگز ہدایت نہیں پاتے، یہ لوگ قرآن کی تلاوت کے باوجود قرآن سے بہت دور رہتے ہیں دراصل جو دل گندے خیالات، رکیک جذبات اور ناپاک مقاصد سے آلودہ ہے اس کو نہ تو قرآن کی عظمت و شان کا شعور ہی ہو سکتا ہے اور نہ وہ قرآن کے معارف و حقائق میں سے حصہ پاسکتا ہے۔

(۳) پابندی اور التزام

قرآن کی تلاوت روزانہ پابندی کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ بلا ناغہ روزانہ قرآن کا کچھ حصہ پڑھنا مستحب ہے، تلاوت کسی وقت بھی کی جاسکتی ہے لیکن موزوں ترین وقت صبح کا وقت ہے، اور صبحی خوش نصیبوں کو خدا نے حفظ قرآن کی سعادت سے نوازا ہے ان کے لیے تو روزانہ پڑھنے رہنا اس لیے بھی نہایت ضروری ہے کہ اس کے بغیر قرآن یاد نہیں رہتا اور قرآن پاک یاد کرنے کے بعد ٹھوں جانا سخت گناہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”جس شخص نے قرآن پاک حفظ کیا اور پھر بھلا دیا وہ قیامت کے دن بڑائی

ہوگا۔“ ۱۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

”قرآن کی فکر رکھو ورنہ تمہارے سینوں سے نکل جائے گا۔ خدا کی قسم،

جس طرح وہ اونٹ بھاگ جاتا ہے، جس کی رسی ڈھیلی ہو گئی ہو ٹھیک اسی

طرح معمولی غفلت اور لاپرواہی کے باعث قرآن سینے سے نکل جاتا ہے۔“

اور آپ نے پابندی کے ساتھ تلاوت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

”جس شخص نے قرآن پڑھا، اور روزانہ پابندی سے اس کی تلاوت کرتا

رہتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک سے بھری ہوئی زمیں کہ اس کی خوشبو

ہمارے جھبک رہی ہے۔ اور جس نے قرآن پڑھا لیکن وہ اس کی تلاوت نہیں کرتا،

اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک سے بھری ہوئی بوتل کہ اس کو ڈاٹ لگا کر بند

کر دیا گیا ہے۔“ ۲۔

اور آپ نے فرمایا کہ خدا کا ارشاد ہے۔

”جو بندہ قرآن کی تلاوت میں اس قدر مشغول ہو کہ وہ مجھ سے دعا مانگے

کہ موقع نہ پاسکے، تو میں اس کو مانگے بغیر ہی مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔“ ۳۔

۱۔ صحیح البخاری۔

۲۔ صحیح مسلم۔

۳۔ ترمذی۔

۴۔ ترمذی۔

(۴) تجوید و خوش الحانی

ذوق و شوق، خوش الحانی اور دوستی کے ساتھ تجوید کا لحاظ کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔ اس سے پڑھنے والے کے دل پر بھی اثر پڑتا ہے اور سننے والے کو بھی روحانی سرور ملتا اور جذبہ عمل بیدار ہوتا ہے۔ بے دلی کے ساتھ رواں دواں پڑھنا اور صحتِ حروف کا لحاظ نہ رکھنا مکروہ ہے، اور صحیح صحیح قرآن پڑھنا واجب ہے، ش، ق، اور ح، خ، ع، غ، و غیرہ حروف کو صحیح مخارج سے ادا کرنا، اور وقف کرنے اور ملانے کے مواقع کو جاننا اور صاف صاف ہر آیت کو الگ الگ کر کے پڑھنا ضروری ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سکون کے ساتھ ایک ایک حرف کو واضح اور ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے پڑھا کرتے تھے۔

آپ کا ارشاد ہے۔

”اپنے لہجہ اور خُصن آواز سے قرآن کو آراستہ کرو“

اور آپ نے فرمایا۔

”جو شخص خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت نہیں کرتا وہ ہم میں سے

نہیں“

۱۔ ابو داؤد۔

۲۔ لیکن اس کا لحاظ رہے کہ قنصع اور بناوٹ نہ ہونے لگے بلکہ فطری انداز میں سادگی کے ساتھ پڑھنا چاہیے تاکہ دل خدا کی طرف متوجہ رہے اور مودودِ خائش کا جذبہ نہ پیدا ہونے پائے۔

۳۔ دارمی۔

اور خوش الحانی کے ساتھ تلاوت قرآن کے بے پایاں اجر و انعام کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا۔

”قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا۔ جس ٹھہراؤ اور

جس خوش الحانی کے ساتھ تم دنیا میں قرآن کو بنا سنو اور کر پڑھا کرتے تھے، اسی طرح

قرآن پڑھو اور ہر آیت کے صلے میں ایک درجہ بلند ہوتے جاؤ، تمہارا ٹھکانا تمہاری

تلاوت کی آخری آیت کے قریب ہے۔“ لے

البتہ پڑھنے میں گانے کی طرح زبرد و ہم پیدا کرنا، اور راگ کا سا انداز اختیار کرنا

مکروہ تحریمی ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

(۵) قرآن سننے کا اہتمام۔

قرآن پاک ذوق دشمنی کے ساتھ سننے کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ حضرت خالد بن

معدان کی روایت ہے کہ قرآن سننے کا اجر و ثواب قرآن پڑھنے سے دہرا ہے۔ لے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں سے قرآن پڑھوا کر سننے کا بہت شوق تھا ایک

بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے آپؐ نے فرمایا ”مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ“

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ”م حضورؐ میں آپؐ کو سناؤں؟ آپؐ پر تو قرآن

نازل ہوا ہے؟

ارشاد فرمایا ”ہاں سناؤ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا پڑھے اور میں سنوں“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ نساء پڑھنا شروع کی جب آپ اس آیت پر پہنچے۔

كَفَيْتُ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ
شَهِيدًا ۝ (النساء: ۴۱)

”پھر سوچو اس وقت کیا سانی ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر آپ کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے؟“

تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میں، بس، حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں، میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نہایت عمدہ قرآن پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ کی ملاقات جب کہیں حضرت ابو موسیٰؓ سے ہوتی تو فرماتے ابو موسیٰ! ہمیں اپنے پروردگار کی یاد دلاؤ۔ اور ابو موسیٰؓ قرآن کی تلاوت شروع فرماتے، اے (۶) غور و تدبیر

قرآن پاک کو سوچ سمجھ کر پڑھنے، اس کی آیات پر غور و فکر کرنے اور اس کی دعوت و حکمت کو جذب کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اور اسی عزم و جذبے کے ساتھ تلاوت کرنی چاہیے کہ اس کے ادا کر کو بجالاتا ہے اور اس کی نواہی سے بچتا ہے خدا کی کتاب اسی لیے نازل ہوئی ہے کہ اس کو سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کے

احکام پر عمل کیا جائے۔ خدا کا ارشاد ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْمُنَافَقَةُ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ وَلَا تَقْلَبُوا وَجْهَكُمْ وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَمْرَهُ وَلَا تَقْلَبُوا وَجْهَكُمْ
اُدْلُوا اَلْاَلْبَابَ ۝ (من: ۲۹)

”کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے بڑی برکت والی ہے تاکہ وہ

اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور اہل عقل اس سے نصیحت حاصل کریں“

قرآن پاک کا تنخواڑا سا حصہ سوچ سمجھ کر پڑھنا، اور اس کے حقائق و معارف پر غور و فکر کرنا اس سے بہتر ہے کہ آدمی غفلت کے ساتھ فر فر کئی کئی سورتیں پڑھ جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے، ”میں ”القادعة“ اور ”القداد“ جیسی چھوٹی چھوٹی سورتوں کو سوچ سمجھ کر پڑھنا اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ ”البقرة“ اور ”ال عمران“ جیسی بڑی بڑی سورتیں فر فر پڑھنا اور کچھ نہ سمجھوں“

فصل نمازوں میں یہ بھی جائز ہے کہ آدمی ایک ہی سورت یا ایک ہی آیت بار بار دہراتے اس کی حقیقت و حکمت پر غور کرے، اس سے اثر لے، اور الہانہ نماز میں بار بار اس کی تلاوت کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ساری رات

اِنْ تَعَدَّيْتُمْ فَاِنَّهُمْ عَمَّا دَلَّكَ وَاِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ فَاِنَّكُمْ اَنْتُمْ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (الاحقاف: ۱۱)

”اے خدا اگر تو ان کو عذاب دے تو میرے بندے ہیں اور اگر تو ان

کو بخش دے تو تو انتہائی زبردست اور نہایت حکمت والا ہے“

ایک ہی آیت کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

بلاشبہ قرآن کے معانی اور مطالب سمجھانے بغیر تلاوت کا بھی بڑا اجر و ثواب

ہے لیکن وہ تلاوت جس سے قلب و روح کا تزکیہ ہو اور بندہ عمل میں بیداری پیدا ہو، وہی ہے جو سمجھ سمجھ کر کی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

”یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں، جس طرح لوہا پانی سے زنگ آلود

ہو جاتا ہے:-

صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر اس زنگ کو دور کرنے کی تدبیر کیا

ہے؟

فرمایا (۱) کثرت سے موت کو یاد کرنا اور (۲) قرآن کی تلاوت کرنا۔

تورات میں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے -

”میرے بندے تجھے شرم نہیں آئی کہ اگر سفر کے دوران تیرے بھائی

کا خط تیرے پاس سرراہ پہنچتا ہے تو تو ٹھہر جاتا ہے، یا راستے سے الگ ہو

بیٹھتا ہے، اور اس کے ایک ایک حرف کو پڑھتا اور اس میں غور و فکر کرتا

ہے، اور یہ کتاب (تورات) میرا فرمان ہے جو میں نے تجھے لکھا ہے کہ تو اس

میں برابر غور و فکر کرتا رہے اور اس کے احکام پر عمل کرے، لیکن تو تو

اس سے انکار کرتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے جی چراتا ہے، اور

اگر پڑھتا بھی ہے تو غور و فکر نہیں کرتا یہ

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

”اسلاف کو پورا پورا یقین تھا کہ قرآن خدا کا فرمان ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے، چنانچہ وہ راتوں کو غور و فکر کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے اور دن کو اس کے احکام پر عمل کرتے، تم لوگوں کا حال یہ ہے کہ بس اس کے الفاظ پڑھتے ہو، اس کے حروف کے زیر و زبر دھرت کرتے ہو اور رہا عمل تو اس میں نہایت سست اور کوتاہ ہو۔“

(۷) یکسوئی اور عاجزی

تلاوت نہایت توجہ، آمادگی، عاجزی اور یکسوئی کے ساتھ قبلہ رخ بیٹھ کر کرنا چاہیے۔ تلاوت کے وقت غفلت اور لاپرواہی کے ساتھ ادھر ادھر دیکھنا، یا کسی سے بات چیت کرنا یا کسی اور ایسے کام میں مشغول ہونا جس سے یکسوئی میں خلل پڑتا ہو مکروہ ہے۔

(۸) التعوذ و التسمیہ

تلاوت شروع کرتے وقت پہلے

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔

پڑھنی چاہیے۔ اور اگر درمیان میں کسی دوسرے کام کی طرف توجہ کرنی پڑ جائے یا کسی سے بات چیت کرنی پڑ جائے تو پھر اَعُوذُ بِاللّٰهِ دہرائینی چاہیے۔ نماز کے باہر ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اور سورۃ ”بَاقِیَةُ“ کے شروع میں بسم اللہ

لے کیسے سادت۔

لے بَرَادَةِ مِنَ اللّٰهِ دہرا سولہ دسویں پارے کی دوسری سورت ہے جس کو سورہ توبہ بھی کہتے ہیں۔

نہ پڑھنی چاہیے۔

(۹) اثر پندیری

تلاوت کے دوران قرآن پاک کے مضامین سے اثر لینا اور اس اثر کا اظہار کرنا مستحب ہے۔ چوب انعام و اکرام اور جنت کی لازوال نعمتوں کا ذکر ہوا اور مومنوں کو رحمت و مغفرت، فلاح و کامرانی اور خدا کی رضا اور دیدار کی بشارت دی جا رہی ہو تو مسرت اور سرور کا اظہار کرنا چاہیے اور جب خدا کے فیض و غضب، جہنم کے ہولناک عذاب، اہل جہنم کی چیخ پکار کا تذکرہ اور انداز و عید کی آیتیں پڑھی جا رہی ہوں، تو اس پر غمزہ ہو کر رونا چاہیے، اور اگر اپنی غفلت اور سنگدلی کی وجہ سے رونا نہ آئے تو بہکھٹ رونے اور غمزہ ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن کے وقت جب عذاب کی آیت پڑھتے تو حق تعالیٰ سے رحمت کی دعا فرماتے اور جب تسبیہ کی آیت پڑھتے تو بیح پڑھتے۔

(۱۰) آواز میں اعتدال

تلاوت نہ تو انتہائی بلند آواز سے کیجئے اور نہ نہایت پست آواز سے بلکہ اعتدال کے ساتھ ایسی درمیانی آواز سے پڑھیے کہ آپ کا دل بھی متوجہ رہے اور سننے والوں کے شوق میں بھی اضافہ ہوا اور غور و فکر کی طرف بھی طبیعت متوجہ ہو، قرآن کی ہدایت ہے۔

۱۔ لیکن اس معاملہ میں آدمی کو انتہائی ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیے اس لیے ریاکاری آدمی کے اچھے سے اچھے عمل کو تباہ و برباد کر ڈالتی ہے۔

۲۔ کیمیائے سعادت ۱۱۵۔

وَلَا تَجْهَرُوا بِهَا ۖ فَتَذَكَّرَ النَّاسُ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَخَافُ بِهِمَا ۖ ذَٰلِكَ سَبِيلُكَ ۝ (نبی اسرائیل : ۱۱۰)

”اور اپنی نمازیں نہ تو زیادہ زور سے پڑھیے اور نہ بالکل ہی دھیرے دھیرے، بلکہ دونوں کے درمیان کا انداز اختیار کیجئے۔“

(۱۱) تہجد میں تلاوت کا اہتمام

تلاوت جب بھی کی جائے، باعث اجر و ثواب ہے اور موجب رشد و ہدایت ہے۔ لیکن خاص طور پر تہجد کی نمازیں قرآن کی تلاوت، تلاوت قرآن کی فضیلت کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے اور مومن کی تمنا ہونی ہی چاہیے کہ وہ فضیلت کا اونچے سے اونچا درجہ حاصل کرے، تہجد کا سہانا وقت، نمود و نمائش، اور ریاضت و تصنع سے حفاظت اور خلوص و للہیت اور توجہ الی اللہ کا موزوں ترین وقت ہے بالخصوص جب آدمی خدا سے حضور کھڑے ہو کر کیسوی اور طبعیت کی آمادگی کے ساتھ کتاب اللہ کی تلاوت کر رہا ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تہجد میں طویل تلاوت کا اہتمام فرماتے تھے۔

(۱۲) قرآن میں دیکھ کر تلاوت کا اہتمام

نماز کے باہر تلاوت کرتے وقت قرآن پاک میں دیکھ کر تلاوت کرنا زیادہ موجب اجر و ثواب ہے، ایک تو تلاوت کا اجر اور دوسرے کلام اللہ کو ہاتھ میں لینے اور اس کی زیارت سے شرف ہونے کا اجر و ثواب ہے، لہ

(۱۳) ترتیب کا لحاظ

قرآن پاک کی سورتوں کو اسی ترتیب سے پڑھنا چاہیے جس ترتیب سے قرآن میں ہیں،

البتہ چھوٹے بچوں کی سہولت کے پیش نظر اس ترتیب کے خلاف پڑھنا، جیسا کہ آج کل پارہ عَمَّ یَتَسَاءَلُونَ پڑھایا جاتا ہے، کسی کراہت کے بغیر جائز ہے البتہ آیتوں کو قرآن کی ترتیب کے خلاف پڑھنا بالاتفاق ممنوع ہے۔

(۱۴) دبستگی اور انہماک

بعض لوگ دوسرے وظائف اور اذکار تو بڑی دلچسپی اور انہماک کے ساتھ پڑھتے ہیں اور گھنٹوں پڑھتے رہتے ہیں، لیکن قرآن کی تلاوت اس دبستگی اور انہماک کے ساتھ نہیں کرتے، درانحالیکہ قرآن سے بڑھ کر نہ کوئی ذکر و وظیفہ ہو سکتا ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسری عبادت ہو سکتی ہے، قرآن پر دوسرے اذکار و وظائف کو ترجیح دینا فہم دین کی کوتاہی بھی ہے اور گناہ بھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بندہ تلاوت قرآن ہی کے ذریعہ خدا سے سب سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے۔

اور آپؐ نے فرمایا

”میری امت کے لیے سب سے بہتر عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔“

(۱۵) تلاوت کے بعد دعا

تلاوت سے فارغ ہو کر ذیل کی دعا پڑھنا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تلاوت سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

۱۔ رد المحتار۔

۲۔ الاتقان۔

۳۔ کیمیائے معاد۔ تلاوت قرآن کا بیان۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِاَلْقُرْاٰنِ وَاَجْعَلْهُ لِيْ اِمَامًا وَّكُوْرًا وَّ
 هُدًى وَّسَرْحَمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِيْ مِنْهُ مَا لَيْسَتْ وَعَلِّمْنِيْ مِنْهُ مَا
 جَهِلْتُ وَاَسْرُرْ لِّيْ تِلَاوَتَهُ اِنَّا عَالَمِيْلٌ وَاَطْلَرَاكُ اَلْقُرْاٰنِ
 وَاَجْعَلْهُ لِيْ حُجَّةً يَّوْمَ الرَّبِّ الْعَلِيِّ ۝

”اے اللہ! تو مجھ پر اس قرآن کے طغیس میں رحم فرما، اور اس کو میرا پیشوا،
 میرے لیے نور و ہدایت اور رحمت بنا دے، اے اللہ! میں اس میں سے جو کچھ
 بھول ہاؤں وہ مجھ کو یاد کرا دے، اور جو کچھ میں نہیں جانتا وہ سکھا دے اور
 مجھے توفیق دے کہ میں شب کے کچھ حصے میں اور صبح و شام اس کی تلاوت کروں
 اور اے رب العالمین تو اس کو میرے حق میں حجت بنا دے“

سجدہ تلاوت کا حکم

سجدہ تلاوت کا حکم

قرآن مجید میں چودہ آیتیں ایسی ہیں جن کو پڑھنے یا سننے سے سجدہ کرنا واجب ہو جاتا ہے، چاہے پوری آیت پڑھی جائے یا سجدہ والے لفظ کو لے لے پچھلے الفاظ کے ساتھ پڑھ لیا جائے، سجدہ واجب ہو جاتا ہے، اس سجدہ کو سجدہ تلاوت کہتے ہیں۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”جب آدمی سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک گوشے میں بیٹھ کر آہ و بکا کرنے لگتا ہے، اور کہتا ہے اے افسوس! آدم کی اولاد کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور جنت کا مستحق ہو گیا، اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کر دیا اور میں ناپرجہم کا مستحق ہوا۔“

۱۔ اہل حدیث کے نزدیک ہندو آیتیں ہیں وہ سورہ الحج آیت،، پڑھی سجدہ کرتے ہیں۔ (اسلامی تعلیم دہم)

۲۔ امام ابوحنیفہ کے علاوہ بعض دوسرے علماء کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے۔

۳۔ ایسے الفاظ کو نمایاں کرنے کے لیے ان پر خط کھینچ دیا گیا ہے، دیکھیے سجدہ تلاوت کے مقامات صفحہ ۲۲۵

۴۔ صحیح مسلم، ابن ماجہ۔

سجدہ تلاوت کے مقامات

قرآن پاک میں ایسی آیتیں جن کے پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے کل پچودہ ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) سورۃ الاعراف آیت ۲۰۶۔

إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ
وَسُجُّدُهُمْ وَكَانَ يُسْجَدُونَ ۝

”بلاشبہ جو فرشتے آپ کے رب کے حضور تقرب کا مقام رکھتے ہیں وہ کبھی اپنی بڑائی کے غرور میں اگر اس کی بندگی بجالانے سے منہ نہیں موڑتے، وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز رہتے ہیں ۝“
(۲) سورۃ الرعد آیت ۱۵۔

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْ طَوْعًا وَكَرْهًا
وَذُلٌّ لَّهُمْ بِالْعُنَادِ ذَا الْأَصَالِ ۝

”اور اللہ ہی ہے جس کو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز چارونچار سجدہ کر رہی ہے، اور ان سب چیزوں کے سایے صبح و شام اس کے آگے جھکتے ہیں ۝“
(۳) سورۃ النحل آیت ۴۹، ۵۰۔

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ ذَابَّةٍ
وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ
وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝

”اور اللہ ہی کے حضور سجدہ ریز ہیں آسمانوں اور زمین کے سارے

ہاں دار اور فرشتے، اور وہ ہرگز (اس کی ہمدی سے) سرتابی نہیں کرتے، وہ اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے رہتے ہیں، اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے ۷

(۴) سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۰۹۔

وَيَخْشَوْنَ لِلَّهِ قَاتِلًا يُبْكُونُ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا

”اور وہ (قرآن سن کر) روتے ہوئے منہ کے بل گر جاتے ہیں اور ان کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے ۷

(۵) سورۃ مریم آیت ۵۸۔

إِذَا نَسِيتُ عَلَيْهِنَّ آيَاتِ الرَّحْمَنِ أَنْ يَنْسُوْنَ

”جب ان کو رہن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتیں تو وہ روتے ہوئے بھرے میں گر جاتے تھے ۷

(۶) سورۃ الحج آیت ۱۸۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُومِ وَالْجِبَالِ وَالشَّجَرِ وَالدَّوَابِّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ أَلَمْ يَرَهُنَّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مَّكْرٍ إِذْ أَوْفَّيْنَاهُنَّ مَا لَبِسْنَ

”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے حضور وہ ساری مخلوق سجدہ کرتی ہے، جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور سورج اور چاند اور تارے، اور پہاڑ، اور درخت، اور جانور اور بہت سے انسان، اور بہت سے وہ لوگ ہیں جن پر

خدا کا عذاب لازم ہو چکا ہے اور میں کو خدا ذلیل و خوار کر دے اُسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو پاتا ہے کرتا ہے ۵

(۷) سورۃ الفرقان آیت ۶۰۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ
الَّذِي نَسْجُدُ لَهُ مَا تَأْمُرُونَ أَدَّاهُمْ نَفْسًا ۖ

”اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس رحمن کو سجدہ کرو، تو جواب دیتے ہیں یہ رحمن کیا ہوتا ہے؟ کیا میں جسے تم کہہ دو اسی کو ہم سجدہ کرنے لگ جائیں، اور یہ دعوت ان کی نفرت اور بغض میں اٹھا اور اضاافہ کر دیتی ہے ۵

(۸) سورۃ النمل آیت ۲۵-۲۶

أَلَا يَسْجُدُ لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْأَ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ
وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۚ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سَرَابٌ
الْعَرِشِ الْعَظِيمِ ۝

”کہ وہ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے، اور وہ سب کچھ جانتا ہے جسے تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو، اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو عرش عظیم کا مالک ہے۔

(۹) سورۃ آلہ السجدہ آیت ۱۵

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا
وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۖ

”ہماری آیات پر تو بس وہ لوگ ایمان لاتے ہیں جنہیں یہ آیتیں سنا کر جب

یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور غرور میں آکر اس کی بندگی سے سزا پائی نہیں کرتے ۛ

(۱۰) سورہ صٰ آیت ۲۴-۲۵ .

وَحَرَّسَ الْكَافِرَ اَنَّا بَه فَغَفَرْنَا لَهُ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهُ عِنْدَنَا
لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَّآبٍ ۝

”اور کافر کو علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور رجوع کر لیا، تب ہم نے ان کا وہ قصور معاف کر دیا، اور یقیناً ہمارے ہاں ان کے لیے تقرب کا مقام اور بہتر انجام ہے ۛ

(۱۱) سورہ الحکم السجدہ آیت ۳۸-

فَاِذَا اسْتَغْبِثُوْا فَاَلَدْنَیْ عِنْدَ رَبِّكَ یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهٗ بِاللَّیْلِ
وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْتَمِیْنُوْا ۝

”اگر یہ لوگ غرور میں دین سے بے نیازی دکھائیں تو (کوئی پروا نہیں) جو فرشتے آپ کے رب کے حضور مقرب ہیں وہ شب و روز اس کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں اور کبھی نہیں تھکتے ۛ

(۱۲) سورہ النجم آیت ۶۲-

فَاَسْجُدْ وَابْتَغِ ۝

”پس السجدہ کو سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو ۛ

(۱۳) سورہ الشقاق آیت ۲۰-۲۱

فَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا قُرِیْ عَلَیْہِمْ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ۝

”تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے، اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔“

(۱۴) سورۃ العلق، آیت ۱۹

وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔

”اور سجدہ کرو اور خدا کا قرب حاصل کرو۔“

سجدہ تلاوت کی شرطیں

سجدہ تلاوت کی چار شرطیں ہیں۔

طہارت

جسم کا پاک ہونا، یعنی جسم نجاست غلیظہ سے بھی پاک ہو اور نجاست مکیہ سے بھی اگر وضو نہ ہو تو وضو کر لینا اور اگر غسل کی حاجت ہو تو غسل کر لینا ضروری ہے۔

لباس کا پاک ہونا۔

جائے نماز کا پاک ہونا۔

ستر چھپانا

قبلے کی طرف منہ کرنا۔

سجدہ تلاوت کی نیت کرنا۔

یعنی جو شرطیں نماز کی ہیں وہی سجدہ تلاوت کی ہیں اور یہی چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (انہیں چیزوں سے سجدہ تلاوت بھی فاسد ہو جاتا ہے۔

جمہور کا مسلک تو یہی ہے، لیکن بعض علماء کے نزدیک سجدہ تلاوت کے لیے (ہاتی برص) (۲۳)

لیکن یہ نیت کرنا شرط نہیں ہے کہ یہ سجدہ للال آیت کا ہے اور اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر کیا جائے تو نیت بھی شرط نہیں ہے۔

سجدہ تلاوت کا طریقہ

قبلہ رو کھڑے ہو کر سجدہ تلاوت کی نیت کرے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں جائے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲۹) با وضو ہونا ضروری نہیں۔ علماء اہل حدیث کے نزدیک با وضو سجدہ تلاوت کرنا افضل تر۔ لیکن بغیر وضو کیے بھی جائز ہے (اسلامی تعلیم حصہ دوم)
علامہ مودودی سجدہ تلاوت کی شرائطیں گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اس سجدے کے لیے جہور اپنی شرائط کے قائل ہیں جو نماز کی شرطیں ہیں، یعنی با وضو ہونا، قبلہ رخ ہونا، اور نماز کی طرح سجدے میں سر زمین پر رکھنا۔ لیکن جتنی احادیث سمجھو تلاوت کے باب میں ہم کو ملی ہیں ان میں کہیں ان شرطوں کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے، ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت سجدہ کسی کرشمہ شخص جہاں جس حال میں ہو جھک جائے۔ خواہ با وضو ہو یا نہ ہو، خواہ استقبال قبلہ ممکن ہو یا نہ ہو، خواہ زمین پر سر رکھنے کا موقع ہو یا نہ ہو۔ سلف میں بھی ہم کو ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جن کا عمل اس طریقے پر تھا۔ چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ وضو کے بغیر سجدہ تلاوت کرتے تھے۔ اور ابو عبد الرحمن سلمیٰ کے متعلق فتح الباری میں لکھا ہے کہ وہ راستہ چلتے ہوئے قرآن مجید پڑھتے جاتے تھے اور اگر کہیں آیت سجدہ آجاتی تو بس سر جھک کا لیتے تھے۔ خواہ با وضو ہوں یا نہ ہوں اور خواہ قبلہ رخ بھی ہوں یا نہ ہوں ان وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جہور کے مسلک کے خلاف عمل کرے تو اسے ملامت نہیں کی جاسکتی کیونکہ جہور کی تائید میں کوئی سنت ثابتہ موجود نہیں ہے اور سلف میں ایسے لوگ پائے گئے ہیں جن کا عمل جہور کے مسلک کے خلاف تھا۔ (تفہیم القرآن جلد دوم الاعراف حاشیہ ۱۵)۔

اور سجدہ کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہو، نہ قہر میں بیٹھنے کی ضرورت ہے اور نہ سلام پھیرنے کی۔

حضرت عبداللہ ابی سعودؓ کا ارشاد ہے جب تم سجدہ کی آیت پڑھو تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جاؤ اور جب سجدہ سے سر اٹھاؤ تو اللہ اکبر کہو۔ سجدہ تلاوت بیٹھے بیٹھے بھی کر سکتے ہیں لیکن کھڑے ہو کر سجدے میں جانا مستحب ہے۔

سجدہ تلاوت میں بُحَّانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے علاوہ دوسری مسنون تسبیحیں بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن فرض نمازوں میں سجدہ تلاوت کیا جاتے تو بُحَّانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔

پڑھنا بہتر ہے۔

البتہ نوافل میں اور نماز کے باہر آیت سجدہ پڑھے تو سجدہ تلاوت میں جو تسبیحیں چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ مثلاً یہ تسبیح پڑھ سکتے ہیں۔

سَجْدًا وَجْهًا لِلَّذِیْ خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرًا یَّحْوِلُهُ
وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ

”میرا چہرہ اس کے حضور سجدہ ریز ہے میں نے اُسے حسین پیدا کیا، اور اُس میں کان اور آنکھ وضع کیے۔ یہ سب اسی کی طاقت و قوت سے ہے۔ اللہ رفعت و برکت کا سرچشمہ ہے، جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔“

سجدہ تلاوت کے مسائل

- (۱) سجدہ تلاوت انہیں لوگوں پر واجب ہے جن پر نماز واجب ہے حیض و نفاس والی خاتون اور نابالغ بچے پر سجدہ تلاوت واجب نہیں، اور ایسے مدہوش پر بھی واجب نہیں ہے جس کی مدہوشی پر ایک دن رات سے زیادہ گزر چکا ہو۔
- (۲) اگر سجدہ کی آیت نماز میں پڑھی ہے تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہے تاخیر کرنے کی اجازت نہیں اور اگر نماز کے باہر سجدہ کی آیت پڑھی تو بہتر یہی ہے کہ فوراً سجدہ کر لیا جائے لیکن تاخیر میں بھی کوئی حرج نہیں۔ البتہ بلا وجہ زیادہ تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔
- (۳) اگر نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی ہے تو یہ سجدہ اسی نماز میں ادا کرنا واجب ہے، نہ نماز کے باہر ادا کرنا جائز ہے اور نہ کسی دوسری نماز میں یہ سجدہ ادا کرنا جائز ہے، اگر کوئی آیت سجدہ پڑھ کر اس نماز میں سجدہ کرنا بھول جائے تو اس کی تلافی کی شکل اس کے سوا کچھ نہیں کہ توبہ و استغفار کرے ہاں اگر یہ نماز فاسد ہو جائے تو یہ سجدہ نماز کے باہر ادا کیا جاسکتا ہے۔
- (۴) اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو یا پڑھا رہا ہو اور کسی دوسرے سے آیت سنے چاہے وہ دوسرا آدمی نماز میں پڑھ رہا ہو یا نماز کے باہر تو اس سننے والے نمازی یا امام پر نماز کی حالت میں سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے، نماز سے فارغ ہو کر سجدہ تلاوت ادا کرے اور اگر نماز ہی میں یہ سجدہ ادا کر لیا، تو سجدہ بھی ادا نہ ہوگا اور نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔
- (۵) جو مقتدی نے سجدہ کی آیت پڑھی تو نہ امام پر سجدہ واجب ہے اور نہ مقتدی پر۔

(۶) کسی نے امام سے سجدہ کی آیت سنی لیکن وہ اس وقت جماعت میں شامل ہوا جب امام سجدہ ادا کر چکا تھا۔ اب اگر اس کو وہ رکعت مل گئی جس میں امام نے سجدہ تلاوت ادا کیا ہے تو گویا اس کا سجدہ بھی ادا ہو گیا۔ اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا ہے تو پھر نماز کے بعد اس کو سجدہ ادا کرنا چاہیئے۔

(۷) اگر کوئی شخص دل میں سجدہ کی آیت پڑھے، زبان سے نہ پڑھے یا صرف بکھٹے، یا ایک ایک صحت الگ الگ کر کے پڑھے تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔

(۸) اگر ایک ہی جگہ پر سجدہ کی ایک ہی آیت بار بار پڑھی تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ اور اگر کئی آیتیں پڑھیں تو جتنی آیتیں پڑھیں اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے اور ایک ہی آیت کئی مجلسوں میں پڑھی تو جتنی مجلسوں میں پڑھی اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔

(۹) تلاوت کے وقت اگر سننے والے سب با وضو بیٹھے ہوں اور سجدہ کر سکتے ہوں تو سجدہ کی آیت زور سے پڑھنی بہتر ہے لیکن بے وضو بیٹھے ہوں یا سجدہ کرنے کی گنجائش نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدہ کی آیت آہستہ پڑھی جائے ہو سکتا ہے کہ دوسرے وقت یہ لوگ سجدہ کرنا بھول جائیں اور گنہگار ہوں۔

(۱۰) سجدہ کی آیت سے پہلے اور بعد کی آیتوں کو پڑھنا، اور سجدہ کی آیت کو چھوڑ دینا، یا پوری سورت پڑھنا اور سجدہ کی آخری آیت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے۔

(۱۱) سری نمازوں میں ایسی صورت نہ پڑھنی چاہیئے جس میں سجدہ ہو اور اسی طرح جمعہ، عیدین یا کسی اور ایسی نماز میں جہاں غیر معمولی مجمع ہو۔ اس لیے کہ مقتدیوں

کو اشتباہ ہوگا اور نماز میں خلل پڑے گا۔ ۱۵

(۱۲) بعض نادانانہ لوگ قرآن پڑھتے پڑھتے آیت سجدہ پر پہنچتے ہیں تو اسی قرآن پر سجدہ کر لیتے ہیں، اس طرح سجدہ ادا نہیں ہوتا، سجدہ تلاوت اسی طریقہ سے ادا کرنا چاہیئے جو اوپر بتایا گیا ہے۔



جب آدمی کوئی اچھی خبر سنے، یا خدا کی رحمت سے کوئی بڑی نعمت پائے یا کسی معاملہ میں کامیابی حاصل ہو، یا کوئی تمنا اور آرزو پوری ہو جائے، یا کوئی آفت اور مصیبت ٹل جائے، تو خدا کے اس فضل و کرم پر سجدہ شکر ادا کرنا مستحب ہے لیکن یہ سجدہ نماز کے فوراً بعد نہ کرنا چاہیے ورنہ نادائق لوگ یا تو اس کو نماز کا حصہ تصور کرنے لگیں گے یا اس کو سنت قرار دے کر اہتمام کرنے لگیں گے۔ یہ نماز سے الگ ایک سجدہ ہے اس لیے اس کو اس طرح ادا کرنا چاہیے کہ کسی کو کوئی شبہ نہ ہو حضرت ابو بکرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی قسم کی خوشی حاصل ہوتی، یا کوئی خوش خبری ملتی تو آپ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ فرماتے تھے۔

بعض نادائق لوگ وتر کی نماز کے بعد دو سجدے کرتے ہیں اور اس کو سنت سمجھتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، اس کو سنت سمجھ کر ادا کرنا مکروہ ہے اور چونکہ اس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اس لیے اس کو ترک کرنا بہتر ہے۔



اعتکاف کے معنی

لغت میں کسی جگہ میں بند ہونے یا کسی مقام پر ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف سے مراد یہ ہے کہ آدمی دنیوی تعلقات و مصروفیات اور بیوی بچوں سے الگ ہو کر مسجد میں قیام کرے۔

اعتکاف کی حکمت

اعتکاف یہی تو ہے کہ آدمی دنیوی کاروبار اور تعلقات سے کٹ کر، اور گھریلو مصروفیات اور نفسانی خواہشات سے بے تعلق ہو کر، فکر و عمل کی ساری قوتوں کو خدا کی یاد اور عبادت میں لگا دے، اور سب سے الگ تھلگ ہو کر خدا کے پردے میں جا بیسے، اس عمل سے ایک طرف تو آدمی ہر طرح کی لغو باتوں اور برائیوں سے محفوظ رہے گا، دوسری طرف خدا سے اس کا تعلق مضبوط ہوگا۔ اس کا قرب حاصل ہوگا اور اس کی یاد اور عبادت سے قلب و روح کو سکون اور سرور محسوس ہوگا اور چند دن کی تربیت کا یہ عمل اس کے دل پر یہ گہرا اثر چھوڑے گا کہ دنیا میں اپنے چاروں طرف ہر طرح کی رنگینیاں اور دل کشیاں دیکھنے کے باوجود خدا سے تعلق مضبوط رکھے، خدا کی نافرمانی سے بچے اور اس کی اطاعت میں قلب و روح کا سکون و سرور

تلاش کرے۔ اور پوری زندگی خدا کی بندگی میں گزارے۔

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔ واجب، مستحب، سنت مؤکدہ۔

اعتکاف واجب

نذر کا اعتکاف واجب ہے کسی نے جو نہی اعتکاف کی نذر مانی یا کسی شرط کے ساتھ مانی مثلاً یہ کہا کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہو گیا یا میرا فلاں کام پورا ہوا تو میں اعتکاف کروں گا تو یہ اعتکاف واجب ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

اعتکاف مستحب

رمضان کے اخیر عشرے کے علاوہ جو بھی اعتکاف کیا جاتا ہے وہ مستحب ہے۔
ہا ہے رمضان کے پہلے اور دوسرے عشرے میں کیا جائے یا کسی اور مہینے میں۔

اعتکاف سنت مؤکدہ

رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ کفایہ ہے یعنی مسلمانوں کو بحیثیت اجتماعی اس سنت کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ احادیث میں اس کی انتہائی تاکید کی گئی ہے، خود قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے۔

وَلَا تَبَايَسُوا زُهْنَ وَاَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ (البقرہ: ۱۸۷)

”اور اپنی عورتوں سے نہ ملو جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو۔“

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پابندی کے ساتھ ہر سال اعتکاف فرماتے تھے وفات تک آپ کا یہی معمول رہا اور ایک سال کسی وجہ سے آپ اعتکاف نہ کر سکے تھے تو

دوسرے سال آپ نے بیس دن تک اعتکاف فرمایا۔ اس لیے اگر مسلمان اس سنت کو اجتماعی طور پر چھوڑ دیں گے تو سب ہی گنہگار ہوں گے اور اگر بستی کے کچھ افراد بھی اس سنت کا اہتمام کر لیں تو چوتھ تک یہ سنت کفایہ ہے اس لیے چند افراد کا اعتکاف سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا لیکن یہ بات انتہائی تشویش کی ہوگی کہ پورا مسلمان معاشرہ اس سے بے پروائی کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبوب سنت بالکل ہی مٹ جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان ہے کہ:-

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے

تھے۔ وفات تک آپ کا یہی معمول رہا، اور آپ کے بعد آپ کی ازواج اعتکاف کا اہتمام کرتی رہیں۔“

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:-

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے

تھے، ایک سال آپ اعتکاف نہ فرما سکے، تو اگلے سال آپ نے بیس دن کا

اعتکاف فرمایا۔“

افضل ترین اعتکاف

سب سے افضل اعتکاف وہ ہے جو خانہ کعبہ یعنی مسجد الحرام میں کیا جائے اس

لے بخاری، مسلم۔

لے جامع ترمذی۔

کے بعد وہ اعتکاف جو مسجد نبویؐ میں کیا جائے۔ اور اس کے بعد اس اعتکاف کا درجہ ہے جو بیت المقدس میں کیا جائے، اس کے بعد وہ اعتکاف افضل ہے جو کسی جامع مسجد میں کیا جائے جہاں باقاعدہ جماعت سے نماز ہوتی ہو، اور اگر جامع مسجد میں نماز باجماعت کا نظم نہ ہو تو محلہ کی مسجد میں جہاں نماز باجماعت کا اہتمام ہو، اور اس کے بعد ہر اس مسجد میں اعتکاف افضل ہے جہاں نماز باجماعت میں زیادہ لوگ شریک ہوتے ہوں۔

اعتکاف کی شرطیں

اعتکاف کی تین شرطیں ہیں، جن کے بغیر اعتکاف صحیح نہیں۔

(۱) مسجد میں قیام

مردوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں اعتکاف کریں۔ چاہے اس مسجد میں پنجوقتہ نماز باجماعت کا اہتمام ہو یا نہ ہو بلکہ مسجد میں قیام کے بغیر مردوں کا اعتکاف صحیح نہیں۔

(۲) نیت

نیت جس طرح دوسری عبادات کے لیے شرط ہے اسی طرح اعتکاف کے لیے بھی شرط ہے، نیت کے بغیر اعتکاف نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص یونہی نیت کیے بغیر مسجد

۱۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو یہ ضروری ہے کہ جماعت والی مسجد میں اعتکاف کیا جائے لیکن امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف درست ہے اور اس زمانہ میں اسی پر فتویٰ ہے۔ (رد المحتار)

میں ٹھہرا رہا، تو یہ ٹھہرنا اعتکاف نہ ہوگا۔ پھر یہ ظاہر ہی ہے کہ عبادت کی نیت اسی وقت صحیح ہے جب نیت کرنے والا مسلمان ہو اور ہوشمند بھی ہو، ورنہ اس نے اور مجنون کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۳) حدیث اکبر سے پاک ہونا

یعنی مرد اور خواتین حالت جنابت سے پاک ہوں اور خواتین حیض و نفاس سے پاک ہوں۔

(۴) روزہ

۱۰ اعتکاف میں روزے سے رہنا بھی شرط ہے، البتہ یہ صرف اعتکاف واجب کے لیے شرط ہے، اعتکاف مستحب میں روزہ شرط نہیں اور اعتکاف مسنون میں روزہ اس لیے شرط نہیں ہے کہ وہ تو رمضان میں ہوتا ہی ہے۔

اعتکاف کے احکام

(۱) اعتکاف واجب کم سے کم ایک دن بھر کا ہو سکتا ہے، اس سے کم کا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اعتکاف واجب میں روزے سے رہنا ضروری ہے۔

(۲) اعتکاف واجب میں روزے سے ہونا ضروری تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ روزہ خاص اعتکاف کی غرض سے ہی رکھا گیا ہو، مثلاً کوئی شخص رمضان میں اعتکاف کی نذر مانے تو یہ اعتکاف صحیح ہوگا اور رمضان کا روزہ اعتکاف کے لیے کافی ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اعتکاف میں جو روزہ رکھا ہے وہ واجب ہو نفلی روزہ نہ ہو۔

(۳) اعتکاف واجب میں کم سے کم مدت ایک دن ہے اور زیادہ کی کوئی قید نہیں جتنے دن کی چاہے نیت کر لے۔

(۴) اعتکاف مستحب کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں، چند منٹ کا اعتکاف بھی صحیح ہے۔

(۵) اعتکاف واجب کے لیے چونکہ روزہ شرط ہے اس لیے اگر کوئی شخص روزہ نہ رکھنے کی نیت کر لے تب بھی اس کے لیے روزہ رکھنا لازم ہے، اور اسی لیے اگر کوئی شخص صرف شب کے اعتکاف کی نیت کرے گا تو وہ لغو بھی جائے گی۔

(۶) اگر کوئی شخص شب و روز کے اعتکاف کی نیت کرے یا کئی دن کے اعتکاف کی نیت کرے تو اس میں شب داخل سمجھی جائے گی اور شب میں بھی اعتکاف کرنا ضروری ہوگا۔ ہاں اگر ایک ہی دن کے اعتکاف کی نذر ہو تو پھر صرف دن بھر کا اعتکاف ہی واجب ہوگا۔ شب کا اعتکاف واجب نہ ہوگا۔

(۷) خواتین کو اپنے گھر میں اعتکاف کرنا چاہیے، خواتین کے لیے کسی مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے، خواتین گھر میں امام طور پر جس جگہ نماز پڑھتی ہوں اسی مقام پر پردہ وغیرہ ڈال کر اعتکاف کے لیے مخصوص کر لینا چاہیے۔

(۸) رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف چونکہ سنت مؤکدہ کفایہ ہے اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ بستی میں کچھ لوگ ضرور اس کا اہتمام کریں، اگر اس سنت کے اہتمام سے ایسی غفلت برتی گئی کہ بستی میں کسی نے ابھی اعتکاف نہ کیا تو بستی کے سارے ہی لوگ گنہ گار ہوں گے۔

(۹) اگر اعتکاف واجب کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو اس کی قضا واجب

ہے، البتہ اعتکاف مسنون اور اعتکاف مستحب کی قضا واجب نہیں۔

اعتکاف مسنون کا وقت

اعتکاف مسنون کا وقت رمضان کی میں تاریخ کو غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور عید کا چاند نظر آتے ہی ختم ہو جاتا ہے، چاہے چاند ۲۹ رمضان کو نظر آئے یا ۳۰ رمضان کو ہر حال میں اعتکاف مسنون پورا ہو جائے گا۔

اعتکاف کرنے والا ۲۰ رمضان کو غروب آفتاب سے ذرا پہلے مسجد میں پہنچ جائے اور اگر کوئی خاتون ہو تو اسی وقت گھر میں اُس خاص جگہ پہنچ جائے جو اس نے گھر میں نماز پڑھنے کے لیے بنا رکھی ہو اور عید کا چاند نظر آنے تک اپنے معتکف کے باہر نہ نکلے، البتہ کسی طبیعی ضرورت مثلاً پیشاب پانہلنے یا غسل جنابت وغیرہ یا شرعی ضرورت مثلاً نماز جمعہ وغیرہ کے لیے معتکف کے باہر جانا جائز ہے۔ لیکن ضرورت الہدی ہونے کے بعد فوراً واپس اپنے معتکف میں پہنچ جانا ضروری ہے۔

اعتکاف واجب کا وقت

اعتکاف واجب کے لیے چونکہ روزہ شرط ہے اس لیے اس کا کم سے کم وقت ایک دن ہے، ایک دن سے کم چند گھنٹے کے لیے اعتکاف کی نذر ماننا۔ یعنی ہے اس لیے کہ روزے کا وقت طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک ہے۔

اعتکاف مستحب کا وقت

فعلی اعتکاف کسی بھی وقت ہو سکتا ہے، نہ اس کے لیے روزہ شرط ہے، اور نہ کوئی خاص جہیزہ اور وقت جب بھی آدمی مسجد میں ہو، اعتکاف مستحب کی نیت کر سکتا ہے اور مسجد میں چاہے چند لمحے ہی قیام رہے اعتکاف کا اجر و ثواب ملے گا۔

حالتِ اعتکاف میں مستحب امور

ذکر و فکر کرنا، دینی مسائل اور معلومات پر غور کرنا، تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنا۔

قرآن پاک کی تلاوت کرنا، قرآن میں تدبر کرنا۔

درود شریف یا دوسرے اذکار کا اہتمام کرنا۔

دینی علوم پڑھنا پڑھانا۔

وعظ و تبلیغ اور نصیحت و تلقین میں مصروف ہونا۔

دینی تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف ہونا۔

وہ امور جو اعتکاف میں جائز ہیں

(۱) پیشاب اور قضا کے لیے اپنے معتکف سے باہر جانا جائز ہے، مگر یہ لحاظ ہے کہ یہ ضروری نہیں اس جگہ پوری کی جائیں جو معتکف سے قریب ہو، اگر مسجد سے قریب کوئی جگہ نہ ہو یا جگہ تو ہو لیکن بے پردگی یا گندگی کی وجہ سے ضرورت رفع نہ ہو تو پھر اپنے گھر رفع حاجت کے لیے جانے کے اجازت ہے۔

(۲) غسل جنابت کے لیے بھی معتکف سے باہر جانے کی اجازت ہے۔ ہاں اگر مسجد میں غسل کا انتظام ہو تو پھر مسجد ہی میں غسل کرنا چاہیے۔

(۳) کھانے کے لیے بھی مسجد سے باہر جانا جائز ہے اگر کوئی کھانا لائے والا نہ ہو۔ اور اگر کھانا لائے والا ہو تو پھر مسجد ہی میں کھانا ضروری ہے۔

(۴) جمعہ اور عیدین کی نماز کے لیے بھی معتکف سے باہر جانا جائز ہے اور کسی ایسی مسجد میں اعتکاف کیا ہو جہاں جماعت نہ ہوتی ہو تو پنجوقتہ نماز کے لیے جانا بھی

جائز ہے۔

(۵) کہیں آگ لگ جائے یا کوئی شخص کنوئیں میں ڈوب رہا ہو یا کوئی کسی کو قتل کر رہا ہو یا مسجد گر جانے کا خوف ہو تو ان صورتوں میں معتکف سے باہر آنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، لیکن اعتکاف بہر حال ٹوٹ جائے گا۔

(۶) اگر کوئی شخص کسی طبعی ضرورت مثلاً قضاے حاجت کے لیے معتکف سے نکلا یا شرعی ضرورت مثلاً نماز جمعہ کے لیے نکلا اور اس دوران اس نے کسی مریض کی عیادت کی یا نماز جنازہ میں شریک ہو گیا تو کوئی ہرج نہیں۔

(۷) کسی بھی شرعی یا طبعی ضرورت کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے لیکن ضرورت پوری کر لینے کے بعد فوراً معتکف میں واپس آجائے۔

(۸) جمعہ کی نماز کے لیے اتنی دیر پہلے جانا کہ اطمینان سے تحیتہ المسجد اور جمعہ کی سنتیں پڑھ لی جائیں اور جمعہ کی نماز کے بعد اتنی دیر ٹھہرنا کہ اطمینان سے بعد کی سنتیں ادا کر لی جائیں جائز ہے اور اس وقت کا اندازہ معتکف کی رائے پر ہے۔

(۹) اگر کوئی شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے یا کوئی زبردستی معتکف سے باہر روک لیا جائے تب بھی اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

(۱۰) اگر کسی کو کوئی قرض خواہ باہر روک دے یا وہ شخص خود بیمار ہو جائے اور معتکف تک پہنچنے میں تاخیر ہو جائے تب بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

(۱۱) اگر کوئی خرید و فروخت کرنے والا نہ ہو اور گھر میں کھانے کو نہ ہو تو یہ جائز ہے کہ معتکف بقدر ضرورت خرید و فروخت کرے۔

(۱۲) اذان دینے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا بھی جائز ہے۔

(۱۳) اگر کسی محکم نے اعتکاف کی نیت کرتے وقت یہ نیت کر لی تھی کہ نماز جنازہ کے لیے جاؤں گا تو نماز جنازہ کے لیے نکلنا جائز ہے اور نیت نہیں کی تھی تو جائز نہیں۔

(۱۴) حالت اعتکاف میں کسی کو کوئی دینی یا طبی مشورہ دینا، نکاح کرنا، سونا، اور آرام کرنا جائز ہے۔

وہ امور جو اعتکاف میں ناجائز ہیں

(۱) حالت اعتکاف میں جنسی لذت حاصل کرنا، یا عورت سے بوس و کنار کرنا، ناجائز ہے، البتہ بوس و کنار وغیرہ سے اگر انزال نہ ہو تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔
(۲) حالت اعتکاف میں کسی دنیوی کام میں مشغول ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ مجبوری کی حالت میں جائز ہے۔

(۳) حالت اعتکاف میں بالکل خاموش بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے، ذکر و فکر یا تلاوت وغیرہ میں مشغول رہنا چاہیئے۔

(۴) مسجد میں خربہ و فروخت کرنا، یا لڑنا جھگڑنا، غیبت کرنا یا اور کسی طرح کی بے ہودہ باتوں میں مصروف ہونا سب مکروہ ہے۔

(۵) کسی طبی اور شرعی ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر جانا یا طبی اور شرعی ضرورت سے باہر نکلنا اور پھر باہر ہی ٹھہر جانا جائز نہیں ہے اور اس سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

لیلۃ القدر

رمضان کے آخری عشرے میں ایک رات ہے جس کو قرآن نے ”لیلۃ القدر“ اور ”لیلۃ مبارکۃ“ کہا ہے اور اس کو ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا ہے، قرآن کا ارشاد ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ - (الدخان: ۳۱)

”بے شک ہم نے اس (قرآن) کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے“
دوسری جگہ ارشاد ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (القدر: ۱)

”بے شک ہم نے اس (قرآن) کو قدر و عظمت والی رات میں نازل کیا ہے“
جانتے ہو لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ

بہتر ہے۔

لیلۃ القدر کے معنی

قدر کے دو معنی ہیں۔

(۱) اندازہ کرنا، وقت متعین کرنا اور فیصلہ کرنا، یعنی لیلۃ القدر وہ رات

ہے جس میں خدا ہر چیز کا صحیح اندازہ فرماتا ہے اس کا وقت معین کرتا ہے۔ احکام نازل فرماتا ہے، اور ہر چیز کی تقدیر مقرر فرماتا ہے۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا۔ (الدخان ۵۴)

”اس رات میں تمام معاملات کے نہایت محکم فیصلے صادر کیے جاتے ہیں ہمارے یہاں سے حکم ہو کر۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ

أَمْرٍ۔ (القدر ۴)

”اس میں ملائکہ اور روح (یعنی جبریل امین) کا نزول ہوتا ہے جو اپنے

رب کے حکم سے تمام امور انجام دینے کے لیے اترتے ہیں۔“

(۲) قدر کے دوسرے معنی ہیں عظمت اور بزرگی۔ یعنی لیلۃ القدر وہ

رات ہے جس کو خدا کے نزدیک بڑی عظمت اور فضیلت حاصل ہے اور اس کی

قدر و عظمت کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ خدا نے اس میں قرآن عظیم نعمت نازل

فرمائی۔ اس سے زیادہ عظیم تر نعمت کا نہ انسانی تصور کر سکتا ہے نہ آرزو۔ اسی خیر و

برکت اور عظمت و فضیلت کی بنا پر قرآن نے اس کو ایک ہزار مہینوں سے زیادہ

افضل قرار دیا ہے۔

لیلۃ القدر کی تعیین

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں

سے کوئی رات ہے، یعنی اکیسویں، تیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، اور اکتیسویں

راتوں میں سے کوئی رات ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

”لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں

تلاش کرو۔“

اس رات کی واضح تعیین نہ کرنے کے باوجود اس میں حکمت یہ ہے کہ رمضان کے اس پورے عشرے میں خاص طور سے ذکر و عبادت کا زیادہ اہتمام کیا جائے چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں عبادت

و ذکر کا وہ اہتمام فرماتے تھے جو دوسرے ایام میں نہ فرماتے تھے۔“

اس شب میں زیادہ سے زیادہ قیام و سجود اور ذکر و تسبیح کی ترغیب دیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”جب لیلۃ القدر آتی ہے تو جبریل ملائکہ کے جھرمٹ میں زمین پر اترتے

ہیں اور ہر اس بندے کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا

خدا کی یاد اور عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔“

اور ارشاد فرمایا:-

۱۔ صحیح بخاری۔

۲۔ صحیح مسلم۔

۳۔ شعب الایمان بیہقی۔

”لوگو! تم پر ایک جہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، وہ سارے کے سارے خیر سے محروم رہ گیا۔ اور اس شب کی غیر و برکت سے وہی محروم رہتا ہے جو دُعا سے محروم ہے۔“

لیلۃ القدر کی خاص دعا

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، یا رسول اللہ! اگر کسی طرح مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے، تو بتائیے میں اس رات میں خدا سے کیا دعا کروں؟ ارشاد فرمایا: یہ پڑھو۔
 اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعُصُوْفَا عَفِّ عَنِّيْ۔
 ”اے اللہ تو بہت ہی معاف فرمانے والا اور بڑے ہی کرم والا ہے، معاف کر دینا تجھے پسند ہے، پس تو میری خطاؤں کو معاف فرما دے۔“

صدقہ فطر کے احکام

مسلمانوں پر جس سال روزے فرض ہوئے اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ صدقہ فطر بھی ادا کریں خدا کی فرض کی ہوئی عبادتوں کو بندہ تمام آداب و شرائط کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام تو کرتا ہے لیکن پھر بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، روزے میں انسان سے جو کوتاہیاں ہو جاتی ہیں ان کی تلافی کے لیے شریعت نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ رمضان کے آخر میں صدقہ فطر ادا کریں۔ اس سے ان کی کوتاہیوں اور لغزشوں کی تلافی بھی ہوگی اور نادار مسلمان فراخی اور اطمینان کے ساتھ اپنے کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں بھی فراہم کر کے تمام مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز میں شریک ہو سکیں گے۔

ہر خوشحال مسلمان جس کے پاس اپنی ضرورتوں سے زیادہ اتنا مال ہو جس کی قیمت بقدر نصاب ہو جائے خواہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہو یا نہ ہو، اس کو صدقہ فطر ادا کرنا چاہیئے۔ صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

صدقہ فطر عید سے دو ایک روز پہلے ہی ادا کر دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ نماز عید سے پہلے تو ادا کر ہی دینا چاہیئے۔ نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا مستحب

اگر گے ہوں دینا ہو تو ایک سیر تین چھٹانک دے۔
 اور سچ یا جو کا آٹا دینا ہو تو دو سیر چھ چھٹانک دے۔
 چھو بارے یا منقے دینا چاہے تو وہ بھی دو سیر چھ چھٹانک دینا ہوں گے۔
 صدقہ فطراہی لوگوں کو دینا چاہیے سچی کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ ۱۷



حج کا بیان

حج اسلام کا پانچواں اہم رکن ہے۔ حج کا ایک ایمان افروز تاریخی پس منظر ہے، جس کو نگاہ میں رکھے بغیر حج کی عظمت و عظمت اور اصل مقصود کو سمجھنا ممکن نہیں، کفر و شرک کے طاقتور ماحول میں گھرے ہوئے ایک بندہ مومن نے توحید خالص کا اعلان کیا اور باطل کی چھائی ہوئی ظالم طاقتوں اور گوناگوں رکاوٹوں کے باوجود، ایمان و تقویٰ، خلوص و لہبت، عشق و محبت، جاں نثاری اور فداکاری، ایثار و قربانی، بے آمیز اطاعت اور کامل سپردگی کے بے مثال جذبات و اعمال سے اسلام کی مکمل تاریخ تیار کی اور توحید و اخلاص کا ایک ایسا مرکز تعمیر کیا کہ رہتی زندگی تک انسانیت کو اس سے توحید کا پیغام ملتا رہے۔

اسی تاریخ کو تازہ کرنے اور انہی جذبات سے دلوں کو گرمانے کے لیے ہر سال دور دراز سے توحید کے پر دانے اس مرکز پر جمع ہو کر وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کے پیشوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا، ذوقیڑوں میں ملبوس کبھی بیت اللہ کا والہانہ طواف کرتے ہیں، کبھی صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر دوڑتے نظر آتے ہیں، کبھی عرفات میں کھڑے اپنے خدا سے مناجات کرتے

ہیں، کبھی قربان گاہ میں جانور ذبح کے ننگے پر چھری پھیر کر اپنے خدا سے
 عہدِ محبت استوار کرتے ہیں۔ اولاً ٹھٹھے بٹھٹتے: صبح و شام ایک ہی صدا سے
 حرم کی پوری فضا گونجتی ہے،

”اے اللہ تیرے دربار میں تیرے غلام حاضر ہیں، تعریف و حمد تیرا ہی

حق ہے، احسان کرنا تیرا ہی کام ہے، تیرے اقتدار میں کوئی دوسرا شریک
 نہیں۔“

در اصل انہی کیفیات کو پیدا کرنے اور پورے طور پر خود کو اللہ کے حوالے
 کرنے ہی کا نام حج ہے۔

حج کے معنی

حج کے لغوی معنی ہیں، زیارت کا ارادہ کرنا، اور شریعت کی اصطلاح
 میں حج سے مراد وہ جامع عبادت ہے جس میں مسلمان بیت اللہ پہنچ کر کچھ مخصوص
 اعمال اور عبادات کرتا ہے چونکہ حج میں مسلمان بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کرتا
 ہے اس لیے اس کو حج کہتے ہیں۔

حج ایک جامع عبادت

اسلامی عبادات دو طرح کی ہیں، ایک بدنی عبادات جیسے نماز روزہ، اور ایک
 مالی عبادات جیسے صدقہ و زکوٰۃ وغیرہ۔ حج کا امتیاز یہ ہے کہ وہ مالی عبادت بھی
 ہے اور بدنی عبادت بھی۔ دوسری مستقل عبادات سے، غلوس و تقویٰ، عجز و احتیاج،
 بندگی اور اطاعت، قربانی اور ایثار، فدائیت اور سپردگی، اثابت اور عبدیت کے
 جو مذہبات الگ الگ نشوونما پاتے ہیں، حج کی جامعیت یہ ہے کہ اس میں

بیک وقت یہ سارے جذبات، سرِ سیفات پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہیں۔
 نماز جو دین کا سرچشمہ ہے اس کی اقامت کے لیے روئے زمین پر جو سب
 سے پہلی مسجد تعمیر ہوئی، حج میں مومن اسی مسجد کے گرد والہانہ طواف کرتا ہے، اور
 عمر بھر دور دراز سے جس گھر کی طرف رُخ کر کے مومن نماز پڑھتا رہا ہے، حج میں
 مومن کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے کہ وہ عین اس مسجد میں کھڑے ہو کر نماز ادا
 کرتا ہے۔

روزہ جو نفس و اخلاق کے تزکیہ کا مؤثر اور لازمی ذریعہ ہے، اور جس میں
 مومن مرغوباتِ نفس سے دور رہ کر صبر و ثبات کی قوتوں کو پروان چڑھاتا ہے
 اور خدا کی راہ کا سپاہی اور مجاہد بننے کی مشق بہم پہنچاتا ہے، حج میں احرام
 باندھنے کے وقت سے لے کر احرام کھولنے کے وقت تک اسی مجاہد سے میں
 شب و روز بسر کرتا ہے، اور قلب و روح سے ایک ایک نقش کھرچ کر صرف
 خدا کی محبت کا نقش بٹھاتا ہے، اور شب و روز توحید کی صدا لگا کر صرف توحید
 کا علمبردار بنتا ہے۔

صدقہ و زکوٰۃ میں اپنا دل پسند مال دے کر بندہ مومن اپنے دل سے
 زرِ پرستی کے رینگ جذبات دھوتا اور خدا کی محبت کے بیج بوتا ہے، حج میں
 بھی آدمی عمر بھر کا جمع کیا ہوا مال، محض خدا کی محبت میں دل کھول کر خرچ کرتا اور
 اس کی راہ میں قربانی کر کے اس سے عہد وفا استوار کرتا ہے، غرض یہ کہ حج کے
 ذریعے خدا سے والہانہ تعلق، نفس و اخلاق کا تزکیہ اور روحانی ارتقا کے سارے
 مقاصد بیک وقت حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ حج واقعی حج ہو، محض ارکان

حج ادا کرنے کا عمل نہ ہو۔

حج کی حقیقت

حج کی حقیقت دراصل یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کامل طور پر اپنے رب کے حوالے کر دے اور مُسَلِّم ضعیف بن جائے۔ حج کی سعادت درحقیقت خدا کی طرف سے اس بات کی توفیق ہے، کہ اصلاحِ سال کی تمام مستند کوششوں کے باوجود بندے کی زندگی میں جو بھی کمبوٹ اور نقص رہ جائے وہ ارکانِ حج اور مقاماتِ حج کی برکت سے دور ہو جائے اور وہ حج سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹے کہ گویا اس نے آج ہی جنم لیا ہے، ساتھ ہی حج حقیقتِ مال کی ایک کسوٹی بھی ہے کہ کس نے خدا کی اس توفیق سے واقعی فائدہ اٹھایا ہے اور کون موقعِ پانے کے باوجود محروم رہ گیا ہے، حج کے بعد کی زندگی اور اس کی سرگرمیاں واضح کر دیتی ہیں کہ کس کا حج واقعی حج ہے اور کون حج کے سارے ارکان ادا کرنے اور بہت اللہ کی زیارت کرنے کے باوجود حج کی سعادت سے محروم رہ گیا ہے۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حج کی توفیق پانے کے باوجود جو شخص اصلاحِ سال سے محروم رہ جائے، اس کے بارے میں بہت ہی کم توقع رہ جاتی ہے کہ کسی اور تدبیر سے اس کی اصلاحِ سال ہو سکے گی۔ اس لیے حج کا فریضہ ادا کرنے والے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنے جذبات و احساسات اور ارادوں کا اچھی طرح جائزہ لے اور حج کے ایک ایک رکن اور عمل کو پورے اخلاص اور شعور کے ساتھ ادا کر کے حج سے وہ کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرے جس کے لیے حج فرض کیا گیا ہے۔

حضرت بنید بغدادیؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جو بہت اللہ سے واپس آیا تھا لیکن اس کی زندگی ہر جگہ کی چھاپ نہیں پڑھ سکی تھی، آپ نے اس سے دریافت فرمایا، ”تم کہاں سے آرہے ہو؟“

”حضرت، حج بہت اللہ سے واپس آ رہا ہوں“ مسافر نے جواب دیا۔
 ”کیا تم حج کر چکے ہو؟“ حضرت نے حیرت سے دریافت کیا،
 ”جی ہاں، میں حج کر چکا ہوں“ مسافر نے جواب دیا۔

حضرت نے پوچھا ”جب تم حج کے ارادے سے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے اس وقت تم نے گناہوں سے بھی کنارہ کر لیا تھا یا نہیں؟“

”حضرت! میں نے اس طرح تو نہیں سوچا تھا“ مسافر نے جواب دیا۔
 ”تو پھر تم حج کے لیے نکلے ہی نہیں؟“ پھر دریافت فرمایا ”اس مبارک سفر میں تم نے جو جو منزلیں طے کیں اور جہاں جہاں راتوں کو مقام کیے تو کیا تم نے اس دوران قرب الہی کی منزلیں بھی طے کیں اور اس راہ کے مقامات بھی طے کیے؟“
 ”حضرت، اس کا تو مجھے دھیان بھی نہ تھا“ مسافر نے سادگی سے جواب دیا۔
 ”تو پھر تم نے نہ بیت اللہ کی طرف سفر کیا، اور نہ اس کی طرف کوئی منزل طے کی؟“ پھر دریافت فرمایا ”جب تم نے احرام باندھا، اور اپنے روزمرہ کے کپڑے اتارے، تو کیا تم نے اس کے ساتھ ہی اپنی بری عادتوں اور خصلتوں کو بھی اپنی زندگی سے اتار پھینکا تھا؟“

”حضرت اس طرح تو میں نے غور نہیں کیا تھا“ مسافر نے صاف جواب دیا۔
 ”پھر تم نے احرام بھی کہاں باندھا؟“ حضرت نے پُرسوز لہجے میں فرمایا پھر پوچھا

جب تم میدانِ عرفات میں کھڑے ہوئے، تو تمہیں مشاہدے کا کشف بھی حاصل ہوا یا نہیں؟
 ”حضرت میں سمجھا نہیں کیا مطلب؟“ مسافر نے کہا۔

”مطلب یہ ہے کہ تم نے میدانِ عرفات میں خدا سے مناجات کرتے وقت اپنے اندر یہ کیفیت بھی محسوس کی کہ گویا تم بار بار تمہارے سامنے ہے اور تم اسے دیکھ رہے ہو؟“

”حضرت یہ کیفیت تو نہیں تھی“ مسافر نے وضاحت کی۔

”پھر تو گویا تم عرفات میں پہنچے ہی نہیں؟“ حضرت نے پر حوصلہ لہجے میں کہا اور پھر دریافت فرمایا ”اچھا یہ بتاؤ جب تم مزدلفہ میں پہنچے تو وہاں تم نے اپنی نفسانی خواہشات کو بھی چھوڑا یا نہیں؟“

”حضرت میں نے اس پر تو کوئی توجہ نہیں کی“ مسافر نے جواب دیا۔

”تو پھر تم مزدلفہ بھی نہیں گئے؟“ حضرت نے فرمایا۔ اس کے بعد پوچھا ”اچھا یہ بتاؤ جب تم نے بیت اللہ کا طواف کیا تو اس دوران تم ہمال الہی کے جلوے اور کرشمے بھی دیکھے؟“

”حضرت اس سے تو میں محروم رہا“ مسافر نے کہا۔

”تو پھر تم نے طواف کیا ہی نہیں؟“ اور پھر دریافت فرمایا ”جب تم نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا اس وقت تم نے صفا اور مروہ اور ان کے درمیان سعی کی سکنت و حقیقت اور اس کے مقصود کو بھی پایا؟“

”حضرت اس کا تو مجھے شعور نہیں“ مسافر نے کہا۔

تو پھر تم نے ابھی سعی بھی نہیں کی ہے، پھر دریافت فرمایا جب تم

قربان گاہ میں پہنچ کر قربانی کے جانور کو قربان کیا، اس وقت تم نے اپنے نفس اور
اور اس کی خواہشات کو بھی راہِ خدا میں قربان کیا یا نہیں؟ ۷
”حضرت اس طرف تو میرا دھیان نہیں گیا ۷ مسافر نے کہا۔

”تو پھر تم نے قربانی بھی کہاں کی؟“ اس کے بعد حضرت جنیدؒ نے پوچھا ”اچھا
یہ کہو جب تم نے حجراتِ بد سگرز سے بچنے کو اس وقت تم نے اپنے بُرے عیشیں
اور بُرے ساتھیوں، اور بُری خواہشات کو بھی اپنے سے دور پھینک دیا یا نہیں؟“
”حضرت ایسا تو نہیں کیا ۷ مسافر نے سادگی سے جواب دیا۔

”تو پھر تم نے رمی بھی نہیں کی ۷ حضرت نے افسوس کے ساتھ کہا اور فرمایا
”سہاؤ، واپس سہاؤ، اور ان کیفیات کے ساتھ ایک بار پھر حج کرو۔ تاکہ حضرت
ابراہیمؑ کے ساتھ نسبت پیدا کر سکو، جن کے ایمان و وفا کا اعتراف کرتے ہوئے
قرآن نے شہادت دی ہے

وَابْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى - (البقرہ ۱۲۵)

”اور وہ ابراہیمؑ جس نے (اپنے رب سے) وفاداری کا حق ادا کر دیا ۷

حج کی عظمت و اہمیت

قرآن و سنت میں حج کی حکمت، دین میں حج کا مقام اور اس کی عظمت و
اہمیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ عَلَى النَّاسِ حَجُّ الْبَيْتِ مِمِّنْ اَسْطَاطَاۃٍ اِلَيْهِ سَبِيْلًا
وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ ۝

”لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے، اور جو اس حکم سے انکار و کفر کی روش اختیار کرے تو وہ جان لے کہ خدا جہاں والوں سے بے نیاز ہے۔“

اس آیت میں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے،

(۱) حج بندوں پر خدا کا حق ہے، جو لوگ بھی بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر فرض ہے کہ وہ خدا کا یہ حق ادا کریں۔ جو لوگ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے وہ ظالم خدا کا حق مارتے ہیں، آیت کے اسی فقرے سے حج کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج کی فرضیت کا اعلان اسی وقت ہوا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی، اور صحیح مسلم میں اسی مفہوم کی ایک روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے، پس حج ادا کرو۔“

(۲) دوسری اہم حقیقت جس کی طرف یہ آیت متوجہ کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کافرانہ روش ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا وَمَنْ كَفَرَ، جس طرح قرآن میں ترک صلوٰۃ کو ایک مقام پر مشرکانہ عمل قرار دیا گیا ہے، اسی طرح اس فقرے میں ترک حج کو کافرانہ رویہ قرار دیا گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

۱۔ جامع ترمذی کتاب الحج۔

۲۔ وَاقِبُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الروم آیت ۳۱)

”نازق قائم کر دو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔“

”جس شخص کے پاس حج کا ضروری سامان موجود ہو اور سواری ہمتا ہو جو اس کو خانہ خدا تک پہنچا سکے، اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر اور یہ اس لیے کہ خدا کا ارشاد

ہے، **وَاللّٰهُ عَلَى النَّاسِ حَجُّ الْبَيْتِ مِمَّنْ امْتَنَعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا** (آل عمران: ۹۷)

راوی کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کے مانند قرار دیا ہے تو یہ ایک ایسی مسلم حقیقت ہے کہ خود قرآن میں بھی ایسے لوگوں کو یہی وعید سنائی گئی، بطور حوالہ راوی نے آیت کا صرف ابتدائی حصہ پڑھا اور نہ جس وعید کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ آیت کے اس فقرے میں ہے،

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ (آل عمران: ۹۷)

”اور جو لوگ استطاعت کے باوجود کفر و انکار کی روش اختیار کریں وہ

جان لیں کہ خدا کو سامنے جہان کی پردا نہیں“

یعنی ترک حج کی کافرانہ روش اختیار کرنے والوں سے خدا بے نیاز ہے، اس کو ہرگز ایسے لوگوں کی پردا نہیں کہ وہ کس سال میں مرتے ہیں۔ یہ تنبیہ اور تہدید کا

لے حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کے مانند قرار دینے اور ناز نہ پڑھنے والوں کو مشرکوں کے عمل سے تشبیہ دینے میں حکمت یہ ہے کہ اہل کتاب حج کو بالکل ترک کر چکے تھے اور مشرکین حج تو کرتے تھے لیکن ناز کھو چکے تھے، اس لیے ترک صلوة کو مشرکانہ عمل قرار دیا گیا اور ترک حج کو یہود و نصاریٰ کا عمل بتایا۔

سخت ترین انداز ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جس سے خدا تعالیٰ بے زاری اور بے نیازی کا اظہار فرمائے، وہ ایمان و ہدایت سے کیونکر بہرہ مند ہو سکتا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، ”میرا پختہ ارادہ ہے کہ میں ان شہروں میں (جو اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے ہیں) کچھ لوگوں کو روانہ کروں جو جائزہ لے کر دیکھیں کہ کون لوگ حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہیں کر رہے ہیں پھر ان پر جزیہ مقرر کر دوں، یہ لوگ مسلم نہیں ہیں، یہ لوگ مسلم نہیں ہیں۔“

مسلم اس شخص کو کہتے ہیں جو کامل طور پر خود کو اللہ کے حوالے کر دے، اور حج کی حقیقت بھی یہی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے حوالے کر دے، پھر اگر یہ لوگ مسلم ہوتے تو حج کی سعادت سے کیوں محروم رہتے، اور استطاعت کے باوجود حج سے غفلت کیوں کر برتتے۔

حج کی فضیلت و ترغیب

حج کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترغیب دی ہے اور اس کی غیر معمولی فضیلت کو مختلف انداز سے واضح فرمایا کہ اس کا شوق دلایا ہے، آپ کا ارشاد ہے،

(۱) ”جو شخص بیت اللہ کی زیارت کے لیے آیا، پھر اس نے نہ تو کوئی

۱۔ حفاظتی ٹیکس جو غیر مسلم شہریوں سے ان کی جان و مال کی حفاظت کے بدلے میں وصول

کیا جاتا ہے۔

۲۔ المستفی۔

فحش شہوانی عمل کیا، اور نہ خدا کی نافرمانی کا کوئی کام کیا، تو وہ رگنا ہوں سے
ایسا پاک صاف ہو کر، لوٹے گا جیسا پاک صاف وہ اس دن تھا جس دن
اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔
اور آپ نے ارشاد فرمایا

(۲) حج اور عمرہ کرنے والے خدا کے مہمان ہیں، وہ اپنے (میزبان)
خدا سے دعا کریں تو وہ ان کی دعائیں قبول فرمائے اور وہ اس سے مغفرت
سہا ہیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔
اور ارشاد فرمایا

(۳) ”حج اور عمرہ بے ہر پے کرتے رہا کرو، کیونکہ حج اور عمرہ دلوں ہی
فقر و استیاج اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی، لوہے
اور سونے ہانڈی کے سیل کچیل کو صاف کر کے دور کر دیتی ہے، اور حج مبرور
کا اجر وصلہ تو بس جنت ہی ہے۔“

”حج مبرور سے مراد وہ حج ہے جو پورے اخلاص و شعور اور آداب و شرائط کے
ساتھ ادا کیا گیا ہو اور جس میں حج کرنے والے نے خدا کی نافرمانی سے بچنے کا پورا پورا
اہتمام کیا ہو، نیز آپ نے ارشاد فرمایا

۱۔ بخاری مسلم۔

۲۔ ابن ماجہ۔

۳۔ ترمذی، نسائی۔

(۴) ”جب کسی زائر حرم سے تہباری ملاقات ہو تو اس سے پہلے، کہ وہ اپنے گھر میں پہنچے اس کو سلام کرو، اور اس سے مصافحہ کرو، اور اس سے درخشا کر دو کہ وہ تہارے بیٹے خدا سے مغفرت کی دعا کرے اس لیے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔“

(۵) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ”حضور امیرِ اہم بھی کمزور ہے اور میرا دل بھی“ ارشاد فرمایا ”تم ایسا جہاد کیا کرو جس میں کانٹا بھی نہ لگے“ ساتی نے کہا ”حضرت! ایسا جہاد کون سا ہے جس میں کسی تکلیف اور گزند کا اندیشہ نہ ہو؟“ ارشاد فرمایا ”تم حج کیا کرتے؟“

(۶) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص میدانِ عرفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب ہی اپنی سواری پر تھا، کہ بیکایک سواری سے نیچے گرا اور انتقال کر گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو غسل دے کر احرام ہی میں دفن کر دو، یہ نیامت کے روز تلبیہ پڑھتا ہوا اُسٹھے گا۔ اس کا سر اور چہرہ کھلا رہنے دو۔“

۱۵ سند احمد۔

۱۶ طبرانی۔

۱۷ دیکھیے اصطلاحات صفحہ ۲۸۳۔

۱۸ بخاری، مسلم۔

(۷) حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام نے خدا سے التماس کی کہ پروردگار! جو بندے تیرے گھر کی زیارت کرنے آئیں ان کو کیا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے داؤد! وہ میرے مہمان ہیں، ان کا یہ حق ہے کہ میں دنیا میں ان کی خطائیں معاف کر دوں اور جیب دہ مجھ سے ملاقات کریں تو میں ان کو بخش دوں" ۷

واجب حج کی شرطیں

واجب حج کی شرطیں دس ہیں، ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو حج واجب نہ ہوگا۔

۱۔ اسلام

غیر مسلموں پر حج واجب نہیں ہو سکتا۔

۲۔ عقل

مجنون، دیوانے اور مضبوط الحواس شخص پر حج واجب نہیں۔

۳۔ بلوغ

نابالغ بچوں پر حج واجب نہیں، کسی خوشحال آدمی نے بچپن ہی میں بلوغ سے پہلے حج کر لیا تھا تو اس سے فرض نہ ادا ہوگا بالغ ہونے کے بعد پھر فرض ادا کرنا ہوگا، بچپن کا حج نفلی حج ہوگا۔

۴۔ استطاعت

حج کرنے والا خوشحال ہو اور اس کے پاس اپنی ضرورتِ اصلیہ اور قرض سے محفوظ اتنا مال ہو جو راستے کے مصارف کے لیے بھی کافی ہو، اور حج ہے واپس آنے تک اُس کے اُن متعلقین کے لیے بھی کافی ہو جن کا نان نفقہ شریعت کی رو سے اس پر واجب ہے۔

۵۔ آزادی

غلام اور باندہ می پر حج واجب نہیں۔

۶۔ جسمانی صحت

یعنی کوئی ایسی بیماری نہ ہو جس میں سفر کرنا ممکن نہ ہو۔ لہذا انگڑے، اپانچ، ناہینا اور زیادہ بوڑھے شخص پر خود حج کرنا واجب نہیں، البتہ دوسری تمام شرطیں پائی جائیں تو دوسرے سے حج کر سکتا ہے۔

۷۔ کسی ظالم و جابر حکمران کی جانب سے جان کا خوف بھی نہ ہو اور آدمی کسی کی قید و بند میں بھی نہ ہو۔

۸۔ راستے میں امن و امان ہو

اگر راستے میں جنگ چھڑی ہوئی ہو، جہاز ڈبوئے جا رہے ہوں، یا راستے میں ڈاکوؤں کا اندیشہ ہو، یا سمندریں ایسی کیفیت ہو کہ جہاز اور کشتی کے لیے خطرہ ہو یا اور کسی قسم کے خطرات ہوں تو ان تمام صورتوں میں حج واجب نہیں ہوتا البتہ ایسے شخص کو یہ وصیت کر جانا چاہیے کہ میرے بعد جب حالات سازگار ہوں تو میری جانب سے حج کر لیا جائے۔

یہ آٹھ شرطیں تو مرد اور عورت دونوں کے لیے ہیں، ان کے علاوہ دو شرطیں اور ہیں جو صرف خواتین کے لیے ہیں گویا خواتین پر حج واجب ہونے کے لیے دس شرطیں ہیں۔

۹۔ سفر حج میں شوہر یا محرم کی معیت:- اس شرط کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سفر تین شبانہ روز بے کم کا ہو تب تو خاتون کے لیے تنہا سفر کی اجازت ہے، لیکن سفر تین شبانہ روز سے زیادہ کا ہو تو پھر شوہر یا محرم کے بغیر سفر حج جائز نہیں ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ محرم مائل، بالغ، دیندار اور قابل اعتماد شخص ہو، نادان بچے یا فاسق ناقابل اعتماد شخص کے ساتھ سفر جائز نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خواتین کو دھوپ حج کی چوتھی شرط میں یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ سفر حج میں ساتھ جانے والے محرم کے مصارف سفر کی ذمہ داری بھی حج کو جانے والی خاتون پر ہی ہوگی۔

۱۰۔ جس خاتون کا شوہر نہ ہو اور کوئی ایسا محرم بھی نہ ہو جس کے ساتھ سفر حج میں جاسکے تو پھر وہ ان رفقاء سفر کے ساتھ سفر کر سکتی ہے، جن کی اخلاقی حالت قابل اطمینان ہو، یہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما کا مسلک ہے، اور قابل اطمینان رفقاء سفر کی تشریح امام شافعیؒ نے اس طرح فرمائی ہے، چند خواتین بھروسے کے قابل ہوں اور وہ اپنے محرموں کے ساتھ جا رہی ہوں تو ایک بے شوہر اور بے محرم خاتون ان کے ساتھ جاسکتی ہے، البتہ صرف ایک خاتون کے ساتھ اسے نہ جانا چاہیئے۔ امام شافعیؒ کی یہ رائے بڑی معتدل ہے اس میں ایک بے شوہر اور بے محرم خاتون کے لیے فریضہ حج کے ادا کرنے کی گنجائش بھی ہے اور اس فتنے کا احتمال بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے خاتون کے لیے بلا محرم سفر کی ممانعت ہے۔

۱۱۔ نفقۃ المحرم علیہا لانہا توسل بہ الی اور الحج، ہدایہ جلد اول۔

۱۰۔ حالت عدت میں نہ ہونا، خواہ عدت وفات کی ہو یا طلاق کی ہر
سال میں دو بار عدت حج واجب نہ ہوگا۔

صحّت حج کی شرطیں

صحّت حج کی چار شرطیں ہیں، ان شرائط کے ساتھ حج کیا جائے تو حج صحیح اور معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔

۱۔ اسلام

اسلام حج کے وجوب کی بھی شرط ہے اور صحّت کی بھی، اگر کوئی غیر مسلم حج کے ارکان ادا کر لے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو ایمان لانے کی توفیق بخش دے تو اس کا وہ حج حتمی نہیں ہوگا جو اس نے اسلام لانے سے پہلے کیا تھا، اس لیے کہ حج صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حج کرنے والا مسلم ہو۔

۲۔ عقل و ہوش

ناسمجھ اور دیوانے شخص کا حج صحیح نہیں۔

۳۔ سارے ارکان مقررہ ایام، مقررہ اوقات اور مقررہ مقامات میں ادا کرنا۔

حج کے مہینے یہ ہیں: شوال، ذوالقعدہ، اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ، اسی طرح حج کے سارے ارکان ادا کرنے کے لیے اوقات بھی مقرر ہیں، مقامات بھی مقرر ہیں، اس کے خلاف ارکان حج ادا کیے جائیں گے تب بھی حج صحیح نہ ہوگا۔

۴۔ مفسدات حج سے بچنا اور حج کے سارے ارکان و فرائض ادا کرنا۔ اگر حج کا کوئی رکن ادا کرنے سے رہ گیا یا چھوڑ دیا تب بھی حج صحیح نہ ہوگا۔

حج کے احکام

۱۔ حج فرض ہونے کی ساری شرطیں موجود ہوں تو حج زندگی میں ایک بار فرض ہے، حج فرضی عین ہے اور اس کی فرضیت قرآن و حدیث سے صاف صاف ثابت ہے، جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے، وہ کافر ہے، اور جو شخص شرائط واجبہ پائے جانے کے باوجود حج نہ کرے وہ گنہگار اور فاسق ہے۔

۲۔ حج فرض ہو جانے کے بعد فوراً اسی سال ادا کر لینا چاہیے۔ فرض ہو جانے کے بعد بلا وجہ تاخیر کرنا اور ایک سال سے دوسرے سال پر ٹالنا گناہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

”جو شخص حج کا ارادہ کرے اُسے جلدی کرنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ وہ

بیمار پڑ جائے یا اونٹنی گم ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اور ضرورت پیش آجائے۔“

اونٹنی گم ہونے سے مراد یہ ہے کہ سفر کے ذرائع باقی نہ رہیں، راستہ پر اس نہ رہے، یا اور کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ پھر حج کرنے کا امکان نہ رہے اور آدمی فرض کا بوجھ لیے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہو، حالات کی سازگاری یا

زندگی کا کیا اعتبار، آخر کس بھروسے پر آدمی تاخیر کرے، اور جلد حج کر لینے کے بجائے ٹالت چلا جائے۔

۳۔ فریضہ حج ادا کرنے کے لیے جن لوگوں سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے مثلاً کسی کے والدین ضعیف یا بیمار ہوں اور اس کی مدد کے محتاج ہوں، یا کوئی شخص کسی کا مقروض ہو یا مٹامن ہو تو ایسی صورت میں ان سے اجازت لینے بغیر حج کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

۴۔ حرام ذرائع سے کمائے ہوئے مال سے حج کرنا حرام ہے۔

۵۔ جو شخص احرام باندھے بغیر میقات کے اندر داخل ہو جائے، اس پر حج واجب ہے۔

۶۔ حج فرض ہو جانے کے بعد کسی نے تاخیر کی، اور پھر وہ معذور ہو گیا، نابینا، اپاہج یا سخت بیمار ہو گیا اور سفر حج کے قابل نہ رہا تو وہ اپنے مصارف سے دوسرے کو بھیج کر حج بدل کرائے۔

میقات اور اس کے احکام

۱۔ میقات سے مراد وہ خاص اور متعین مقام ہے جس پر احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ جانا جائز نہیں، کسی بھی غرض سے کوئی مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ میقات پر پہنچ کر احرام باندھ لے۔ احرام باندھے بغیر میقات سے آگے بڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

۲۔ مختلف ممالک کے رہنے والوں اور ان ممالک کی طرف سے آنے والوں کے لیے پانچ میقات مقرر ہیں۔

(۱) ذوالحلیفہ

یہ مدینے کے رہنے والے لوگوں کے لیے میقات ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی جو اس راستے سے مکہ مکرمہ میں آنا چاہیں۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آتے ہوئے تقریباً آٹھ، نو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور یہاں سے مکہ کا فاصلہ تقریباً دسائی سو کلومیٹر ہوگا۔ یہ میقات مکہ سے تمام میقاتوں کے مقابلے میں زیادہ فاصلے پر ہے اور مدینے والوں کا یہ حق بھی ہے اس لیے کہ ہمیشہ سے مدینے والوں نے راہِ حق میں زیادہ قربانیاں دی ہیں۔

(۲) ذات عرق

یہ عراق اور عراق کی سمت سے آنے والوں کے لیے میقات ہے، یہ مکہ معظمہ سے شمال مشرق کی جانب مکہ سے تقریباً انتی کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔
(۳) حُجَفَہ

یہ ملک شام اور شام کی سمت سے آنے والے لوگوں کے لیے ہے، یہ مکہ سے مغرب کی جانب تقریباً ایک سو انتی کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

(۴) قرن المنازل

مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف جانے والے راستے پر ایک پہاڑی مقام ہے، جو مکہ سے اندازاً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، یہ اہل نجد کے لیے میقات ہے اور ان لوگوں کے لیے جو اس راستے سے ہو کر آتے ہوں۔

(۵) یلملم

مکہ مکرمہ سے جنوب مشرق کی جانب یمن سے آنے والے راستے پر ایک پہاڑی مقام ہے جو مکہ معظمہ سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر کی دوری پر ہے، یہ یمن اور یمن کی سمت سے آنے والے لوگوں کے لیے میقات ہے، اہل ہند اور اہل پاکستان کو یمن اسی میقات پر احرام باندھنا ہوتا ہے۔

یہ میقات خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے ہیں، جب کہ بیخ بہاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ موافقت اُن لوگوں کے لیے ہیں جو ان موافقت سے باہر کے رہنے والے ہیں اور یمن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو میقات کے اندر رہتے ہیں، اگر نہ حدود

حرم میں رہتے ہیں تو ان کے لیے حرم ہی میقات ہے اور اگر حدود حرم سے
 باہر محل میں رہتے ہیں تو ان کے لیے محل میقات ہے البتہ حرم کے رہنے
 والے بھی عمرے کے لیے احرام باندھیں تو ان کے لیے میقات محل ہے
 حرم نہیں۔

حج کے فرائض

حج میں چار باتیں فرض ہیں، ان میں سے کوئی بات بھی چھوٹ جائے تو حج ادا نہ ہوگا۔

- ۱۔ احرام :- یہ حج کے لیے شرط بھی ہے اور حج کا رکن بھی ہے۔
- ۲۔ وقوف عرفات :- خواہ چند ہی لمحے کے لیے ہو۔
- ۳۔ طواف تہارت :- اس کے پہلے چار شروط فرض ہیں اور بعد کے تین شروط واجب۔
- ۴۔ ان تینوں فرائض کو مقررہ مقامات، مقررہ اوقات میں متعین ترتیب کے مطابق ادا کرنا۔

احرام اور اس کے مسائل

- ۱۔ حج کی نیت کر کے حج کا لباس پہننے اور تلبیہ پڑھنے کو احرام کہتے ہیں۔ حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لینے کے بعد آدمی محرم ہو جاتا ہے، جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے اور کھانا پینا، چلنا پھرنا وغیرہ اس کے لیے حرام ہو جاتا ہے اسی طرح احرام باندھ لینے کے بعد حج شروع ہو جاتا ہے اور بہت سی چیزیں جن کا کرنا احرام سے پہلے جائز اور مباح تھا، حالت احرام میں ان کا کرنا حرام اور ممنوع

ہو جاتا ہے، اسی لیے اس کو احرام کہتے ہیں۔

- ۲۔ کسی بھی مقصد سے ہو، بہر حال یہ ضروری ہے کہ میقات پر پہنچ کر احرام کے لیے یا کسی اور مقصد سے ہو، بہر حال یہ ضروری ہے کہ میقات پر پہنچ کر احرام باندھ لیا جائے، احرام باندھے بغیر میقات سے آگے نکل سہانا مکروہ تحریمی ہے۔
- ۳۔ احرام کے لیے احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا سنت مؤکدہ ہے، نابالغ بچوں کے لیے بھی غسل کرنا سنوں ہے، اور خواتین اگر حالت حیض و نفاس میں ہوں تب بھی غسل کرنا سنوں ہے، ہاں اگر غسل کرنے میں دشواری ہو یا کسی تکلیف کا اندیشہ ہو تو پھر وضو ہی کر لینا چاہیے۔ یہ غسل یا وضو محض صفائی ستھرائی کے لیے ہے، طہارت اور پاکی حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے۔
- اس لیے پانی نہ ہونے کی صورت میں اس کے بجائے تیمم کرنے کی ضرورت نہیں۔
- ۴۔ احرام کے لیے غسل کرنے سے پہلے سر وغیرہ کے بال بونا، ناخن کترانا اور سفید چادر اور سفید تھمد استعمال کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔
- ۵۔ میقات پر پہنچنے سے پہلے بھی احرام باندھنا جائز ہے، اور اگر احرام کے آداب کا پاس دلحفاظ ہو سکے تو افضل ہے، اور میقات پر پہنچنے کے بعد تو احرام باندھ لینا واجب ہے۔

۶۔ حالت احرام میں ممنوع کام

- ان میں سے بعض کام تو وہ ہیں جن کا کرنا ہر حالت میں ممنوع اور گناہ ہے، لیکن احرام میں ان کا ارتکاب اور زیادہ بُرا ہے۔
- (۱) جنسی افعال میں مبتلا ہونا، یا جنسی گفتگو کرنا، اپنی بیوی سے بھی اس طرح

کی گفتگو سے لذت اندوز ہونا ممنوع ہے۔

(۲) خدا کی نافرمانی اور گناہ میں مبتلا ہونا۔

(۳) لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ کرنا، سخت کلامی سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

(۴) جنگلی جانور کا شکار کرنا، نہ صرف خود شکار کرنا حرام ہے بلکہ شکار کرنے والے کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کرنا، یا شکار کرنے میں اس کی رہنمائی کرنا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا بھی ممنوع ہے۔

(۵) سِلے ہوئے کپڑے مثلاً قمیص، پاجامہ، شیروانی، کوٹ، پتلون، ٹوپی، موزہ، دستانے، بنیان وغیرہ پہننا۔

خواتین کے لیے جائز ہے کہ شلوار، قمیص پہن لیں، موزے بھی پہن سکتی ہیں اور چاہیں تو زبور بھی استعمال کر سکتی ہیں۔

(۶) شوخ اور خوشبودار رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننا۔ خواتین ریشمی کپڑے پہن سکتی ہیں اور رنگین کپڑے بھی، البتہ رنگ خوشبودار نہ ہونا چاہیے۔

(۷) سر اور چہرے کا چھپانا، خواتین ضرورت کے وقت کسی پٹکے اور چادر وغیرہ سے آڑ کر لیں تو جائز ہے۔

(۸) سر اور داڑھی وغیرہ کا خطمی یا صابون وغیرہ سے دھونا۔

(۹) جسم کے کسی بھی حصے کے بال منڈوانا۔ یا کسی بھی دوا یا بال بے غا پاؤڈر

وغیرہ سے بال صاف کرنا، یا اکھاڑنا، یا سبانا۔

(۱۰) ناخن کاٹنا، یا پتھر وغیرہ پر گھیس کر صاف کرنا۔

(۱۱) خوشبو کا استعمال کرنا۔

(۱۲) تیل کا استعمال کرنا۔

۷۔ حالتِ احرام میں جائز کام

اوپر جن ممنوع باتوں کا ذکر کیا گیا ان کے علاوہ ساری باتیں جائز ہیں چند باتیں بطور مثال لکھی جاتی ہیں:-

(۱) کسی چیز کے سائے میں آرام لینا۔

(۲) نہانا اور سروھونا، مگر سابلوی وغیرہ سے نہ دھوئے۔

(۳) بدن یا سر کھانا۔ العبتہ احتیاط کی جائے کہ بال نہ ٹوٹیں اور اگر سر میں جوڑیں ہو گئی ہوں تو وہ نہ گریں۔

(۴) اپنے پاس رقم رکھنا یا کمز میں ہتھیار یا رقم وغیرہ باندھنا۔

(۵) خالی اوقات میں تجارت کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں،

قرآن میں ہے

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ۔ (البقرہ ۱۹۸)

”دورانِ حج میں اگر تم اپنے پروردگار کا فضل بھی تلاش کرتے ہو تو کوئی

مضائقہ نہیں۔“

(۶) احرام کے کپڑے بدلنا اور ان کو دھونا۔

(۷) انگلیوں اور گھڑی وغیرہ پہننا۔

(۸) سرمہ لگانا، مگر سرمہ خوشبودار نہ ہو۔

(۹) ختنہ کرانا۔

(۱۰) نکاح کرنا۔

(۱۱) سوڈی جانوروں کو مارنا۔ مثلاً چیل، کوا، چوہا، سانپ، بچھو، شیر، پیتا، بھیڑیا، کتا وغیرہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”حرم میں اور احرام کی حالت میں پانچ قسم کے جانوروں کو مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں، چوہا، کوا، چیل، بچھو اور مگہ کرنے والا کتا۔“
(یعنی درندہ)۔

(۱۲) بحری شکار کرنا بھی جائز ہے اور اگر کوئی غیر محرم اپنے لیے خشکی کا شکار مار کر محرم کو تحفے میں دے تو اس کا کھانا بھی جائز ہے۔

۸۔ احرام کا طریقہ

اچھی طرح بال ناخن وغیرہ بنوا کر اور غسل کر کے، خوشبو لگائے اور احرام کے کپڑے یعنی ایک چادر اور ایک تہجد زیب تن کر لے پھر دو رکعت نفل نماز پڑھ کر سچ یا عمرے کی نیت کر کے تلبیہ پڑھے تلبیہ پڑھتے ہی احرام بند ہو جاتا ہے اور وہ شخص محرم ہو جاتا ہے۔ تلبیہ کے بجائے اگر قربانی کا اونٹ مکے کی طرف روانہ کر دے تو وہ تلبیہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔

۱۔ اگر مفرد ہو تو خالی حج کی نیت کرے، قارن ہو تو حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرے، اور منقطع ہو تو پہلے عمرے کی نیت کرے عمرہ کرنے اور عمرے سے فارغ ہو کر حج کی نیت کرے، مفرد، قارن، منقطع کے لیے دیکھیے، (اصطلاحات صفحہ ۳۳۲، ۳۳۳)

تلبیہ اور اس کے مسائل

حج کی نیت کرتے ہی زائرِ حرم جو کلمات کہتا ہے اس کو تلبیہ کہتے ہیں،
تلبیہ یہ ہے:-

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ
إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ

”میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، (تیری بکار پہ تیرے حضور
حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، یہ حقیقت ہے کہ حمد و شکر کا مستحق تو ہی ہے،
احسان و انعام تیرا ہی کام ہے، اقتدار تیرا ہی حق ہے، تیرے اقتدار میں
کوئی شریک نہیں۔“

۱۔ احرام باندھنے کے بعد ایک بار تلبیہ کہنا فرض ہے، اور ایک بار سے
زیادہ کہنا سنت ہے۔

۲۔ احرام باندھنے کے بعد سے دسویں تاریخ کو پہلے حجرے کی رمی تک برابر
تلبیہ کا ورد رکھ، ہر نشیب میں اترتے وقت، ہر بلندی پر چڑھتے وقت ہر
قافلے سے ملتے وقت، ہر نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور ہر صبح و شام
تلبیہ پڑھتا رہے۔

۳۔ تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا سنون ہے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

”میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے خدا کی طرف سے مجھے یہ فرمان پہنچایا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دے دوں کہ وہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھیں۔“

۴۔ جب بھی تلبیہ کہے تو تین بار کہے، تین بار تلبیہ کہنا مستحب ہے۔

۵۔ تلبیہ کہتے وقت گفتگو کرنا مکروہ ہے، البتہ سلام کا جواب دینے کی

اجازت ہے۔

۶۔ جو شخص تلبیہ کہہ رہا ہو اس کو سلام نہ کرنا چاہیے، تلبیہ کہنے والے

کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

۷۔ تلبیہ کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

تلبیہ کی حکمت اور فضیلت

تعمیر کہہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا،

”اور لوگوں کو حج کے لیے مام منادی کرادو کہ وہ تمہارے پاس دو“

۱۔ موطا مالک، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ، مگر خواتین کے لیے سنون یہ ہے کہ تلبیہ پڑھنے میں اپنی آواز بلند نہ کریں، ہدایہ میں ہے، ولا ترفع صوتها بالتلبیة لما فیہ من الفتنۃ ولا ترسل ولا تسعی بین الیبلین لانہ مغل لستر العورة (کتاب الحج) یعنی خاتون تلبیہ کہنے میں اپنی آواز بلند نہ کرے، اس لیے کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے، اور نہ رمل کرے اور نہ معنی اس لیے کہ دوڑنے سے اس کی پردہ پوشی میں خلل پڑے گا۔

دراز سے پیدل اور اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں۔

دراصل تبلیغہ غذا کی اس امام منادی اور پکار کا بندل کی طرف سے جواب ہے، کہ پروردگار ہم نے تیری پکار سنی اور تیری طلبی پر تیرے حضور تیرے دربار میں حاضر ہیں، زائرِ حرم رہ رہ کر بار بار یہ صدا لگاتا ہے تو درحقیقت وہ کہتا ہے کہ پروردگار تو نے ہمیں اپنے گھر میں ماضی کا حکم دیا، اور ہم صرف تیری محبت میں سب کچھ چھوڑ چھا کر دیوانہ وار حاضر ہو گئے۔ ہم تیرے اس احسان اور توفیق کا شکر ادا کرتے ہیں تیری توحید کا اقرار کرتے ہیں، یہ صدا مومن کے رگ و پے میں توحید کے عقیدے کو بیوست کرتی ہے، اور اُسے تیار کرتی ہے کہ اس کے وجود کا مقصد دنیا میں صرف یہ ہے کہ وہ توحید کا پیغام امام کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا

”عجب بھی کوئی مسلمان بندہ لبیک کی صدا لگاتا ہے تو اس کے

ساتھ وہ ساری چیزیں لبیک پکاراٹھتی ہیں جو اس کے آس پاس موجود ہیں

خواہ وہ ہتھیر، درخت، اور مٹی کے ڈھیلے ہی ہوں یہاں تک کہ بہ زمین

ادھر سے بھی ختم ہوجاتی ہے اور ادھر سے بھی یعنی یہ سلسلہ پوری زمین پر بھی

پھیل جاتا ہے۔“

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”جو خرم بھی پورے دن لبیک لبیک پکارتا ہے یہاں تک کہ سورت

غروب ہو جائے تو اس کے سارے گناہ فنا ہو جاتے ہیں اور وہ ایسا
 پاک صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کی ماں نے اُسے جنم دیا تھا۔
 تلبیہ کے بعد کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضْوَانَكَ وَالْجَنَّةَ وَاعُوْذُ
 بِرَحْمَتِكَ مِنَ النَّارِ۔

”اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضا اور جنت کا بھکاری ہوں اور۔“

تیرے دائمی رحمت میں دوزخ کی آگ سے پناہ ڈھونڈتا ہوں۔“

”حضرت غمارہ بن غزیمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم جب (احرام باندھنے کے لیے) تلبیہ پڑھتے تو تلبیہ پڑھنے

کے بعد اللہ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کرتے اور اس کی رحمت کے

طفیل جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے۔“

احرام کے بعد زانیہ حرم جو دعا چاہے مانجھے اور خوب مانجھے لیکن پہلے

اس سنون دعا کا اہتمام ضرور کرے یہ بڑی مانع دعا ہے۔ خدا کی رضا اور

جنت کا حصول اور آتش جہنم سے نہات یہی مومن کی انتہائی تمنا اور اس کی دوڑ

دھوپ کا سامیل ہے۔

دقوف اور اس کے مسائل

۱۔ دقوف کے معنی ہیں کھڑا ہونا اور ٹھیرنا، حج کے دوران تین مقامات پر دقوف کرنا ہوتا ہے اور تینوں کے احکام مختلف ہیں، نیز دقوف کا عمل کرنے کے لیے ان مقامات میں پہنچ جانا ضروری ہے، دقوف کی نیت کرنا اور کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ سب سے اہم دقوف عرفات ہے، عرفات ایک نہایت وسیع اور کشادہ میدان ہے، حرم کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، یہ میدان مکہ مکرمہ سے تقریباً ۱۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ میدان عرفات میں دقوف، حج کے ارکان میں سے سب سے بڑا رکن ہے، بلکہ ایک موقع پر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دقوف عرفات ہی کو حج فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے

اَلْحَجُّ عَرَفَاتُ

”عرفے میں دقوف ہی حج ہے۔“

۱۔ اہل حدیث کے نزدیک دقوف کی نیت کرنا شرط ہے۔

۲۔ جامع ترمذی۔

عرفے کے دن جب میدانِ عرفات میں لاکھوں انسان ایک ہی لباس پہنے اپنے خدا کے حضور عجز و احتیاج کی تصویر بنے کھڑے ہوتے ہیں تو اتنے وقت کے لیے انسان اس دنیا سے اٹھ کر گویا میدانِ حشر میں پہنچ جاتا ہے، یہ بڑا ہی ایمان افروز منظر ہوتا ہے۔ میدانِ عرفات میں وقوف کر کے دراصل میدانِ حشر کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

وقوفِ عرفات کی اہمیت یہ ہے کہ اگر کسی دم بعد سے حاجی ۹ ذوالحجہ کو دن میں یا اس دن کے بعد والی رات میں کسی وقت بھی عرفات میں نہ پہنچ سکا تو اس کا حج نہ ہوگا۔ حج کے دوسرے مناسک طواف، سعی، رمی وغیرہ جائیں تو ان کی تلافی ممکن ہے لیکن وقوفِ عرفہ نہ جائے تو اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔

۳۔ وقوفِ عرفات کا وقت ۹ ذوالحجہ کو بعد زوال، ظہر و عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ہے، لیکن چونکہ یہ حج کا رکنِ اعظم ہے اور اسی پہنچ کا دار و مدار ہے اس لیے اس کے وقت میں کشادگی کر کے سہولت دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ۹، ۱۰ ذوالحجہ کی درمیانی شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے کسی وقت بھی لمحے بھر کے لیے عرفات پہنچ جائے تو اس کا وقوف معتبر ہوگا اور اس کا حج ادا ہو جائے گا۔

۴۔ وقوفِ عرفات بتنا زیادہ طویل ہوا چھاپا ہے، اس شعور اور تصور کے ساتھ خدا کے حضور کھڑا ہونا، کہ گویا میدانِ حشر ہے اور میں سب سے بے تعلق تنہا اپنا معاملہ

۱۔ حضرت عبدالرحمن بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ”حج وقوف عرفہ ہی ہے، جو شخص مزدلفہ والی رات میں طلوعِ فجر سے پہلے پہنچ گیا اس نے حج پایا“ (ترمذی، ابوداؤد)

چکانے کے لیے اور اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگنے کے لیے سراپا احتیاج ،
 اس کے حضور کھڑا ہوں ، مومن کی زندگی کا سب سے قیمتی وقت ہے ، اور کیا معلوم
 زندگی میں پھر یہ سعادت نصیب ہوتی ہے یا نہیں ، اس لیے ایمان و اعتساب کی
 قوتوں کو زندہ رکھتے ہوئے پورے شعور کے ساتھ اس روز و شب کے ایک ایک
 لمحے کی اہمیت کو محسوس کرنا چاہیے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت
 جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے

”پھر ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد آپ (اپنی ناقہ قصوار پر)
 سوار ہوئے اور میدانِ عرفات میں خاص وقوف کی جگہ پر آئے اور آپ
 نے اپنی اونٹنی قصوار کا دُش ادھر کر دیا بعد مرتبہ کی بڑی بڑی چٹائیں ہیں
 اور پیدل مجمع کو اپنے سامنے کر کے آپ قبلہ رُو ہو گئے اور وہیں کھڑے
 رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہونے کا وقت آگیا ، اور آفتاب کی
 زردی بھی ختم ہو گئی یہاں تک کہ آفتاب بالکل غروب ہو گیا تو آپ (مزدلفہ
 کے لیے) روانہ ہو گئے ۛ

۵۔ وقوفِ عرفات کی اہمیت اور فضیلت بتاتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا ،

” (رسال کے ۳۶۰ دنوں میں) کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ
 عرفہ کے دن سے زیادہ وسیع پیمانے پر اپنے بندوں کو جہنم کی آگ

سے رہائی بخشا ہو، اس دن اللہ اپنے بندوں کے بہت قریب آجاتا ہے اور فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر کرتے ہوئے ان سے کہتا ہے: فرشتو! دیکھتے ہو یہ بندے کیا پاہتے ہیں؟“

”حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفات میں وقوف فرمایا، آفتاب غروب ہونے ہی کو تھا کہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اشارہ کیا کہ لوگوں کو خاموش کر دو، حضرت بلال نے لوگوں سے کہا ”سناؤ خاموش ہو جاؤ“ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، لوگو! ابھی ابھی میرے پاس جبریلؑ آئے تھے، انہوں نے مجھے خدا کا سلام اور یہ پیغام پہنچایا کہ ”اللہ نے تمام عرفات والوں کو بخش دیا“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ پیغام ہم صحابہ کے لیے خاص ہے یا ساری امت کے لیے ہے۔

حضورؐ نے فرمایا

”یہ تمہارے لیے ہے اور ان سارے لوگوں کے لیے ہے جو

تمہارے بعد یہاں آئیں“

۶۔ میدانِ عرفات کی دعائیں

میدانِ عرفات میں دعاؤں کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے اور وہاں

کے وقت میں مسلسل خدا کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”سب سے بہتر اور افضل دُعا عرفے کے دن کی دُعا ہے“ ذیل میں چند مسنون دُعائیں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) میدانِ عرفات میں آپ نے یہ دعا کثرت سے مانگی ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِي تَقُولُ وَخَيْرًا مِنَّا نَقُولُ
اَللّٰهُمَّ لَكَ مَلَوْتِيْ وَنُكْبِيْ وَمُعْيَايْ وَمَمَاتِيْ وَارْتِكَ مَا بِيْ
وَلَكَ رَبِّ تَرَايِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ
وَدُسُوْسَةِ الصَّدْرِ وَشَقَاتِ الْاَمْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ
بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَجْعَلُ فِيْهِ الرَّيْحُ

”اے اللہ! تو ایسی ہی حمد و تعریف کا مستحق ہے، جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے اور اُس سے بہتر تعریف کا مستحق ہے جیسی ہم کر سکتے ہیں۔ اے اللہ! تیرے ہی لیے ہے میری نماز اور میری قربانی، میری موت اور میری زندگی، اور تیری ہی طرف مجھے لوٹ کر آنا ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، دلوں میں پیدا ہونے والے دوسووں سے معاملات کی خرابی اور غلغلا سے اور اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں ان آفتوں سے جنہیں ہوائیں لے کر آئیں“

(۲) الحزب المقبول میں ایک نہایت جامع دُعا منقول ہے۔ اس کا

اہتمام بھی باعث برکت ہے،

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ شَيْءٍ مَا سَأَلْتُكَ بِهِ نَبِيَّكَ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَيْءٍ مَا اسْتَعَاذَ
بِهِ نَبِيَّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا
وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ
رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ
دُعَاءَ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ
يَقُومُ الْحِسَابُ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ
وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ
رَؤُوفٌ رَحِيمٌ رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ
عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ
إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

”اے اللہ! میں تجھ سے اس بھلائی کا طالب ہوں جو تجھ سے
تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یاغی ہے، اور ان ساری چیزوں کے لئے تیری پناہ
چاہتا ہوں، جن کے لئے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے، اور
میں نے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا ہے، اور اگر تو ہمارے منہ پر زبردستی
ہم پر رحم نہ کھائے تو ہم ان میں سے ہیں جو سراسر گمراہ ہیں
اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والی باتیں یاد دلاؤ، اور ان باتوں

کی توفیق دے۔ پروردگار! ہماری دُعا کو شریف قبول عطا فرما! پروردگار! میری مغفرت فرما دے، میرے والدین کی مغفرت فرما دے، اور اس روز سارے ہی مسلمانوں کو بخش دے جس روز حساب کتاب ہوگا

اے میرے رب! میرے ماں باپ دونوں پر رحم فرما، جس طرح دونوں نے میرے بچپن میں رحم و شفقت کے ساتھ میری پرورش کی ہے، پروردگار! ہماری مغفرت فرما، اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت لے گئے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کے خلاف کوئی کینہ کھٹ نہ ہونے دے جو ایمان لائے، ہمارے پروردگار! بلاشبہ تو بہت ہی مہربان اور بخیرام کرنے والا ہے، پروردگار! بے شک تو سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جانتے والا ہے، تو ہماری توبہ قبول فرما بے شک تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے اور بہت زیادہ رحم کھانے والا ہے، مسعیت سے بچنے کی کوئی طاقت اور فرماں برداری کی استطاعت کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتی سوائے اللہ کے جو بہت ہی بلند اور بڑی ہی عظمت والا ہے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ میزبانِ عرفات میں یہ دُعا لُحْث سے کرتے رہو۔

رَبَّنَا اِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ

وَقَبْنَا عَذَابَ النَّاسِ ۝

”اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں

بھی بھلائی دے اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔“

ان مسنون دعاؤں کے علاوہ کچھ اور مسنون دعائیں بھی ہیں جو پڑھی جاسکتی ہیں اور ان کے علاوہ بھی آدمی دنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو دعائیں مانگنا چاہے مانگے اور خوب مانگے، اس لیے کہ اس وقت خدا بندے پر بہت ہی مہربان ہوتا ہے، اور اپنے مہمان کو محروم نہیں کرتا۔

۷۔ مزدلفے میں وقوف واجب ہے اور مزدلفے کے حدود میں پاسبانہ داخل ہونا سنون ہے، مزدلفے میں وقوف کا وقت طلوع فجر سے شروع ہو کر طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ اگر طلوع فجر سے پہلے وقوف کیا، یا طلوع آفتاب کے بعد کیا تو یہ وقوف معتبر نہ ہوگا۔

۸۔ مزدلفے میں وقفے وقفے سے تلبیہ، تہلیل اور تحمید کہنا مستحب ہے، اور مزدلفے میں ایک شب گزارنا سنون ہے، حدیث میں ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد آپ مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر وہاں لیٹ گئے اور طلوع فجر تک آرام فرماتے رہے۔ پھر طلوع فجر کے بعد آنحضرت نے صبح کی نماز ادا فرمائی۔

۹۔ ذوالحجہ کی آخر تاریخ کو کسی وقت منیٰ میں پہنچنا سنون ہے اور مستحب

ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد وہاں پہنچ کر وہیں ظہر کی نماز پڑھی جائے اور
 نمازِ شب میں آرام کیا جائے۔

طواف اور اس کے مسائل

طواف کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کے ارد گرد چکر لگانا اور گھومنا۔ اور اصطلاح میں طواف سے مراد ہے بیت اللہ کے گرد والہانہ گھومنا اور چکر لگانا۔
بیت اللہ کی عظمت اور مرتبہ

بیت اللہ اینٹ پتھر کی محض ایک عمارت نہیں ہے بلکہ وہ زمین پر خدا کی عظمت کا مخصوص نشان اور اس کے دین کا محسوس مرکز ہے، جو خود اللہ نے اپنی نگرانی اور ہدایت کے تحت ایک ایسے اولوالعزم پیغمبر سے تعمیر کرایا ہے جن کی امامت پر پیور انصاری، اور مسلمان سب ہی متفق ہیں اور قرآن پاک کی شہادت ہے کہ سطح زمین پر خدا کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر جو تعمیر کیا گیا وہ یہی بیت اللہ ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ - (آل عمران: ۹۶)

”جیسا کہ سب سے پہلا عبادت کا گھر جو انسانوں کے لیے تعمیر کیا گیا وہ

وہی ہے جو مکہ میں ہے۔“

در اصل بیت اللہ دین کا منبع اور مرکز ہے، قرآن کی وضاحت کے مطابق یہ

توحید کا سرچشمہ اور نماز کی اصل جگہ ہے، اور یہی توحید و نماز پر سے دین کا منظر اور خلاصہ ہیں، عقیدے کے پہلو سے توحید دین کی اصل بنیاد ہے، اور عمل کے پہلو سے نماز دین کی اساس ہے، اور بیت اللہ کی تعمیر انہی دو بنیادی مقاصد کے لیے ہے، اسی لیے خدا نے اس کو خیر و برکت کا سرچشمہ اور ہدایت کا منبع قرار دیا ہے

مُبَادَاً وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۝ رآل عمران: ۶۷

”اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لیے اس کو منبع

ہدایت بنایا گیا ہے“

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کو دو مقامات پر ”بیتِ نبی“ (میرا گھر) کہا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنی ذریت کو مکے کی پیشین وادی میں بساتے ہوئے

سورہ بقرہ آیت ۱۲۵ میں ہے: ”وَعِمَّا نَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهَرَا بَيْتِي لِلْعَاقِبِينَ وَاللَّزْكَمَ السُّجُودِ“ اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کو وصیت کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور رکوع سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو اور سورہ الحج آیت ۲۷ میں ہے: ”وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلْعَاقِبِينَ وَاللَّزْكَمَ السُّجُودِ“ اور یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی جگہ تجویز کی تھی، (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔“

کہا ہے نہ دایا! میں ان کو ”تیرٹھے گھر“ کے پڑوس میں بسا رہا ہوں، اور بیت اللہ کی عظمت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ اللہ نے اس گھر کے حج کو مسلمانوں پر اپنا ایک حق بتایا ہے، اور حج یہی تو ہے کہ مومن احرام باندھ کر یعنی خود کو بیت اللہ میں حاضری کے لائق بنا کر والہانہ انداز میں اس کے گرد طواف کرے، اس میں لگے ہوئے پتھر کو بوسہ دے، ملتزم سے چمٹے، مسجد حرام میں نماز پڑھے اور عرفات میں وقوف کرے۔

طواف کی فضیلت

بیت اللہ کی تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ اس کا طواف کیا جائے، خدا نے ابراہیمؑ کو اسی کی تاکید فرمائی اور یہ تاکید قرآن میں دو جگہ فرمائی۔

وَطَهِّرْ بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ ۝

”اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔“

نیز مسلمانوں کو حکم دیا کہ

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ - (الحج: ۲۹)

۱۷ سورہ ابراہیم آیت ۳ میں ہے، وَبَنَانِي اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زُرْعَةٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ، پروردگار! میں نے اس بے آب گیاہ وادی میں اپنی کچھ ذریعہ کو لا بسایا ہے تیرے محترم گھر کے پاس۔

۱۸ البقرہ آیت ۱۲۵، الحج ۲۶۔

”اور اس قدیم گھر کا طواف کرنا چاہیے۔“

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے

”بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ایک عبادت ہے، فرق یہ ہے

کہ طواف میں تم گفتگو کر سکتے ہو (اور نماز میں اس کی اجازت نہیں ہے)

تو جو شخص طواف کے دوران کوئی بات کرے تو اس کو چاہیئے کہ منہ سے

ابھی یہی بات نکالے۔“

”حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کو فرماتے سنا ”(حجر اسود اور رکن یمن) ان دونوں پر ہاتھ پھیرنا گناہوں

کا کفارہ ہے۔ اور میں نے آپؐ کو یہ بھی فرماتے سنا ”جس نے خدا کے

اس گھر کا سات مرتبہ طواف کیا، اور شعور و قوہ کے ساتھ کیا، تو اس کا صلہ

ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ اور یہ بھی فرماتے سنا کہ طواف میں

بندہ جو بھی قدم رکھے گا اور جو بھی قدم اٹھائے گا، خدا اس کے ہر قدم

کے بدلے ایک گناہ معاف کرے گا اور ایک بھلائی اس کے لیے

لکھے گا۔“

استلام

استلام کے لغوی معنی ہیں چھوٹنا اور بوسہ دینا اور اصطلاح میں استلام سے مراد ہے حجر اسود کو بوسہ دینا اور رکن یحییٰ کو چھونا، طواف کا ہر شرط شروع کرتے وقت حجر اسود کا استلام کرنا، اور اسی طرح طواف کے ختم پر حجر اسود کا استلام کرنا سنت ہے، اور رکن یحییٰ کا استلام مستحب ہے۔

حجر اسود کا استلام کرتے وقت لحاظ رہے کہ منہ سے بوسے کی آواز نہ نکلیں، صرف حجر اسود پر منہ رکھنا سنون ہے، اور یہ بھی خیال رہے کہ اگر غیر معمولی ازحام ہو اور حجر اسود کا بوسہ لینے میں لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر کسی چھتری کو حجر اسود سے مس کر کے اس کا بوسہ لے لیا جائے، اور یہ بھی دشوار ہو تو پھر دونوں ہاتھوں کی پتیلیاں حجر اسود کی طرف کر کے ہاتھ کانوں تک اٹھالے اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دے لے۔

حجر اسود اور رکن یحییٰ کے استلام کی فضیلت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

”اللہ کی قسم! قیامت کے روز اللہ اس کو زندگی بخش کر اٹھائے گا۔ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے یہ دیکھے گا۔ اور زبان ہوگی، جس سے یہ بولے گا۔ اور جن بندوں نے اس کا استلام کیا ہوگا ان کے حق میں سچی سچی گواہی دے گا۔“

رکنِ یمانی کی دُعا

رکنِ یمانی کے استلام کی فضیلت بتاتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:
 ”رکنِ یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں جو ہر اس بندے کی دعا پر آمین
 کہتے ہیں جو اس کے پاس یہ دعا کرتا ہے۔“

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعُقُودَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَ
 الْآخِرَةِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً
 وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

”اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں درگزر اور عافیت کا
 طالب ہوں، پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی کھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی،
 اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔“

طواف کی قسمیں اور ان کے احکام

طواف بیت اللہ کی چھ قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔
 ۱۔ طوافِ زیارت ۱۔ اس کو طوافِ افاضہ اور طوافِ حج بھی کہتے ہیں،
 طوافِ زیارت حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔
 قرآن کا حکم ہے:-

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ - (الحج: ۲۹)

”اور اس قدیم گھر کا طواف کرنا چاہیئے۔“

ائمۃ کا اتفاق ہے کہ اس سے طواف زیارت مراد ہے جو وقوف عرفات کے بعد دس تاریخ کو کیا جاتا ہے، اور اگر کسی وجہ سے ۱۰ ذوالحجہ کو نہ ہو سکے تو ۱۱ اور ۱۲ ذوالحجہ کو بھی کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ طوافِ قدوم :- اس کو طوافِ تحیہ بھی کہتے ہیں۔ مکے میں داخلے کے بعد سب سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ قدوم کہتے ہیں، یہ صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر کے باشندے ہوں، اور جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں، اس کو طواف اللقا اور طواف التحیہ بھی کہتے ہیں۔

۳۔ طوافِ وداع :- بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت جو آخری طواف کرتے ہیں اس کو طوافِ وداع یا طوافِ صدر کہتے ہیں، یہ طواف بھی آفاقی پر واجب ہے، اس طواف کے بعد ملتزم سے چمٹ کر سینہ اور دامنہ رخسار اس سے لگا کر اور داہنے ہاتھ سے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر انتہائی گریہ و زاری اور شوع کے ساتھ دعا مانگنا چاہیے۔ یہ بیت اللہ سے رخصت کا وقت ہے، معلوم نہیں پھر کب یہ سعادت نصیب ہو۔ طوافِ وداع کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے۔

۴۔ علم الفتنہ جلد پنجم اور قدوری میں اس کو مسنون کہا گیا ہے، امام مالک کے نزدیک الفتنہ طوافِ قدوم واجب ہے، ان کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص بیت اللہ بھی زیارت کو آئے اس کو چاہیئے کہ وہ طوافِ تحیہ کرے (یعنی الہدایہ جلد اول ص ۹۹)

”کوئی شخص ”طوافِ نَحْت“ کیے بغیر بیت اللہ سے واپس نہ ہو، مگر اس خاتون کے لیے اہانت ہے جو حالتِ حیض میں ہو۔“

۴۔ طوافِ عمرہ ۱۔ وہ طواف جو عمرہ میں کیا جاتا ہے، یہ عمرے کا رکن ہے، اس کے بغیر عمرہ ادا نہ ہوگا۔

۵۔ طوافِ تندرہ ۱۔ یعنی کسی نے طواف کی تندرہ مالی ہو، تندرہ کا طواف واجب ہے۔

۶۔ نفلی طواف ۱۔ یہ کسی وقت بھی کیا جاسکتا ہے اور مکے میں جب تک رہنے کا موقع ملے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی کہ آدمی زیادہ سے زیادہ طواف کرے۔

کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ حجرا سودہ کے پاس آئے، اس کا استلام کیا، اور پھر آپ نے اپنی داہنی جانب سے طواف شروع کیا۔

۵۔ پاپادہ طواف کرنا، عذر کی حالت میں، سوار ہو کر بھی طواف جائز ہے، اور نفلی طواف تو بنیہ عذر بھی سوار ہو کر جائز ہے، لیکن احصل یہی ہے کہ پیدل طواف کیا جائے۔

۶۔ طواف کے پہلے چار فرض چکروں کے بعد باقی تین شوط پورے کرنا۔
 ۷۔ ہر طواف یعنی سات شوط پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا۔
 حضرت جابر رضی اللہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ پہنچے، تو آپ نے پہلے حجرا سودہ کا استلام کیا، پہلے تین چکروں میں آپ نے رسول کیا پھر چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے، پھر آپ مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:-

وَاتَّخِذْ ذَا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى۔ (البقرہ: ۱۲۵)

”اور ابراہیم کے مقام عبادت کو مستقل جائے نماز بنا لو۔“

پھر آپ اس طرح کھڑے ہوئے کہ ”مقام ابراہیم“ آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا، اور آپ نے نماز پڑھی۔

۱۔ مسلم۔

۲۔ دیکھئے اصطلاحات ص ۳۱۳۔

۳۔ مسلم۔

۸۔ عظیم کے باہر باہر سے طواف کرنا تاکہ عظیم بھی طواف میں شامل رہے۔

۹۔ ممنوعات احرام سے اجتناب کرنا۔

طواف کی دُعا

خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لیے جب حجرِ اسود کے پاس پہنچے تو یسبح اللہ
وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہے، پھر یہ دعا پڑھے:-

اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا بِكَ وَتَصَدِيقًا بِكِتَابِكَ وَوَقْفًا
بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِّسُنَّةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”اے اللہ! تجھ پر ایمان لاکر، تیری کتاب کی تصدیق کر کے، اور تیرے
عہد کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں رہ کر اسلام
اور طواف کر رہا ہوں)“

اور طواف شروع کر دے، طواف کرتے ہوئے آہستہ آہستہ یہ دعا پڑھے:-

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ
اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

”اللہ پاک دہر تر ہے، تمام حمد و شکر اسی کے لیے ہے، اللہ کے سوا کوئی
معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اور اللہ کے سوا کوئی طاقت نہیں جو نیکی

۱۔ تفصیل ص ۲۹ پر دیکھیے۔

۲۔ نیل الاوطار۔

۳۔ ابن ماجہ، نیل الاوطار۔

کرا سکے اور کوئی قوت نہیں جو برائی سے روک سکے۔
 اور جب رُکنِ یاقینی پر پہنچے تو رُکنِ یاقینی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دعا پڑھے۔
 رَبَّنَا اِنْتَنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً
 وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (البقرہ: ۲۰۱)

”اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں

جہنم کے عذاب سے بچا۔

اور یہ دعا بھی پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ تَقَدَّسْتَ بِمَا سَأَلْتُكَ فِيْهِ وَبَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاخْلُفْ
 عَلَيَّ كُلَّ غَائِبَةٍ لِّيْ بِخَيْرٍ

”اے اللہ! تو مجھے قناعت دے اسی پر جو کچھ تو نے مجھے عطا کر رکھا
 ہے، اور اسی میں میرے لیے برکت عطا فرما اور ہر غائب چیز میں تو خیر اور بھلائی کے
 ساتھ نگران بن جا۔

اور یہ بھی پڑھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ
 وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں،

اللہ اسی کا حق ہے، تعریف کا وہی مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

طواف کے مسائل

۱۔ ہر طواف یعنی سات شوط پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے، دو طوافوں کو ملانا، اور درمیان میں نماز نہ پڑھنا مکروہ تحویلی ہے۔

۲۔ سات چکر لگا لینے کے بعد کسی نے قصداً آٹھواں چکر لگالیا، تو اب چھ چکر مزید لگا کر ایک طواف اور کرنا ضروری ہے اس لیے کہ نفل عبادت شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتی ہے۔

۳۔ جن اوقات میں نماز مکروہ ہے ان میں طواف مکروہ نہیں ہے۔
۴۔ طواف کرتے ہوئے اگر پنجوقتہ نمازوں میں سے کسی نماز کا وقت آجائے یا نماز جہازہ آجائے، یا وضو کی ضرورت پیش آجائے، تو واپس آنے کے بعد دوبارہ نئے سرے سے طواف شروع کرنے کی ضرورت نہیں جہاں سے چھوڑ کر گیا تھا وہیں سے پورا کرے۔

۵۔ طواف کرتے ہوئے اگر بھول جائے کہ کتنے شوط کیے ہیں تو پھر نئے سرے سے شروع کرے، ہاں اگر کوئی قابل اعتماد شخص یاد دلادے تو اس کی یاد دہانی کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

۶۔ طواف کے دوران کوئی چیز کھانا پینا، خرید و فروخت کرنا، اشعار نکلنا اور سہل ضرورت باتیں کرنا مکروہ ہے۔

۷۔ حالت طواف میں نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا مسنون ہے اور نجاست حکمیہ سے پاک ہونا واجب ہے۔

۸۔ حج اور عمرہ دونوں کے پہلے طواف میں رمل کرنا مسنون ہے اور اضطباع بھی مسنون ہے۔

رمل

شانے ہلا کر ذرا نیز چلنا جس سے قوت اور طاقت کا مظاہرہ ہو، اس کو دُکلی چال چلنا کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سب میں صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں لوگوں نے آپس میں کہا کہ ان لوگوں کا حال کیا ہو رہا ہے! یہ تو بڑے ہی نحیف اور کمزور ہو گئے ہیں، دراصل مینے کی آب دہوانے ان کی صحت برباد کر دی ہے، مینے کی آب دہوا خراب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مکے والوں کی اس گفتگو کا پتہ چلا تو آپ نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین شرطوں میں سب رمل کریں یعنی دُکلی چال چل کر قوت و طاقت کا مظاہرہ کریں چنانچہ رمل کیا گیا، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی اس وقت کی یہ ادا ایسی بہائی کہ یہ ایک مستقل سنت قرار دے دی گئی۔

۹۔ تشریح کے لیے دیکھیے آسان فقہ جلد اول "اصطلاحات" صفحہ ۷۵۔

۱۰۔ رمل اور اضطباع صرف مردوں کیلئے مسنون ہے خواتین نہ رمل کریں اور نہ اضطباع (میں لہذا)۔

رمل صرف اسی طواف میں مستنون ہے جس کے بعد سعی ہو، پس جو شخص طوافِ قدم کے بعد سعی نہ کرنا چاہتا ہو، وہ اس طواف میں رمل نہ کرے، بلکہ طوافِ زیارت میں رمل کرے، جس کے بعد اس کو سعی کرنا ہے، اسی طرح حجِ قرآن کرنے والا جو طوافِ عمرہ میں رمل کر چکا ہو وہ پھر طوافِ حج میں رمل نہ کرے۔

اور اگر کوئی شخص پہلے تین شوطوں میں رمل کرنا بھول جائے تو پھر رمل بالکل ہی چھوڑ دے دوسرے شوطوں میں نہ کرے، اور ساتوں شوطوں میں رمل کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

اضطرباغ

چادر وغیرہ کو اس طرح اوڑھا جائے کہ اس کا ایک کنارہ داہنے شانے پر ڈالنے کے بجائے داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اوڑھا جائے اور داہنا شانہ کھلا رہے، یہ عمل بھی اظہارِ قوت و طاقت کے لیے ہے۔

حج کے واجبات

حج میں نو باتیں واجب ہیں۔

- ۱۔ سعی کرنا، یعنی صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا واجب ہے۔
- ۲۔ مزدلفہ میں وقوف کرنا، یعنی طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کس بھی

وقت وہاں پہنچنا۔

- ۳۔ رمی کرنا، یعنی حجرات پر کنکریاں مارنا۔

- ۴۔ طواف قدم کرنا۔ یعنی مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرنا، طواف قدم صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر رہتے ہیں اور حجن کو آفاقی کہتے ہیں۔

- ۵۔ طواف وداع کرنا، خانہ کعبہ سے رخصت ہوتے وقت آخری رخصتی طواف کرنا، طواف وداع بھی صرف آفاقی پر واجب ہے۔

- ۶۔ حلق یا تقصیر، یعنی حج کے ارکان سے فارغ ہو کر بال منڈوانا یا صرف

۱۵ قرآن پاک کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے، لیکن علمائے اہل حدیث کے نزدیک سعی فرض ہے اور ان کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے۔

مَا أَتَى اللَّهُ مَبْعَثَهُمْ وَلَا مَبْعَثَهُمْ تَعْلَمُ كَيْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔

”اللہ تعالیٰ اس شخص کا حج اور عمرہ کامل قرار نہیں دیتا جو صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے۔“

کتر و اتنا، دوسری ذوالحجہ کو حجرۃ العقبہ کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد حلق یا
تقصیر واجب ہے۔

۷۔ قربانی۔ یہ صرف قارن یا مستح پر واجب ہے، مفرد پر واجب نہیں۔
۸۔ مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھنا۔ یعنی مغرب کی نماز موخر کر
کے مزدلفے میں عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کرنا، اور میدان عرفات میں ظہر و عصر
کی نماز ایک ساتھ پڑھنا واجب نہیں ہے۔

۹۔ رمی، قربانی اور حلق و تقصیر میں ترتیب کا لحاظ رکھنا۔



لغت میں سعی کے معنی ہیں اہتمام سے چلنا، دوڑنا، اور کوشش کرنا وغیرہ، اصطلاح میں سعی سے مراد حج کا وہ واجب عمل ہے جس میں زائرِ حرم صفا مروہ نامی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا ہے۔ صفا بیت اللہ کے جنوب میں ہے اور مروہ شمال کی سمت میں واقع ہے۔ آج کل ان دونوں پہاڑیوں کا معمولی سا نشان باقی ہے اور ان کے درمیان دو سڑکیں تعمیر کر دی گئی ہیں، ایک صفا سے مروہ تک دوڑنے کے لیے اور دوسری مروہ سے واپس صفا تک دوڑنے کے لیے، اور ان پر بہت بڑا سٹیڈ ڈال کر ان سڑکوں کو پاٹ دیا گیا ہے تاکہ سعی کرنے والے دھوپ کی شدت اور بارش سے محفوظ رہیں۔

سعی کی حقیقت و حکمت
قرآن پاک میں ہے

إِنَّ الصَّغَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ - (البقرہ: ۱۵۸)

”بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں“

”شَعَائِر“، ”شَعَائِرِہ“ کی جمع ہے، کسی رومانی اور معنوی حقیقت (اور کسی مذہبی یادگار کو محسوس کرانے اور یاد دلانے کے لیے جو چیز بطور نشان اور علامت مقرر کی گئی ہو اس کو شعیرہ کہتے ہیں۔ دراصل یہ مقامات خدا پرستی اور اسلام کے عملی اظہار کے یادگار مقامات ہیں، مروہ ہی وہ مقام ہے جہاں خدا کے خلیل

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کو زمین پر پیشانی کے بل لیٹا کر گردن پر چھری رکھ دی تھی، مگر اپنے سچے خواب کو سچا کر دکھائیں اور اپنی زندگی کی سب سے زیادہ عزیز چیز کو خدا کی رضا پر قربان کر کے اپنے قول **رَأْسُكَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ** میں نے کامل طور پر خود کو اللہ رب العالمین کے حوالے کر دیا کی عملی شہادت پیش کر دیں۔

اسلام اور سپردگی کا یہ عجیب و غریب منظر دیکھتے ہی خدا نے ان کو پکارا اور کہا ابراہیمؑ تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔

وَقَدْ آتَيْنَاهُ أَنْ يُؤْبَاهِيهِمْ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَبُكَ

نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ (الصافات: ۲۵، ۲۶، ۲۷)

اور ہم نے ان کو پکارا، کہ اے ابراہیمؑ! تم نے واقعی اپنے خواب کو سچ

کر دکھایا۔ بلاشبہ ہم محسنوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ ایک

کھلی ہوئی زبردست آزمائش تھی۔

صفا، مردہ پر نگاہ ڈالتے ہی فطری طور پر مومن کے ذہن میں قربانی کی یہ پوری تاریخ تازہ ہوجاتی ہے، اور ابراہیمؑ و اسمعیل علیہم السلام کے اسلام اور بندگی کی پوری تصویر نگاہوں میں پھر جاتی ہے۔

اسی حقیقت کو ذہن نشین کرانے، اور اس ولولہ انگیز تاریخ کو یاد کرنے

کے لیے خدا نے سعی کو مناسک حج میں شامل فرمایا، خدا کا ارشاد ہے

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَدْعَمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ

بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ۔ (البقرہ: ۱۵۸)

”لہذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان سعی کرے، اور جو شخص دل کی رغبت اور شوق کے ساتھ بھلا کام کرے گا تو خدا کو ہر چیز معلوم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔“

دور جاہلیت میں مشرکین مکہ نے ان دونوں پہاڑیوں پر بتوں کے استقان بنا لیے تھے۔ صفا پر آساف اور مروہ پر نائلہ کا استقان تھا اور ان کے گرد طواف ہوتا تھا، اسی لیے مسلمانوں کو تردد تھا کہ وہ ان کے گرد سعی کریں یا نہ کریں، تو خدا نے وضاحت کی کہ ان کے درمیان سعی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس لیے کہ سعی در اصل مناسک حج میں سے ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے جو مناسک تعلیم دیجے گئے تھے ان میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ہدایت بھی تھی۔ اس لیے کسی گمراہیت کے بغیر مسلمان پورے شوق اور دل کی رغبت سے صفا اور مروہ کی سعی کریں، بخدا دل کے حالات سے بھی پوری طرح باخبر ہے اور وہ انسان کے لچھے جذبات اور اعمال صالحہ کی قدر فرماتا ہے۔

سعی کے مسائل

- ۱۔ طواف کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد سعی کرنا واجب ہے، طواف سے پہلے سعی کرنا جائز نہیں۔
- ۲۔ سعی کی حالت میں نجاستِ عکبیر یعنی حدیثِ اصغر اور حدیثِ اکبر سے پاک ہونا واجب تو نہیں ہے، لیکن سنون ہے۔

۳۔ سعی میں بھی سات شوط ہوتے ہیں اور یہ ساتوں واجب ہیں، ان میں سے کوئی شوط بھی فرض نہیں ہے۔

۴۔ طواف سے فارغ ہوتے ہی سعی شروع کرنا مسنون تو ہے لیکن واجب نہیں۔

۵۔ سعی کی ابتدا صفا سے کرنا واجب ہے۔

۶۔ سعی پاپیادہ کرنا واجب ہے البتہ کوئی عذر ہو تو سواری پر بھی کر سکتے ہیں۔

۷۔ پورے حج میں صرف ایک ہی بار سعی کرنا چاہیے، چاہے طواف قدوم کے بعد کرے یا طواف زیارت کے بعد، بہتر یہ ہے کہ طواف زیارت کے بعد سعی کی جائے۔

۸۔ صفا مروہ پر چڑھنا اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھانا اور دعا کرنا مسنون ہے۔

۹۔ سعی کے دوران خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے، البتہ ضرورت کے وقت بات چیت کرنا جائز ہے۔

سعی کا طریقہ اور دعائیں
طواف قدوم یا طواف زیارت جس کے بعد بھی سعی کرنے کا ارادہ ہو، اس سے فارغ ہو کر پہلے صفا پہاڑی پر پہنچا جائے، صفا پہنچ کر یہ آیت پڑھی جائے۔

”بلاشبہ صفا اور مردہ خدا کی نشانوں میں سے ہیں ۛ

اور پھر صفا پر اتنی اونچائی تک چڑھا جائے کہ بیت اللہ نظر آنے لگے۔ پھر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کر مین بار ”اللہ اکبر“ کہا جائے اور پھر یہ دعا پڑھی جائے،

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ
 دَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعَدَهُ وَكَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ
 وَحْدَهُ ۛ

”خدا کے سوا کوئی معبود نہیں جو کیتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں،
 اقتدار اسی کا حق ہے، حمد و شکر کا وہی مستحق ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح
 قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ کیتا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا
 کر دکھایا، اور اپنے بندے کی مدد کی، اور اس نے تنہا تمام کافر گروہوں کو
 شکست دی ۛ

پھر درود شریف پڑھ کر خود دعائیں مانگنی ہوں مانگی جائیں، اپنے لیے اپنے
 عزیز اور رشتہ داروں کے لیے، یہ قبولیت دعا کا مقام ہے اس لیے دنیا
 اور عقبیٰ کی بھلائی اور سعادت کے لیے خوب ہی دعا کی جائے اور پھر یہ دعا پڑھی
 جائے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ اَدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تَخْلِفُ الْمِيْعَادَ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِيْ لِاِسْلَامٍ اَنْ لَا تَنْزِعَهُ مِنِّيْ حَتّٰى تَوْفَاكِنِيْ وَاَنَا مُسْلِمٌ ۝

”اے اللہ! تیرا ارشاد ہے کہ مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا، اور

تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، میرا تجھ سے یہ سوال ہے کہ جس طرح تو نے

مجھ اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائی ہے، تو اس دولت کو کبھی مجھ سے

دور نہ کر یہاں تک کہ تو مجھے موت نصیب فرمائے تو میرا خاتمہ اسلام اہر ہو۔“

اس کے بعد صفا سے اُتر کر مروہ کی طرف روانہ ہونا چاہیئے اور چلتے ہوئے

ربان پر یہ دُعا ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ وَاَرْحَمْ اِنَّكَ اَنْتَ اَعَزُّ الْاَكْسَرُ۔

”میرے رب! میری مغفرت فرما دے، میری حالت پر رحم فرما دے، تو

انتہائی غالب، اور انتہائی بزرگ ہے۔“

صفا اور مروہ کے درمیان مروہ کو جاتے ہوئے بائیں جانب دوسرے

نشان ہیں ان کو میلین اخضرین کہا جاتا ہے، ان دونوں نشانوں کے درمیان

دوڑنا سنون ہے۔ پھر مروہ پر چڑھ کر وہی دُعائیں مانگی جائیں جو صفا پر مانگی

۱۔ موطا

۲۔ لیکن یہ صرف مردوں کے لیے سنون ہے، خواہن میلین اخضرین کے درمیان بھی معمول کے

مطابق چلیں، دوڑیں نہیں اس لیے کہ وہ تابدہ پوشی میں خلل ڈالے گا۔

تھیں، اور دیر تک ذکر و تسبیح میں مصروف رہا جائے، اس لیے کہ یہ دعا قبول ہونے کا مقام ہے، پھر مرو سے اتر کر صفا کی طرف واپس جاتے ہوئے وہی دعا پڑھی جائے جو آتے وقت پڑھی تھی اور میلین اخضرین کے درمیان دوڑا جائے۔ اور اسی طرح سات شوط پورے کیے جائیں۔

رُمی

لغت میں رُمی کے معنی ہیں پھینکنا اور نشانہ لگانا، اور اصطلاح میں رُمی سے مراد حج کا وہ عمل ہے جس میں حاجی پتھر کے تین ستونوں پر کنکریاں مارتا ہے، رُمی جمرات واجب ہے۔ جمرات یا جمار، جمرہ کی جمع ہے، جمرہ کنکری کو کہتے ہیں، یعنی کے راستے میں کچھ کچھ فاصلے سے پتھر کے تین ستون قد آدم کے برابر کھڑے ہیں، ان پر چونکہ کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، اس لیے ان ستونوں کو ہی جمرات کہنے لگے، اور یہ تین جمرات، جمرہ اولیٰ، جمرہ وسطیٰ اور جمرہ عقبیٰ کے نام سے مشہور ہیں ان میں سے جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے اس کو جمرہ عقبیٰ کہتے ہیں، بعد والے کو وسطیٰ اور اس کے بعد والے کو جو مسجد خیف کے قریب ہے جمرہ اولیٰ کہتے ہیں۔

رُمی کی حقیقت و حکمت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند ہی یوم پہلے حبشہ کے عیسائی حکمران ابرہہ نے مکہ معظمہ پر اس ناپاک ارادے سے چڑھائی کی کہ وہ کعبہ کو ڈھا دے گا۔ چنانچہ وہ ہاتھیوں پر سوار ایک زبردست لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا اور برابر آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ مکے کے بالکل قریب "دادی محترہ" میں پہنچ گیا۔ خدا نے اس کے ناپاک ارادے کو بُری طرح ناکام بنایا اور سمندر کی جانب سے ننھے ننھے ہندوؤں کے جھنڈ پرے کے پرے بن کر نمودار ہوئے جن کے پنجوں اور چوخیوں میں ننھی ننھی کنکریاں تھیں، اور انہوں نے اس ہاتھی سوار

فوج پر کنکریوں کی ایسی بے پناہ اور ہلاکت خیز بارش کی کہ پوری فوج تھس تھس ہو کر رہ گئی، بیشتر تو دیں ڈھیر ہو کر رہ گئے اور کچھ بڑی بڑی مورتیں میں عبرتناک موت کے لیے وہاں سے بھاگے۔

رجبی حمرات در اصل اسی بے پناہ بارش کی یادگار ہے ————— حمرات پر اللہ اکبر کہہ کر خدا کی کبریائی کا اعلان کرتے ہوئے کنکریاں مارنا دراصل اس حقیقت سے دنیا کو خبردار کرنا اور اپنے اس عزم کا اظہار کرنا ہے کہ مومنوں کا وجود دنیا میں خدا کے دین کی حفاظت ہے، کوئی طاقت بھی اگر بُری نیت سے اس دین پر نگاہ ڈالنے کی ناپاک جرأت کرے گی اور اس کی جڑوں کو ڈھانے کا ارادہ کرے اس کی طرف بڑے گی تو ہم اس کو تھس تھس کر دیں گے۔

رمی کے مسائل

۱۔ رمی کرنا واجب ہے یہ

۲۔ نشیب میں کھڑے ہو کر رمی کرنا سنون ہے، اونچے مقام سے رمی کرنا مکروہ ہے۔

۳۔ ہر رمی کے ساتھ ”اللہ اکبر“ کہنا سنون ہے۔

۴۔ کنکری اگر جمرو پر نہ لگے اور نشانہ خطا کر جائے تو کوئی حرج نہیں رمی درست ہے، بشرطیکہ کنکری جمرو کے قریب کہیں گرے۔

۵۔ ذوالحجہ کی دس تاریخ کو یعنی پہلے دن صرف جمرو عقبہ کی رمی کی جائے

نہ امامت کے نزدیک جمرو عقبہ کی رمی فرض ہے، اگر یہ رمی ترک کر دینا جائے تو رمی باطل ہو جائیگا۔

اور کچھ گیارہ بارہ تاریخ لوہینوں حیرات کی رمی کی جائے، اور تیر سو میں تاریخ کی رمی صرف مستحب ہے واجب نہیں۔

۶۔ ایک بڑا کنکر توڑ کر سات کنکریاں بنانا مکروہ ہے۔

۷۔ سات مرتبہ سے زیادہ رمی کرنا مکروہ ہے۔

۸۔ واجب یہ ہے کہ سات کنکریاں سات مرتبہ میں ماری جائیں۔ اگر کوئی شخص ایک ہی مرتبہ میں ایک ساتھ سات کنکریاں مار دے تو یہ ایک ہی رمی قرار پائے گی۔

۹۔ رمی کے لیے مزدلفے سے آتے وقت ”وادی محسر“ میں سے کنکریاں ساتھ لانا مستحب ہے، جبرہ کے پاس سے کنکریاں اٹھانا مکروہ ہے۔
۱۰۔ جس کنکری کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ ناپاک ہے اس سے رمی کرنا مکروہ ہے۔

۱۱۔ دسویں تاریخ کی رمی شروع کرتے ہی تبلیہہ بند کر دینا چاہیئے۔ بخاری میں

۱۔ دراصل جبرہ کے پاس وہی کنکریاں رہ جاتی ہیں جو خدا کے یہاں مقبول نہیں ہوتیں اور جو کنکریاں مقبول ہو جاتی ہیں وہ وہاں سے فرشتے اٹھالے جاتے ہیں۔ لہذا رد کی ہوئی کنکریوں سے رمی کرنا مکروہ ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ”یا رسول اللہ! ہر سال ہم جن کنکریوں سے رمی کرتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ وہ کم ہو جاتی ہیں“ ارناذ فرمایا ”ہاں ان میں جو قبول ہو جاتی ہیں وہ اٹھالی جاتی ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو تم بیٹروں کی طرح ان کنکریوں کے ڈھیر دیکھتے“ (حدیث قطبہ)

ہے کہ آپ جبرہ عقبہ کی رمی تک لبیک کہتے رہے۔

۱۲۔ دس ذوالحجہ کی رمی کا سنون وقت طلوع آفتاب سے زوال تک ہے، اس کے بعد غروب آفتاب تک بھی جائز ہے لیکن غروب کے بعد رمی کرنا مکروہ ہے۔ اور باقی تاریخوں میں زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک سنون وقت ہے۔

۱۳۔ رمی کرنے کے لیے ایک شبِ مئی میں گزارنا سنون ہے۔

۱۴۔ دسویں تاریخ کو جبرہ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد دوسری تاریخوں میں اس ترتیب کے ساتھ رمی کرنا سنون ہے، پہلے جبرہ اولیٰ کی رمی کی جائے جو مسجدِ خیف کے قریب ہے، پھر جبرہ وسطیٰ کی اور پھر جبرہ عقبہ کی۔

۱۵۔ جبرہ اولیٰ اور جبرہ وسطیٰ کی رمی پا پیادہ کرنا افضل ہے اور جبرہ عقبہ کی رمی سوار ہو کر کرنا افضل ہے۔

۱۶۔ جبرہ اولیٰ اور جبرہ وسطیٰ کی رمی کے بعد اتنی دیر جس میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کی جاسکے، کھڑا رہنا اور تحمید و تہلیل اور تکبیر اور ورد وغیرہ پڑھنے میں مشغول رہنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا سنون ہے۔

۱۷۔ رمی سے فارغ ہونے کے بعد مکہ مکرمہ آتے وقت کچھ دیر کے لیے محصب میں قیام کرنا سنون ہے۔

یعنی اور کھتے کے درمیان ایک میدان تھا اس کو محصب کہتے تھے، اب وہ آباد ہو گیا ہے، اور آج کل اس کو معاہدہ کہتے ہیں، حجة الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں قیام فرمایا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی

سلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز، محض میں ادا فرمائی، پھر یہاں کچھ دیر آرام فرمایا اور پھر سوار ہو کر یہاں سے بیت اللہ تشریف لے گئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔

مگر یہاں قیام کی حیثیت صرف سنت کی ہے واجب اور لازم نہیں ہے اگر کوئی قیام نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۸۔ رمی ان تمام چیزوں سے کی جاسکتی ہے، جن سے تمیم کرنا جائز ہے، اینٹ، پتھر، ٹھکری، سنگریزہ، مٹی کا ڈھیلا، مٹی وغیرہ۔ لکڑی اور شک و غنبر یا جواہرات سے رمی کرنا جائز نہیں۔

رمی کا طریقہ اور دُعا

جرم عقبہ کی پہلی رمی شروع کرنے سے پہلے ہی تلبیہ ترک کر دینا چاہیے اور پھر رمی شروع کی جائے، رمی کا سنون طریقہ یہ ہے کہ نشیب کے مقام پر کھڑے ہو کر پہلے یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ رَعْمَلِلشَّيْطَانِ وَرِئَا لِلرَّحْمٰنِ
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُورًا وَذَنْبًا مَغْفُورًا وَسُعْيًا
مَشْكُورًا۔

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اللہ سب سے بڑا ہے۔ شیطان
کی خواہش کو پامال کرتے اور اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے، اے اللہ!

اس حج کو حج مبرور بنادے اور گناہوں کو معاف فرمادے اور اس کو شیش کو
قبول فرمادے ۷

پھر کنکری کو انگلیوں کے پوروں میں پکڑ کر "اللہ اکبر" کہتے ہوئے ہر
کنکری مارے اور خوب تاک کر مارے، حجرہ عقیقہ کو پہاڑی کے اوپر سے مارنا،
یا بڑی بڑی اینٹوں اور پتھروں سے مارنا یا حجرہ کے پاس کی پڑی ہوئی کنکریوں
سے مارنا مکروہ ہے۔

خلق یا تقصیر کے مسائل

خلق کے لغوی معنی ہیں سر منڈانا اور تقصیر کے معنی ہیں بال کتر وانا۔ خلق یا تقصیر حج کے اعمال میں سے ایک لازمی عمل ہے۔

خدا کا ارشاد ہے

لَتَذْكُرَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ أَمِينَ
مُحَلِّقِينَ سُرُودَكُمْ وَمَقْعَرِينَ لَا تَخْفُونَ - (الفجہ ۱۶۴)

”تم انشاء اللہ مسجد حرام میں اپنے سر منڈا کر یا بال کتر واکرامن واماں کے ساتھ داخل ہو گے اور تمہیں کسی قسم کا کوئی خوف نہ ہو گا“

خلق یا تقصیر دراصل حالت احرام سے باہر آنے اور حلال ہونے کا ایک مقررہ شرعی طریقہ ہے اس کی حکمت پر اظہار خیال کرتے ہوئے شاعر دلی نے رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں

”خلق کی حکمت یہ ہے کہ یہ حالت احرام سے باہر آنے کا ایک خاص متعین طریقہ ہے، اگر یہ طریقہ مقرر نہ کیا جاتا جو خلاف وقار ہے تو ہر شخص اپنی اپنی خواہش کے مطابق اپنا احرام ختم کرتا اور احرام سے باہر آنے کے لیے الگ الگ طریقے تجویز کرتا“

۱۔ نحر کے دن ۱۰ ارذو الحجہ کو حجرۂ عقبہ کی رمی کے بعد حلق یا تقصیر کرانا واجب ہے۔

۲۔ مردوں کے لیے حلق اور تقصیر دونوں ہی جائز ہیں لیکن حلق کی فضیلت زیادہ ہے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرنے والوں کے لیے دو بار مغفرت کی دعا فرمائی اور تقصیر کرنے والوں کے لیے ایک بار دعا کیے مغفرت فرمائی ہے۔

۳۔ خواتین کو تقصیر ہی کرانا چاہیے، ان کے لیے حلق جائز نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سر منڈانے سے منع فرمایا ہے۔

۴۔ تقصیر میں مرد پورے سر کے بال ایک ایک انگلی کتروادے تو جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک چوڑھائی سر کے بالوں میں سے کچھ کتروادے اور خواتین کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے چند بال چوٹی میں سے کتروالیں۔

۵۔ کسی کے سر پر بال بالکل اُگے ہی نہ ہوں یعنی گنجا ہو تو اُس کے لیے صرف اُستہ سر پر پھیر لینا کافی ہے۔

کسی بال مفاد دوا کے ذریعے کوئی اپنے بال صاف کرے تو یہ بھی جائز ہے۔

معلق یا تقصیر کا عمل کر لینے کے بعد آدمی حالت احرام سے باہر آ جاتا ہے اور وہ سارے کام اس کے لیے حلال ہو جاتے ہیں جو احرام باندھنے کے بعد حرام ہو گئے تھے، البتہ بیوی سے مخصوص تعلق ابھی جائز نہیں ہے، یہ تعلق طواہت زیارت کر لینے کے بعد جائز ہوتا ہے۔

قربانی کا بیان

قربانی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی پرانی خود مذہب یا انسان کی تاریخ ہے، انسان نے مختلف ادوار میں، عقیدت و فدایت، سپردگی و جاں نثاری، عشق و محبت، عجز و نیاز، ایثار و قربانی، اور پرستش و عہدیت کے جو جو طریقے اختیار کیے خدا کی شریعت نے انسانی نفسیات اور جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے وہ تمام ہی طریقے اپنی مخصوص اخلاقی اصطلاحات کے ساتھ خدا کے لیے خاص کر دیئے، انسانوں نے اپنے معبودوں کے حضور جان کی قربانیاں بھی پیش کیں اور یہی قربانی کا سب سے اعلیٰ منظر ہے، خدا نے اس کو بھی اپنے لیے خاص کر لیا اور اپنے سوا ہر ایک کے لیے اس کو قطعاً حرام قرار دے دیا۔

انسانی تاریخ کی سب سے پہلی قربانی

انسانی تاریخ میں سب سے پہلی قربانی آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی ہے، قرآن پاک میں بھی اس قربانی کا ذکر ہے۔

وَاٰتٰنَا عَلَيْهِم نَبَاً بَنٰی اٰدَمَ بِالْحَقِّ مَرٰذُ قَتَرَا قَتْرًا
فَتَقَبَّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَكَمْ يَتَّقِبَلُ مِنَ الْاَخْوِیِّ (المائدہ: ۲۷)

۲۷ اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی ٹھیک ٹھیک سنا دیجئے جب

ان دونوں نے قربانی کی تو ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہیں

ہوئی ۛ

در اصل ایک نے جس کا نام "ہابیل" تھا۔ دل کی آمادگی سے رضاء الہی کی خاطر بہترین دُنبے کی قربانی پیش کی اور دوسرے نے جس کا نام "قابیل" تھا بے نی سے ناکارہ غلے کا ایک ڈھیر پیش کر دیا، ہابیل کی قربانی کو آسمانی آگ نے جلا ڈالا اور یہ مقبولیت کی علامت تھی، لیکن دوسری کو آگ نے نہیں جلایا اور یہ مقبول نہ ہونے کی علامت تھی۔

قربانی تمام الہی شریعتوں میں

قربانی کا حکم تمام الہی شریعتوں میں ہمیشہ موجود رہا ہے اور ہر امت کے نظام عبادت میں اسے ایک لازمی جز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسَكًا لَّيَدُنَا لِكُرْدَائِهِمْ اللَّهُ عَلَى مَا رَزَقَهُم مِّنْ بَرٍّ ذِي نِّعَمَةٍ لَا تَعَاوَدُ

”اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے

تاکہ وہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔

یعنی قربانی ہر شریعت کے نظام عبادت میں موجود رہی ہے، البتہ مختلف زمانوں، مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے نبیوں کی شریعتوں میں ان کے علاوہ کے پیش نظر قربانی کے قاعدے اور تفصیلات جدا جدا رہی ہیں، لیکن بنیادی طور پر یہ بات تمام آسمانی شریعتوں میں مشترک رہی ہے کہ جانور کی قربانی صرف اللہ کے لیے کی جائے اور اسی کا نام لے کر کی جائے۔

فَاذْكُرُوا لِلّٰهِ اَنْتُمْ وَآلُكُمْ

”پس ان جانوروں پر صرف اللہ کا نام لو“

جانوروں پر اللہ ہی کا نام لینا بڑا بلیغ انداز بیان ہے یعنی ان کو ذبح کرو تو اللہ ہی کے نام سے ذبح کرو اور اسی کے نام پر اسی کی رضا کے لیے ذبح کرو، وہی ہے جس نے تمہارے لیے یہ جانور مہیا کیے ہیں، وہی ہے جس نے ان کو تمہارے لیے سخر کیا ہے اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ان میں گوناگوں فائدے رکھے ہیں۔

قربانی ایک عظیم یادگار

اس وقت دنیا کے ہر خطے میں مسلمان جو قربانی کرتے ہیں اور ذبح عظیم کا جو منظر پیش ہوتا ہے وہ دراصل حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ہے، قرآن میں اس عظیم قربانی کے واقعے کو پیش کر کے اس کو اسلام، ایمان اور احسان قرار دیا ہے۔

قربانی دراصل اس عزم و یقین اور سپردگی و فدائیت کا عملی اظہار ہے کہ آدمی کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا ہی کا ہے اور اسی کی راہ میں یہ سب قربان ہونا چاہیے۔ یہ دراصل اس حقیقت کی علامت اور پیش کش ہے کہ اُس کا اشارہ ہوگا، تو ہم اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کریں گے، اسی عہد و پیمان اور سپردگی و فدائیت کا نام ایمان، اسلام اور احسان ہے۔

یہ سنت (یا دُکار) چھوڑ دی سلام ہے ابراہیمؑ پر ہم اپنے فداکاروں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔“

یعنی رہتی زندگی تک امت مسلمہ میں قربانی کی یہ عظیم الشان یادگار حضرت اسمعیل علیہ السلام کا فدیہ ہے، خدا نے اس فدیے کے عوض اسمعیل علیہ السلام کی جان چھڑائی کہ اب قیامت تک آنے والے فداکار ٹھیک اسی تاریخ کو دُنیا بھر میں جانور قربان کریں۔ اور وفاداری اور جان نثاری کے اس عظیم الشان واقعے کی یاد تازہ کرتے ہیں، قربانی کی یہ بے بدل سنت جاری کرنے والے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیل علیہم السلام تھے اور اس کو تاقیامت قائم رکھنے والے حضرت محمد صلی علیہ وسلم کی امت کے فداکار ہیں۔

نبیؐ سے خطاب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی اور فداکاری کی رُفح پوری زندگی میں جاری دُساری رکھنے کی تعلیم دیتے ہوئے یہ ہدایت کی گئی ہے۔

قُلْ إِنَّمَا مَسَلُوْنِي وُحْيِي وَنَحْيَايَ وَمَعَاقِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُفْرِتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (النعام: ۱۰۲-۱۰۳)

”و کہہ دیجئے کہ میری غار، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ

رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی مغربک نہیں، مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں

سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔“

خدا پر پختہ ایمان اور اس کی توحید پر یقین کامل کے معنی ہی یہ ہیں، کہ آدمی کی ساری ٹنگ و دُدا اسی کی رضا کے لیے مخصوص ہو اور وہ سب کچھ اس کی راہ میں قربان کر کے

اپنے ایمان و اسلام اور وفاداری و مہاں نشاری کا ثبوت دے۔

قربانی کا حکم ساری امت کے لیے ہے

قربانی کی اصل جگہ تو وہی ہے جہاں ہر سال لاکھوں حاجی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دراصل یہ حج کے اعمال میں سے ایک اہم عمل ہے۔ لیکن رحیم و کریم خدا نے اس عظیم شرف سے ان لوگوں کو بھی محروم نہیں رکھا ہے جو مکے سے دور ہیں اور حج میں شریک نہیں ہیں، قربانی کا حکم صرف ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو بیت اللہ کا حج کر رہے ہوں بلکہ یہ عام حکم ہے، اور سارے ہی ذی حیثیت مسلمانوں کے لیے ہے، اور یہ حقیقت احادیث رسولؐ سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی شہادت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس سال تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”جو شخص دعوت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ

کے قریب نہ آئے گا“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن فرمایا ”جس نے عید کی نماز سے پہلے جانور ذبح کر دیا اس کو دوبارہ اپنی قربانی کرنی چاہیے اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی پوری ہو گئی اور اس نے شہیک مسلمانوں کے طریقے کو پالیا“

ظاہر ہے عید الاضحیٰ کے دن مکے میں کوئی ایسی نماز نہیں ہوتی جس سے پہلے

قربانی کرنا سنتِ مسلمہ کی نکتہ نجات ہوا محالہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور اسی کی شہادت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی پیش فرماتے تھے۔ نیز ابن عمرؓ ہی کا بیان ہے کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدِ گاہ میں قربانی کیا کرتے تھے۔“

قربانی کے روحانی مقاصد

قرآن پاک نے قربانی کے تین اہم مقاصد کی طرف اشارے کیے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ قربانی دراصل وہی ہے جو ان مقاصد کا شعور رکھتے ہوئے کی جائے،

۱۔ قربانی کے جانور خدا پرستی کی نشانی ہیں۔

وَالْبَدَنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ

”اور قربانی کے اڈھول کو ہم نے ”شعائر اللہ“ قرار دیا ہے۔“

”شعائرہ“ ”شعیرہ“ کی جمع ہے، شعیرہ اس محسوس علامت کو کہتے ہیں جو کسی روحانی اور معنوی حقیقت کی طرف متوجہ کرے اور اس کی یاد کا سبب اور علامت بنے، قربانی کے یہ جانور اس روحانی حقیقت کی محسوس علامتیں ہیں کہ قربانی کرنے والا دراصل ان جذبات کا اظہار کر رہا ہے کہ ان جانوروں کا خون درحقیقت میرے خون کا قائم مقام ہے، میری جان بھی خدا کی راہ میں اسی طرح قربان ہے جس طرح میں اس جانور کو قربان کر رہا ہوں۔

۲۔ قربانی اللہ کی نعمت کا عملی شکر ہے۔

كَذَٰلِكَ سَخَّرَٰنَا لَكُمْ تَعَالَىٰ تَشْكُرُونَ ۝ (الحج: ۲۷)

”اسی طرح ان جانوروں کو ہم نے تمہاریے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم شکر

ادا کرو۔“

خدا نے جانوروں کو انسان کے لیے مسخر فرما کر اس پر عظیم احسان کیا ہے، انسان ان جانوروں سے گوناگوں فائدے اٹھاتا ہے، ان کا دودھ پیتا ہے، ان کے گوشت کو غذا بناتا ہے۔ ان کی ہڈی، کھال اور اڈن سے ضرورت کی نوع بنوع چیزیں تیار کرتا ہے، ان سے کھیتی باڑی میں مدد لیتا ہے، ان پر بوجھ ڈھوتا ہے، ان پر سواری کرتا ہے، اور ان کے ذریعے اپنی شان و شوکت کا اظہار کرتا ہے، قرآن ان فوائد کی طرف اشارہ کر کے اور ان کی تسخیر کا ذکر فرما کر خدا پرستی اور احسان مندی کے جذبات کو ابھارنا چاہتا ہے، اور یہ طرز فکر پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جس مخلوق کے بزرگ و بڑے نے عظیم الشان نعمت عطا کی ہے، اسی کے نام پر ان کی قربانی ہونی چاہیے، قربانی خدا کی عظیم نعمت کا اعلیٰ شکر ہے۔

۳۔ قربانی خدا کی عظمت اور کبریائی کا اظہار ہے۔

كَذَٰلِكَ سَخَّرَٰنَا لَكُمْ لِيُشْكِرُوا اللّٰهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ ۝

”خدا نے اس طرح جو پایوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے تاکہ تم اس کی

بخشی ہوئی ہدایت کے مطابق اس کی بڑائی اور کبریائی کا اظہار کرو۔“

یعنی ان جانوروں کا خدا کے نام پر ذبح کرنا اور اس حقیقت کا اعلان و

اظہار ہے کہ جس خدا نے یہ نعمت عطا کی ہے اور جس نے ان کو ہمارے لیے سخر کر رکھا ہے وہی ان کا حقیقی مالک ہے۔ قربانی اس حقیقی مالک کا شکر یہی ہے اور اس بات کا عملی اظہار بھی کہ مومن دل سے خدا کی بڑائی، عظمت اور کبر بانی پر یقین رکھتا ہے۔

جانور کے گلے پر چھری رکھ کر وہ اس حقیقت کا عملی اظہار و اعلان بھی کرتا ہے اور زبان سے بھی بِسْمِ اللّٰهِ، اللّٰهُ اَکْبَرُ کہہ کر اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

قربانی کی رُوح

اسلام سے پہلے لوگ قربانی کر کے اس کا گوشت بیت اللہ کے سامنے لا کر رکھتے اور اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر تھپڑتھپڑتے تھے۔ قرآن نے بتایا کہ خدا کو تمہارے اس گوشت اور خون کی ضرورت نہیں۔ اس کے یہاں تو قربانی کے وہ ہندبات پہنچتے ہیں جو ذبح کرتے وقت تمہارے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔ قربانی، گوشت اور خون کا نام نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا نام ہے کہ ہمارا سب کچھ خدا کے لیے ہے اور اسی کی راہ میں قربان ہونے کے لیے ہے۔

قربانی کرنے والا صرف جانور کے گلے پر ہی چھری نہیں پھیرتا بلکہ وہ ساری ناپسندیدہ خواہشات، کے گلے پر بھی چھری پھیر کر ان کو ذبح کر ڈالتا ہے، اس شعور کے بغیر جو قربانی کی ساتی ہے، وہ ابراہیم و اسمعیل علیہم السلام کی سنت نہیں بلکہ ایک قومی رسم ہے، جس میں گوشت اور پوست کی فراوانی تو ہوتی ہے لیکن وہ تقویٰ ناپید ہوتا ہے جو قربانی کی رُوح ہے۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآءُهَا وَلَكِنْ يَتَنَبَّهُ
التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ - (الحج: ۳۷)

”اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس

کو تمہاری جانب سے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔“

خدا کی نظر میں اس قربانی کی کوئی قیمت نہیں جس کے پیچھے تقویٰ کے جذبات
نہ ہوں، خدا کے دربار میں وہی عمل مقبول ہے جس کا محرک خدا کا تقویٰ ہو۔

إِنَّمَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ (المائدہ: ۲۷)

”اللہ صرف متقیوں کا عمل ہی قبول کرتا ہے۔“

اونٹ کی قربانی کا روحانی منظر

وَالْبُذُنَ جَعَلْنَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا
خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ مَّاذَا وَجَبَتْ
جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا قَارِعَ وَالْمُعْتَرِلَ

”اور (قربانی کے) اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے خدا پرستی کی نشانی

بتا دیا ہے، اس میں تمہارے لیے خیر ہی خبر ہے، پس ان کو قطار در قطار کھڑا

کر کے ان پر اللہ کا نام پڑھو، جب تک کہ ان کے پیروں پر ایک جگہ نہیں تو خود

کھادو، اور ان کو بھی کھلاؤ جو مانگنے سے بچتے ہیں اور ان کو بھی جو مانگتے ہیں۔“

اونٹوں کی قربانی کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو ایک قطار میں کھڑا کر کے اور

ان کے سلقوم میں نیزہ مارا جاتا ہے، جس سے خون کا ایک فوارہ چھوٹتا ہے، اور جیب خون نکل چکتا ہے۔ قودہ زمین پر گر پڑتے ہیں، قربانی کے اس منظر کو ذرا تصور میں جمائیے اور پھر غور کیجئے جانوروں کی یہ قربانی کیا ہے؟ یہی تو کہ اسی طرح ہماری جانیں ہیں، خدا کی جناب میں قربان ہونے کے لیے حاضر ہیں، دراصل یہ قربانی اپنی جان کی قربانی کے قائم مقام ہے، اس معنویت کے ساتھ اونٹوں کی قربانی پر غور کیجئے۔ ان کے زخمی ہونے، خون بہانے، مرنے اور راہِ خدا میں جان دینے کے منظر پر غور کیجئے۔ ایسا محسوس ہو گا کہ گویا میدانِ جہاد میں خدا پرستوں کی صفیں بندھی ہوئی ہیں، ان کے سلقوم اور سینوں میں تیر ہوئی ہوئی ہے، خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں، لالہ زار زمین ان کی جہاں نشانی کا ثبوت دے رہی ہے اور وہ ایک ایک کر کے خدا کے قدموں میں گر کر اپنی جانیں پیش کر رہے ہیں۔

قربانی کا طریقہ اور دُعا

جانور ذبح کرنے کے لیے اس طرح لٹایا جائے کہ اس کا رخ قبلے کی جانب رہے، اور چھری خوب تیز کر لی جائے، جہاں تک ہو اپنی قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ہی ذبح کیا جائے اور کسی دوسرے ذبح نہ کر سکے تو کم از کم اس کے پاس ہی کھڑا رہے۔

ذبح کرتے وقت پہلے یہ دعا پڑھے

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلّٰہِ فِیْ قَطْرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
عَلٰی مِلَّةِ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ رَاصَّ

صَلَوَاتِي وَتُسَبِّحُنِي وَمَسَابِي وَمَسَافِي اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ
لَا تَزِرُ وَكَرَافَتَكَ لَهُ وَبَدَا إِلَهًا أَمِيتًا وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ
اللَّهُمَّ لَكَ فَرَمَنْدَقْتُ

”میں نے ہر طرف سے نیکو ہو کر اپنا رخ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر
نمیک اس خدا کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اور میں شرک
کرنے والوں میں سے قطعاً نہیں ہوں، بلاشبہ میری نماز میری قربانی، میری زندگی اور میری
موت سب اللہ رب العالمین کیلئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا علم ملا ہے اور
میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اے اللہ! تیرے ہی حضور میں ہے اور تیری ہی بات ہے؟
پھر ۱۰۱۱ اللہ اللہ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کرے، ذبح کرنے کے بعد یہ کہے۔
اللَّهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيبِكَ مُحَمَّدٍ
وَحَلِيلِكَ ابْنِ آدَمَ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ۔

”اے اللہ! تو اس قربانی کو میری جانب سے قبول فرما جس طرح تو نے
اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی قربانی قبول
فرمائی، دونوں پر درود و سلام ہو۔“

۱۱ شکر: باب الاضحية۔

۱۲ اگر کسی اور کی جانب سے ذبح کر دیا ہو تو ”یعنی“ کہنے کے بجائے ”میں نے“ کے بعد اس کا نام
لے، اگر ایک شخص ہو تو ایک کا نام لے اور چند ہوں تو چند کا نام لے۔

قربانی کی فضیلت و تاکید
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی فضیلت اور بے بہا اجر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

(۱) ”خدا کے نزدیک نحر کے دن (یعنی دسویں ذوالحجہ کو) قربانی کا خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں ہے۔ قیامت کے روز قربانی کا سالور اپنے سینگوں، بالوں، اور کھردل سمیت حاضر ہوگا۔ اور قربانی کا خون زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ خدا کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے لہذا قربانی دل کی خوشی اور پوری آمادگی سے کیا کرو۔“

(۲) صحابہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا چیز ہے؟ ارشاد فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے، صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! اس میں ہمارے لیے کیا اجر و ثواب ہے؟ ارشاد فرمایا ہر ہر مال کے بدلے ایک نیکی ملے گی، صحابہؓ نے کہا اور اُن کے بدلے یا رسول اللہ! فرمایا ہاں اُن کے ہر ہر روپے کے بدلے میں بھی ایک نیکی ملے گی۔

(۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا، فاطمہ! اُٹھو آؤ اپنی

قربانی کے جانور کے پاس کھڑی ہو اس لیے کہ اس کا جو قطرہ بھی زمین پر گرے گا، اس کے بدلے میں خدا تمہارے پچھلے گناہ بخش دے گا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا، یہ خوشخبری ہم اہل بیت کے لیے ہی مخصوص ہے یا ساری امت کے لیے ہے؟ ارشاد فرمایا، ہمارے اہل بیت کے لیے بھی ہے اور ساری امت کے لیے بھی ۵

(۴) حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید النضر کے دن بغیر کچھ تناول فرمائے نماز کو نہیں بہاتے تھے، اور عید الاضحیٰ کے دن نماز عید الاضحیٰ پڑھنے سے پہلے کچھ نہیں کھاتے تھے، اور جب واپس تشریف لاتے تو قربانی کے جانور کی کبھی پہلے تناول فرماتے تھے ۵

قربانی کے احکام و مسائل

قربانی کرنے والے کیلئے مسنون عمل

جو شخص بھی قربانی کا ارادہ کرے وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ جسم کے کسی حصے کے بال کاٹے اور مونڈے اور نہ ناخن کتر دے، پھر جب قربانی کا ہانور ذبح کر لے تو بال اور ناخن وغیرہ بنوائے، یہ عمل مسنون ہے واجب نہیں ہے اور جو شخص قربانی کی وصعت نہ رکھتا ہو اس کے لیے بھی بہتر یہ ہے کہ وہ قربانی کے دن اپنے بال بنوائے، ناخن کٹوائے، خط بنوائے اور زیرِ ناف کے بال لے۔ خدا کے نزدیک اس کا یہی عمل قربانی کا قائم مقام بن جائے گا۔

حضرت ائمہ سلمہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

”جس کو قربانی کرنا ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ اپنے بال

بنوائے اور نہ ناخن کٹوائے یہاں تک کہ وہ قربانی کر نہ لے۔“

”حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں (یعنی ذوالحجہ کو) عید

مناؤں، اللہ نے اس دن کو اس امت کے لیے عید کا دن قرار دیا ہے، ایک شخص

نے پوچھا، یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر میرے پاس ایک ہی بکری ہو جو کسی نے
دوسرے کے لیے مجھے دے رکھی ہو تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ ارشاد فرمایا
نہیں تم اس کی قربانی نہ کرو۔ بلکہ (قربانی کے دن) اپنے بال بوالینا، اپنے ناخن
کشوالینا، اپنی مچھلیں کتر واکر درست کرالینا، اور زیر ناف کے بال صاف کر لینا،
بس خدا کے نزدیک یہی تمہاری پوری قربانی ہو جائے گی۔ ۱۔

قربانی کے جانور اور ان کے احکام

۱۔ قربانی کے جانور یہ ہیں۔

(اونٹ، اونٹنی، دُنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ، گائے، بیل، بھینس، بھیلسا۔

ان جانوروں کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں۔

۲۔ دُنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ کی قربانی صرف ایک آدمی کی طرف سے ہو سکتی ہے
ایک سے زائد کئی آدمی اس میں حصہ دار نہیں ہو سکتے۔

۳۔ گائے، بھینس اور اونٹ میں سات حصے ہو سکتے ہیں، سات سے زائد نہیں،
مگر اس کے لیے دو شرطیں ہیں، پہلی یہ کہ ہر حصے دار کی نیت قربانی یا عقیقے کی ہو، محض
گوشت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہر حصے دار کا حصہ ٹھیک چارہو، اس سے کم کا حصہ دار نہ ہو۔

۱۔ جمع الفوائد، نسائی، ابوداؤد۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَلْبَقْسُ لَا عَنْ سَبْعَةٍ وَ الْجَنُّ وَرُ عَنْ سَبْعَةٍ،
گائے سات افراد کی طرف سے اور اونٹ سات افراد کی طرف سے۔ (مسلم)

۴۔ ان دو شرطوں میں سے کوئی بھی شرط پوری نہ ہوئی تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

۴۔ گائے، بھینس، اونٹ میں سات افراد سے کم بھی شریک ہو سکتے ہیں مثلاً۔

کوئی دو، چار، یا کم و بیش حصے لے، مگر اس میں بھی یہ شرط ضروری ہے کہ کوئی حصے دار ساتویں حصے سے کم کا شریک نہ ہو ورنہ کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

۵۔ ایک شخص نے گائے خریدی اور ارادہ یہ ہے کہ دوسروں کو شریک کر کے

قربانی کر لیں گے تو یہ درست ہے، اور اگر خریدتے وقت پوری گائے اپنے ہی

لیے خریدی پھر بعد میں دوسروں کو شریک کرنے کا ارادہ کر لیا، تو یہ بھی جائز ہے،

البتہ بہتر یہی ہے کہ ایسی صورت میں اپنے پہلے ارادے کے مطابق پورا جانور

اپنی طرف سے ہی کرے، لیکن دوسروں کو شریک کرنا ہی چاہے تو خوشحال آدمی

کو شریک کرے جس پر قربانی واجب ہو، اگر کسی ایسے شخص کو شریک کر لیا جس پر

قربانی واجب نہیں ہے تو درست نہیں۔

۶۔ گائے، بھینس کی قربانی میں ایک یا ایک سے زائد افراد کے حصے از خود

ہی تجویز کر کے قربانی کرنی اور ان افراد کی مرضی اور اجازت نہیں لی تو یہ قربانی

صحیح نہیں ہے، جن لوگوں کے بھی حصے رکھے جائیں ان کے کہنے سے رکھے جائیں

یہ نہیں کہ از خود حصے دار تجویز کر کے قربانی تو پہلے کرنی چاہئے اور حصے داروں کی

مرضی اور اجازت بعد میں حاصل کی جائے۔

۷۔ بکرا، بکری اور دنبہ بھیڑ جب پورے سال بھر کے ہو جائیں تو ان کی قربانی

درست ہے سال بھر سے کم کے ہوں تو قربانی درست نہیں اور گائے بھینس پورے

دو سال کے ہو جائیں تو ان کی قربانی درست ہے، دو سال سے کم کے ہوں تو قربانی

درست نہیں اور اونٹ پورے پانچ سال کا ہو تب قربانی درست ہے، پانچ سال سے کم کا ہو تو اُس کی قربانی درست نہیں۔

۸۔ جس جانور کے سینک پیدا لشی طور پر نکلے ہی نہ ہوں، یا نکلے ہوں مگر کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہو تو اُس کی قربانی جائز ہے، البتہ جس جانور کے سینک بالکل جڑ سے ہی ٹوٹ گئے ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں۔

۹۔ اندھے، کانے جانور کی قربانی درست نہیں اور اُس لنگڑے جانور کی قربانی بھی درست نہیں جو صرف تین پیروں سے چلتا ہو، چوتھا پیر زمین پر رکھا ہی نہ جاتا ہو یا رکھتا ہو لیکن اس پر زور دے کر نہ چلتا ہو صرف تین پیروں کے سہارے چلتا ہو، ہاں اگر چوتھا پیر بھی کام کر رہا ہو اور چلنے میں صرف لنگ ہو تو پھر قربانی درست ہے۔

۱۰۔ جس جانور کا کان ایک تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو، یا دم ایک تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو اُس کی قربانی درست نہیں۔

۱۱۔ دُب پتلے جانور کی قربانی تو جائز ہے البتہ بہتر یہ ہے کہ موٹا تازہ صحیح سالم اور خوبصورت جانور خدا کی راہ میں قربان کیا جائے، اور اگر جانور ایسا سریل اور دُبلا کمزور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہ رہ گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

”حضرت ابوسعید کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک سینگوں والے موٹے تازے دنبے کی قربانی کر رہے تھے جس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی، جس کا منہ بھی سیاہ رنگ کا تھا اور جس کی ٹانگیں بھی سیاہ تھیں۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ قربانی کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دُنبے سینگوں والے چیت کبرے اور خسی ذبح کیے :

۱۲۔ جس جانور کے پیدائشی طور پر کان نہیں ہیں یا ہیں تو بہت ہی چھوٹے چھوٹے ہیں، اس کی قربانی درست ہے۔

۱۳۔ جس جانور کے دانت بالکل ہی نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اور اگر چند دانت گرے ہوں باقی زیادہ دانت موجود ہوں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۱۴۔ خسی کبرے اور مینڈھے کی قربانی درست ہے۔ خسی ہونا عیب نہیں ہے بلکہ جانور کو فرو کرنے کا ایک سبب ہے، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خسی دُنبے کی قربانی کی ہے۔

۱۵۔ ایک خوشحال آدمی نے، جس پر قربانی واجب تھی، ایک جانور قربانی کے لیے خریدا، خرید لینے کے بعد اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہ رہی، تو ضروری ہے کہ وہ شخص دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے، ہاں اگر کسی ایسے نادار شخص کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا جس پر قربانی واجب نہ تھی تو اس کے لیے اسی عیب دار جانور کی قربانی کر لینا جائز ہے۔

۱۶۔ گائے اور بکری اگر حاملہ ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے، اگر بچہ زندہ برآمد ہو تو اس کو بھی ذبح کر لینا چاہیے۔

قربانی کا حکم

۱۔ قربانی کرنا واجب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جس کے ارادے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

”جو شخص وسعت رکھتے ہوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے“

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟ آپ نے جواب دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ اس نے پھر وہی سوال دہرایا کیا قربانی واجب ہے؟ ارشاد فرمایا تم سمجھتے ہو ابھی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے؟“

۲۔ قربانی قارن پر بھی واجب ہے اور متتابع پر بھی البتہ مکروہ پر واجب نہیں اگر وہ اپنے طور پر کر لے تو اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

۳۔ زائرین کرم کے علاوہ عام مسلمانوں پر قربانی واجب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وہ خوشحال ہو، خوشحال سے مراد یہ ہے کہ اُس کے پاس اتنا مال و اسباب ہو جو اس کی بنیادی ضرورتوں سے زائد ہو اور اگر ان کا حساب لگایا جائے تو یہ بقدر نصاب ہو جائے یعنی جس شخص پر صدقہ فطر واجب ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مقیم ہو مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

۴۔ قربانی صرف اپنی ہی سہانہ سے واجب ہے، نہ بیہوی کی طرف سے واجب ہے نہ اولاد کی طرف سے۔

۵۔ کسی شخص پر قربانی شرعاً واجب نہیں تھی لیکن اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا، تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہو گئی۔

۶۔ ایک شخص پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور وہ کسی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا، اگر اس نے بکری وغیرہ خرید لی تھی تب تو اسی بکری کو زندہ غیرات کر دے اور نہ خریدی ہو تو ایک بکری کی قیمت بھر رقم غیرات کر دے۔

۷۔ کسی نے سنت اور نذرمانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو قربانی کر دوں گا پھر خدا کے فضل و کرم سے وہ کام ہو گیا تو چاہے یہ شخص غوثِ شمال ہو یا نادار بہر حال اس پر قربانی واجب ہو گئی، اور نذر کی قربانی کا حکم یہ ہے کہ اس کا سارا گوشت غریبوں اور مساجت مندوں میں تقسیم کر دیا جائے، قربانی کرنے والا خود بھی نہ کھائے اور نہ غوثِ شمال لوگوں کو کھلائے۔

قربانی کے ایام اور وقت

۱۔ عید الاضحیٰ یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر ذوالحجہ کی بارہویں تاریخ تک غروبِ آفتاب سے پہلے تک قربانی کے ایام ہیں ان تین ایام میں سے جب اور جس دن سہولت ہو قربانی کرنا جائز ہے لیکن قربانی کا سب سے افضل دن عید الاضحیٰ کا دن ہے پھر گیارہویں تاریخ اور پھر بارہویں۔

۲۔ شہر اور قصبات کے باشندوں کے لیے نماز عید سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تب قربانی کریں۔ البتہ دیہات کے باشندے نماز فجر کے بعد بھی قربانی کر سکتے ہیں۔

۳۔ شہر اور قصبات کے باشندے اگر اپنی قربانی کسی دیہات میں کر رہے

ہوں تو ان کے جانوروں کی قربانی دیہات میں فجر کے بھیجی ہو سکتی ہے اور اگر وہاں سے نماز عید سے پہلے ہی گوشت آجائے، تب بھی یہ قربانی درست ہے۔

۴۔ ایام قربانی یعنی ذوالحجہ کی دس تاریخ سے بارہویں تاریخ غروب آفتاب تک، جس وقت چاہیں قربانی کر سکتے ہیں، دن میں بھی اور رات میں بھی، لیکن افضل یہی ہے کہ شب میں قربانی نہ کی جائے ہو سکتا ہے کہ کوئی رگ سلیقے سے نہ کٹے یا رہ جائے اور قربانی درست نہ ہو۔

۵۔ قربانی واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں، مقیم ہونا اور خوشحال ہونا۔ اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور وہ بارہویں ذوالحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور خوشحال ہے تو اس پر قربانی واجب ہو گئی اور اگر وہ مقیم ہے اور نادار ہے، لیکن بارہویں ذوالحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے خدانے اسے مال و دولت سے نواز دیا تو اس پر بھی قربانی واجب ہو گئی۔

قربانی کے متفرق مسائل

۱۔ قربانی کرتے وقت نیت کا زبان سے اظہار کرنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں صرف دل کی نیت اور ارادہ قربانی صحیح ہونے کے لیے کافی ہے، البتہ زبان سے دعا پڑھنا بہتر ہے۔

۲۔ اپنی قربانی کا جانور اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے، ہاں اگر کسی دھرم سے خود ذبح نہ کر سکے تو کم از کم وہاں موجود ہی رہے، اور خواتین بھی اپنی قربانی کا جانور ذبح ہوتے وقت موجود رہیں تو بہتر ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا
 ”فاطمہ! اٹھو اپنی قربانی کے بانور کے پاس کھڑی ہو اس لیے کہ
 اس کے ہر قطرہ خون کے بدلے تمہارے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں
 گے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! یہ ہم اہل بیت کے لیے
 ہی خصوصی کرم ہے یا ہمارے لیے بھی ہے اور عام مسلمانوں کے لیے
 بھی؟۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہمارے لیے بھی ہے
 اور سارے مسلمانوں کے لیے بھی ہے۔“

۳۔ گائے، بھینس وغیرہ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہوں تو گوشت کی
 تقسیم اندازے سے نہ کریں بلکہ سری، پائے اور گردہ کلیجی وغیرہ سب کو شامل
 کر کے سات حصے بنائیں اور پھر جس کے جتنے حصے ہوں اس کو صاحبے دے دیں۔
 ۴۔ قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب
 میں بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی تو غریب اور مساکین میں تقسیم
 کر دیں اور باقی اپنے اور اپنے عزیز واقارب اور دوست احباب کے لیے رکھ لیں
 لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ ایک تہائی خیرات ہی کیا جائے، ایک تہائی سے کم بھی
 فقیروں اور غریبوں میں بانٹ دیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔

۵۔ گائے، بھینس اور اونٹ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہیں اور وہ
 آپس میں گوشت تقسیم کرنے کے بجائے سب ایک ساتھ ہی فتراہ اور مساکین میں تقسیم

کرنا چاہتے ہیں یا پکا کر کھلانا چاہتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

۶۔ قربانی کا گوشت غیر مسلمانوں کو دینا بھی جائز ہے، البتہ اُجرت میں دینا صحیح نہیں ہے۔

۷۔ قربانی کی کھال بھی کسی حاجت مند کو خیرات میں دی جاسکتی ہے اور اس کو فروخت کر کے رقم بھی خیرات کی جاسکتی ہے، یہ رقم ان لوگوں کو دینا چاہیئے جو کوڑکوة دی جاتی ہے۔

۸۔ قربانی کی کھال کو اپنے کام میں لانا بھی جائز ہے، مثلاً نماز پڑھنے کے لیے سا نماز جوڑائی ہائے یا ڈول وغیرہ جوڑا جائے۔

۹۔ تصاب کو گوشت بنانے کی مزدوری میں گوشت کھال یا رسی وغیرہ نہ دی جائے بلکہ مزدوری الگ سے دی جائے اور ہانور کی رسی، کھال وغیرہ سب خیرات کر دینی چاہیئے۔

۱۰۔ جس شخص پر قربانی واجب ہے اس کو تو کرنا ہی ہے جن پر واجب نہیں ہے، ان کو بھی اگر غیر معمولی زحمت نہ ہو تو ضرور قربانی کرنی چاہیئے۔ البتہ دوسروں سے قرض لے کر قربانی کرنا مناسب نہیں۔

مردوں کی طرف سے قربانی

خدا نے جس شخص کو مال و دولت سے نوازا ہے، وہ صرف واجب قربانی پر ہی کیوں اکتفا کرے، بلکہ قربانی کا بے حد حساب اجر و انعام پانے کے لیے اپنے بزرگوں، یعنی مُردہ ماں باپ، دادا، دادی اور دوسرے

رشتے داروں کی طرف سے بھی قربانی کرے تو بہتر ہے، اور اپنے محسن اعظم
 رسی اللہ علیہ وسلم، جن کی بدولت ہدایت و ایمان کی دولت نصیب ہوئی ہے، کی طرف
 سے قربانی تو مومن کی بہت بڑی سعادت ہے۔ اسی طرح ازواجِ مطہرات یعنی
 اپنی روحانی ماؤں کی طرف سے قربانی کرنا بھی انتہائی خوش نصیبی ہے۔

ہدی کا بیان

ہدی کے لغوی معنی ہیں، تحفہ اور ہدیہ، اور شریعت کی اصطلاح میں ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو زائرِ حرمِ قربانی کرنے کے لیے اپنے ہمراہ لے جاتا ہے یا کسی درپے سے وہاں بھیج دیتا ہے۔

۱۔ ہدی کی تین قسمیں ہیں، اونٹ، گائے اور بکری۔

اونٹ ہدی کی اصلی قسم ہے اور بکری ہدی کی ادنیٰ قسم ہے۔ — بھیر، دُوبہ وغیرہ بکری کے حکم میں ہیں اور بھینس، بیل وغیرہ گائے کے حکم میں۔

۲۔ ہدی کے جانوروں کی صحت، اور عمر وغیرہ سے متعلق احکام و شرائط وہی ہیں جو قربانی کے جانوروں سے متعلق ہیں۔

۳۔ ہدی اگر قطوع کی ہو، جیسے حج افراد کر لے والا اپنی خوشی سے نفلی قربانی پیش کرے، تو اس قربانی کا گوشت ہدی دینے والا خود بھی کھا سکتا ہے، اسی طرح حج قرآن اور حج تمتع کرنے والا بھی اپنی قربانی کا گوشت کھا سکتا ہے، جس طرح عام قربانی کا گوشت خود کھانا جائز ہے، کیونکہ قرآن اور تمتع کی ہدی کسی جرم یا کوتاہی کا کفارہ نہیں ہے بلکہ بطور تشکر اللہ تعالیٰ نے قایل اور متمتع پر واجب کیا ہے، اس لیے

قربانی کے گوشت کی طرح اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہدیٰ کے ہر ایک جانور میں سے ایک ایک ٹکڑا پکوا دیا اور کھایا اور اس کا شور با بھی پیا۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح مسلم میں منقول ہے، اور (احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے حج میں کئی قربانیاں کی تھیں، ظاہر ہے قربان یا تمتع کی تو ایک ہی قربانی ہوگی باقی قربانیاں نفلی ہی ہوں گی، اور آپ نے جب ہر ایک میں سے ایک ایک ٹکڑا پکوا دیا تو معلوم ہوا کہ تمتع، قربان اور نفلی بدلہ تینوں ہی کا گوشت قربانی کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے)۔

تمتع، قربان اور تطوع کے علاوہ کسی ہدی کا گوشت خود کھانا جائز نہیں۔ چاہے وہ کسی جرم کے کفارے کی ہدی ہو، چاہے نذر و سنت کی اور چاہے وہ دم احصاء ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صلح حدیبیہ کے موقع ہجج سے روک دیئے گئے تو آپ نے ناجیہ اسلمی کے ہاتھ احصاء کی ہدی روانہ کی اور ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ اس میں سے تم بھی نہ کھانا اور تمہارے ساتھی بھی نہ کھائیں۔

۵۔ جس ہدی کا خود کھانا جائز نہیں ہے اس کا سارا گوشت فقراء اور مساکین میں صدقہ کر دینا واجب ہے، حرم کے فقراء کو دیا جائے یا حرم کے باہر کے فقراء کو دونوں کو دینا صحیح ہے، فقراء حرم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

۶۔ جس ہدی کا خود کھانا جائز ہے اس کا سارا گوشت مساکین میں صدقہ کرنا واجب

نہیں بلکہ مستحب ہے کہ قربانی کی طرح اس کے تین حصے کر لیے جائیں، ایک حصہ اپنے کھانے کے لیے، ایک حصہ بچے عزیز و اقارب میں تحفہ کے طور پر دینے کے لیے اور ایک حصہ فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے، لیکن ایسا کرنا ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص سارا کسا را گوشت خوار اور مساکین میں تقسیم کر دے تب بھی ہائز ہے۔

آبِ زمزم اور اس کے آدابِ دعا

بیت اللہ سے شرق کی جانب ایک تاریخی کنواں ہے، جس کو زمزم کہتے ہیں۔ حدیث میں اس کنوئیں کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس کے پانی کی بھی بڑی برکت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے جب اسمعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ہاجرہ کو مکہ کے بنے آب و گیاہِ رنگستان میں لاکر ہمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کھا کر اس پٹیل میدان میں ان کے لیے زمزم کا یہ چشمہ جاری فرمایا۔ حدیث میں ہے

هِيَ هَضْبَةٌ مَاءٌ جَبْرِئِيلَ وَسُقْيَا إِسْمَاعِيلَ ۝

”یہ جبریلؑ کا گھودا ہوا کنواں ہے اور اسمعیلؑ کا سقاوہ ہے۔“

سعی اور حلق و تقصیر وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد زمزم کا پانی خوب ہی شگم سیر ہو کر پینا چاہیے۔ زمزم کا پانی اس افراط کے ساتھ پینا کہ پسلیاں تن جائیں لیکن کی علامت ہے، ایمان سے محروم منافق اتنا نہیں پی سکتا کہ اس کی پسلیاں تن سکیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

”ہمارے اور منافقین کے درمیان ایک امتیازی علامت یہ ہے

کہ منافقین زمزم کا پانی اتنا شکم سیر ہو کر نہیں پیتے کہ ان کی پسلیاں
تن جائیں ۛ

آپ زمزم کی برکت اور فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے۔

”آپ زمزم جس مقصد سے پیا جائے، وہ اسی مقصد کے لیے
مفید ہو جاتا ہے، شفا کے لیے پیو تو خدا شفا بخشے گا، پیٹ بھرنے
اور آسودہ ہونے کے لیے پیو تو خدا تمہیں آسودہ کر دے گا۔
پاس بجھانے کے لیے پیو تو اللہ تعالیٰ تمہاری پاس بجھا دے
گا یہ وہ کنواں ہے جس کو جبریلؑ نے اپنی ٹھوکر کی قوت سے کھودا
تھا اور یہ اسمعیلؑ کی سبیل ہے ۛ

یعنی خدا کے حکم سے حضرت جبریلؑ نے مخصوص طور پر حضرت اسمعیلؑ اور حضرت
ہاجرہؑ کے لیے اس وادی غیر فدیٰ زرعی میں کھودا تھا تا کہ وہ اس سے بھوک پاس
بجھا سکیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا۔

”روئے زمین کے ہر پانی سے زیادہ افضل زمزم کا پانی ہے،
یہ بھوک کے لیے غذا ہے اور بیمار کے لیے شفا ہے ۛ

ۛ ابن ماجہ۔

ۛ دارقطنی۔

ۛ ابن حبان۔

نیز انہی کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

”جو شخص زمزم کا پانی اس غرض سے پیے گا کہ دشمن سے پناہ پا لے تو اُسے پناہ حاصل ہوگی“

زمزم کا پانی کھڑے ہو کر اور بسم اللہ پڑھ کر پینا چاہیے۔ اور خوب ہی جی بھر کر پینا چاہیے۔ پیتے وقت یہ دعا پڑھی جائے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً
مِّنْ كُلِّ دَاءٍ

”اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع کا سائل ہوں، کشادہ روزی چاہتا ہوں، اور ہر مرض سے شفا کا طالب ہوں۔“

ملترزم اور اس کی دعا

ملترزم بیت اللہ کی دیوار کے اُس حصے کو کہتے ہیں جو باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے۔ یہ تقریباً چھ فٹ کا حصہ ہے اور یہ قبولیت دعا کے اہم مقامات میں سے ایک ہے، اس سے چپٹ کر گڑ گڑانا، سینے اور رُخسار لگا کر انتہائی لجاجت اور عاجزی سے دعائیں مانگنا حج کا ایک سنوں عمل ہے، طواف سے فارغ ہونے کے بعد ملترزم سے چٹھنا اور دعا کرنا، خاص طور پر اس لیے بھی ایک کیفیت پیدا کرتا ہے کہ یہ بیت اللہ سے رخصت کا وقت ہوتا ہے۔

مسند عمرو بن شعیب کہتے ہیں میرے والد شعیب کا بیان ہے ”میں اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے ہمراہ طواف کر رہا تھا کہ میں نے کچھ لوگوں کو بیت اللہ سے چٹھتے ہوئے دیکھا، میں نے عبداللہ بن عمروؓ سے کہا، یہیں بھی اس جگہ لے چلیے، ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ اسی طرح بیت اللہ سے چٹھیں گے۔ تو انہوں نے کہا ”اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم“ پھر جب وہ طواف کر کے فارغ ہوئے تو وہ بیت اللہ کے اس خاص حصے کو چپٹ گئے جو بیت اللہ اور حجر اسود کے درمیان میں ہے، اور کہا خدا کی قسم یہی وہ جگہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے چٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔“

اور ابو داؤد کی روایت میں حضرت شعب کا بیان یوں ہے کہ ”عبد اللہ ابن عمرو حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کھڑے ہوئے، اور اپنا سینہ، چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اس طرح خوب پھیلا کر (دیوار کعبہ پر) رکھیں اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔“

ملتزم کی دعا کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”جو کوئی بھی مصیبت کا مارا اور آفت رسیدہ شخص یہاں پر دعا مانگے گا وہ ضرور عافیت پائے گا۔“

ملتزم سے چٹ کر پہلے یہ دعا پڑھی جائے تو بہتر ہے پھر دین و دنیا کی جو ہائزہ مرادیں چاہے مانگے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا يُّوَاتِي نِعْمَكَ وَيُكَافِي
مَزِيْدَكَ اَحْمَدُكَ بِجَمِيْعِ تَحَامِيْدِكَ مَا عَلِمْتُ وَمَا لَمْ
اَعْلَمْ وَ عَلَى جَمِيْعِ نِعَمِكَ مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ
وَ عَلَى كُلِّ حَالٍ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى اٰلِ
مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّنِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَ اَعِزَّنِيْ
مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَ قِنِّعْنِيْ بِمَا رَزَقْتَنِيْ وَ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ اَكْرَمِ رَفِيقِكَ عَلَيَّكَ وَ اَلْزِمْنِيْ

سَبِيْدًا اِلَّا سَبَقَامَةً حَتّٰى اَلْقَاكَ يٰ اَرْبَّ الْعٰلَمِيْنَ -
(ادکار علامہ تودوی)

”اے اللہ! حمد و شکر کا تو ہی مستحق ہے اُس حمد و شکر کا جس سے تیری نعمتوں کا کچھ حق ادا ہو سکے، اور ان نعمتوں پر مزید احسان و انعام کا کچھ بدل بن سکے، میں تیری حمد و ثنا کرتا ہوں تیری ان تمام خوبیوں کے ساتھ جن کا مجھے علم ہے اور ان خوبیوں کے ساتھ بھی جن کا مجھے علم نہیں، تیری ان تمام عطا کردہ نعمتوں پر جن میں سے کچھ کا مجھے علم ہے اور کچھ میرے دائرہ علم سے باہر ہیں، اور ہر حال میں تیرا شکر گزار اور تیرا ثنا خواں ہوں، اے اللہ! درود و سلام جو محمد پر اور محمد کی آل پر۔ اے اللہ! مجھے شیطانِ مردود سے اپنی پناہ میں رکھ اور مجھے اپنی پناہ دے ہر بُرائی سے اور تو نے مجھے جو کچھ عنایت فرمایا ہے اس پر مجھے قانع بنا دے اور میرے لیے اس میں برکت پیدا فرما دے“

”اے اللہ! تو مجھے اپنے عزت و اکرام والے مہمانوں میں سے بنا دے اور سید سے راستے پر اس وقت تک جے رہنے کی توفیق عطا فرما اے رب العالمین! جب کہ میں تجھ سے اُکرموں“

قبولیت دعا کے مقامات

حج کے دوران ہر ہر عمل کرتے ہوئے ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا اور ہر ہر مقام پر کثرت سے دعائیں کرنا مومن کی شان ہے بالخصوص بعض متعین مقامات پر تو دعاؤں کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب کہتے سے بصرے واپس جانے لگے تو آپ نے کہے والوں کے نام ایک خط لکھا جس میں کہے کے قیام کی اہمیت اور فضائل کا ذکر کیا، اور خاص طور پر یہ واضح فرمایا کہ ان پندرہ مقامات پر خصوصیت کے ساتھ بندہ مومن کی دعا قبول ہوتی ہے۔

- (۱) طواف بیت اللہ میں۔
- (۲) میزاب کے نیچے۔
- (۳) کعبہ مقدسہ کے اندر۔
- (۴) آپ زمزم کے پاس۔
- (۵) صفا کی پہاڑی پر۔
- (۶) مروہ پر۔
- (۷) صفا اور مروہ کے درمیان جہاں سعی کی جاتی ہے۔
- (۸) مقام ابراہیم کے نیچے۔

(۹) عرفات کے میدان میں۔

(۱۰) مزدلفہ میں (مشعر الحرام کے پاس)۔

(۱۱) منیٰ میں۔

(۱۲) ملتزم سے چمٹ کر۔

(۱۳) جہرات کے پاس۔

(۱۴) جہرات کے پاس۔

(۱۵) جہرات کے پاس۔ لہ



عمرہ کے معنی ہیں آباد مکان کا ارادہ کرنا، زیارت کرنا، اور اصطلاح شرع میں عمرے سے مراد وہ چھوٹا حج ہے، جو ہر زمانے میں ہو سکتا ہے، اس کے لیے کوئی عہدہ اور دن مقرر نہیں، جب اور جس وقت جی چاہے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف کریں، سعی کریں، اور حلق یا تقصیر کر کے احرام کھول دیں۔ عمرہ حج کے ساتھ بھی کیا جاسکتا ہے اور حج سے علیحدہ بھی، عمرہ کرنے والے کو معتقر کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ - (البقرہ: ۱۹۷)

”اور اللہ کی رضا کے لیے حج اور عمرہ پورا کرو۔“

حدیث میں عمرہ کی بڑی فضیلت آئی ہے،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

”سب سے بہتر عمل ایمان کی شہادت ہے، اس کے بعد ہجرت

اور جہاد کا مرتبہ ہے، پھر دو عمل ہیں جن سے زیادہ کوئی عمل افضل نہیں

ایک حج مبرور اور دوسرا عمرہ مبرور ۷

عمرہ مبرورہ کے معنی ہیں وہ عمرہ جو محض خدا کی رضا کے لیے اہل کے تمام آداب و شرائط کے ساتھ کیا گیا ہو، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،
 ”جو شخص اپنے گھر سے حج یا عمرے کی نیت سے روانہ ہوا اور راستے ہی میں اس کا انتقال ہو گیا تو وہ شخص بغیر حساب جنت میں داخل ہوگا، اللہ تعالیٰ بیت اللہ کا طواف کرنے والوں پر فخر کرتا ہے۔“
 اور آپ کا ارشاد ہے

”حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں“ یہ اللہ کی دعوت پر آئے ہیں، یہ جو کچھ خدا سے مانگتے ہیں وہ ان کو عطا فرماتا ہے۔“

نیز فرمایا
 ”ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کے لیے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔“

عمرہ کے مسائل

۱۔ عمرہ زندگی میں صرف ایک بار سنت مؤکدہ ہے، اس کے علاوہ جب بھی کیا جائے باعث اجر و برکت ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

۱۔ البیہقی، درمطہنی۔

۲۔ البزار۔

۳۔ بخاری، مسلم۔

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ”کیا عمرہ واجب ہے؟“ آپؐ نے فرمایا ”نہیں البتہ عمرہ کیا کرو اس کی بڑی فضیلت ہے۔“

۲۔ عمرہ کے لیے کوئی قبلہ، دن اور وقت مقرر نہیں ہے، جس طرح کہ حج کے ایام اور اس کے مناسک کے لیے ایام مقرر ہیں، جب اور جس وقت موقع ہو عمرہ کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ رمضان المبارک میں عمرہ کرنا مستحب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

”رمضان میں عمرہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ میری حجت میں حج کرنا ہے۔“

۴۔ عمرے کے لیے میقات مل ہے، اور سب ہی لوگوں کے لیے ہے، چاہے وہ آفاقی ہوں یا میقات کے اندر مل اور نکلنے کے پہنچنے والے تھے۔

۵۔ عمرے کے اعمال صرف یہ ہیں، احرام باندھنا، بیت اللہ کا طواف کرنا، صفا، مردہ کے درمیان سعی کرنا، اور حلق یا تقصیر کرنا۔

۱۔ جمع الفوائد بحوالہ ترمذی۔

۲۔ ابوداؤد، ترمذی اور بخاری کی روایت میں ہے۔ رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے۔

۳۔ حج کی میقات کے والوں کے لیے حرم ہے۔

حج کی قسمیں

حج کی تین قسمیں اور تینوں کے کچھ الگ الگ مسائل ہیں۔
(۱) حج افراد (۲) حج قرآن (۳) حج تمتع۔

حج افراد

افراد کے لغوی معنی ہیں، اکیلا کرنا، تنہا کام کرنا وغیرہ اور اصطلاح شرع میں افراد سے مراد وہ حج ہے جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے، صرف حج کا احرام باندھا جائے اور صرف حج کے مراسم ادا کیے جائیں، حج افراد کرنے والے کو مفرد کہتے ہیں، مفرد احرام باندھتے وقت صرف حج کی نیت کرے اور سارے ارکان حج جو اس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں ادا کرے، مفرد پر قربانی واجب نہیں ہے۔

حج قرآن

قرآن کے لغوی معنی ہیں دو چیزوں کو باہم ملانا۔ اور اصطلاح شرع میں قرآن حج اور عمرے کا احرام ایک ساتھ باندھ کر دونوں کے ارکان ادا کرنے کو کہتے ہیں، حج قرآن کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔

حج قرآن، افراد اور تمتع دونوں سے افضل ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”حج اور عمرے کو بلا کر ادا کرو۔ اس لیے کہ یہ دونوں، ناداری اور گناہوں کو (آدمی سے) اس طرح، نیست و نابود کر دیتے ہیں جیسے کہ بھٹی لوہے اور سولے اور چاندی کے میل کچیل کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔“

قرآن کے مسائل

- ۱۔ قارن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمرہ، حج کے مہینوں میں کرے۔
- ۲۔ حج قرآن میں عمرہ کا طواف حج کے طواف سے پہلے کرنا واجب ہے، اور عمرے کے لیے الگ طواف اور سعی ہے اور حج کے لیے الگ ہے۔
- ۳۔ قرآن میں عمرے کے تمام افعال سے فراغت کے بعد حج کے افعال و مناسب شروع کرنا مسنون ہے۔

- ۴۔ قارن کے لیے یہ منوع ہے کہ وہ عمرہ کر کے حلق یا تقصیر کرالے۔
- ۵۔ قارن کے لیے یہ جائز تو ہے کہ وہ عمرے کا طواف اور حج کا طواف قدم

۱۔ امام شافعیؒ کے نزدیک افراد افضل ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک تمتع افضل ہے، اس لیے کہ حج تمتع کا ذکر قرآن میں فرمایا گیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں، ”اگر قرآنی کے جانور ساتھ ہوں تو قرآن افضل ہے اور جب قرآنی کے جانور ساتھ نہ ہوں تو تمتع افضل ہے۔“ ۲۔ علامہ اہل حدیث کے نزدیک حج قرآن میں عمرے اور حج کے لیے ایک ہی طواف اور سعی کافی ہے۔

ایک ساتھ کر لے اور اسی طرح دونوں کی سعی بھی ایک ساتھ کر لے، لیکن ایسا کرنا سنت کے خلاف ہے۔

۶۔ حج قرآن کرنے والے پر قربانی واجب ہے اور یہ قربانی دراصل اس بات کا شکریہ ہے کہ خدا نے حج اور عمرہ دونوں کا موقع عنایت فرمایا۔ اور اگر قربانی کرنے کی وسعت نہ ہو تو پھر دس روزے رکھنا واجب ہیں، تین روزے تو یوم نحر سے پہلے رکھ لے اور سات روزے ایام تشریق کے بعد رکھے۔ قرآن کریم میں ہے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَصَبْعَةٍ
(إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ط (البقرہ: ۱۹۶)

”پھر جس کو قربانی میسر نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے (دورانِ حج میں) اور

سات روزے جب تم حج سے فارغ ہو کر لوٹو تب رکھو، یہ سب پورے دی ہوئے۔“

۷۔ حج قرآن یا تمتع صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو میقات سے باہر

کے رہنے والے ہیں، جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

ذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ: ۱۹۷)

”قرآن ان کیلئے ہے جن کے اہل خانہ مسجد حرام میں نہ رہتے ہوں۔“

جو لوگ میقات کے اندر کے باشندے ہیں ان کے لیے صرف حج افراد ہی ہے۔

حج تمتع

تمتع کے لغوی معنی ہیں کچھ وقت تک فائدہ اٹھانا اور اصطلاح شرع میں

تمتع کے معنی ہیں حج تمتع کرنا۔ حج تمتع یہ ہے کہ آدمی عمرہ اور حج ساتھ ساتھ کرے لیکن اس طرح کہ دونوں کے احرام الگ الگ باندھے اور عمرہ کر لینے کے بعد احرام کھول کر اُن ساری چیزوں سے فائدہ اٹھائے جو احرام کی حالت میں ممنوع ہو گئی تھیں، اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے، اس طرح کے حج میں چونکہ عمرے اور حج کی درمیانی مدت میں احرام کھول کر حلال چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا کچھ وقت مل جاتا ہے، اسی لیے اس کو حج تمتع کہتے ہیں، قرآن کریم

میں ہے

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَبِذَلِكَ

”پس جو شخص حج کے ایام تک اپنے عمرے سے فائدہ اٹھاتا ہے تو اس

پر اس کی وصعت کے مطابق قربانی ہے“

حج تمتع، افراد سے افضل ہے، اس لیے کہ اس میں دو عبادتیں ایک ساتھ جمع کرنے کا موقع مل جاتا ہے جو کچھ زیادہ مناسب اور کرنے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔

حج تمتع کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ہدی کا جانور اپنے ہمراہ لائے، اور دوسری یہ کہ ہدی کا جانور اپنے ہمراہ نہ لائے۔ پہلی صورت دوسری سے افضل ہے۔

تمتع کے مسائل

۱۔ تمتع کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمرے کا طواف زمانہ حج میں کرے

زمانہ حج کے مہینے یہ ہیں، شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ۔

یا کم از کم طوافِ عمرہ کے اکثر شروط زمانہ حج میں ادا کرے۔

۲۔ حج تمتع کے لیے ضروری ہے کہ عمرے اور حج کا طواف ایک ہی سال میں کرے، اگر کسی نے ایک سال عمرے کا طواف کیا اور دوسرے سال حج کا طواف کیا تو اس کو تمتع نہیں کہیں گے۔

۳۔ تمتع میں ضروری ہے کہ پہلے عمرے کا احرام باندھا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حج کا احرام باندھنے سے پہلے عمرے کا طواف کر لیا جائے۔

۴۔ تمتع کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمرے اور حج کے درمیان امام نہ کرے، امام کے معنی ہیں اتر پڑنا، اور اصطلاح میں امام سے مراد یہ ہے کہ آدمی عمرے کا احرام کھولنے کے بعد اپنے گھر والوں میں جا کر اتر پڑے، ہاں اگر وہ قربانی کا جانور ہمراہ لایا ہے تو گھر اتر پڑنے پر بھی حج تمتع صحیح ہوگا۔

۵۔ حج تمتع صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو میقات سے باہر کے باشندے ہیں، جو لوگ مکے میں یا میقات کے داخلی علاقوں میں رہتے جتے ہیں ان کے لیے تمتع اور قربان کر وہ تحریمی ہے۔

۶۔ حج تمتع کرنے والے کے لیے طوافِ قدم کرنا سنون نہیں ہے، اور اس کو چاہیے کہ طوافِ زیارت میں رمل کرے۔

۷۔ تمتع پر بھی قارن کی طرح قربانی واجب ہے اور مقدور نہ ہو تو پھر دس روزے رکھے، تین حج کے دوران یوم النحر سے پہلے رکھ لے اور سات اس وقت

رکھے جب حج سے فارغ ہو کر لوٹے یعنی ایام تشریق کے بعد۔

۸۔ حج تمتع کرنے والا اگر ہدی کا جانور ہمراہ نہ لایا ہو تو عمرے کی سعی کے بعد علق یا تقصیر کر کے احرام کھول دے اور پھر حج کے لیے ہدیہ احرام ہانھے، البتہ اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر آیا ہو تو پھر عمرے کی سعی کے بعد علق وغیرہ نہ کر لے اور احرام باندھے رہے، دوسری ذوالحجہ کو ہدی کی قربانی کر لینے کے بعد احرام سے باہر ہو۔

نبی عربی کا رخصتی حج

صحابی رسول حضرت ہابرؓ کی زبان سے

مدینہ منورہ میں حضرت ہابر رضی اللہ عنہ آخری صحابی تھے۔ آپ کی وفات کے بعد مدینے میں پھر کوئی صحابی نہ رہا تھا، جب آپ کافی بوڑھے ہو گئے اور نوے سال سے بھی زیادہ آپ کی عمر ہو گئی تھی، آنکھیں ساتھی رہی تھیں، اس وقت کا واقعہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن علیؓ یعنی امام باقرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام باقرؓ کہتے ہیں واقعہ یوں تھا کہ ہم چند ساتھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ہم میں سے ایک ایک سے اس کا نام اور حال معلوم کیا۔ جب میری باری آئی اور میں نے بتایا کہ میں حضرت حسینؓ کا پوتا ہوں تو نہایت ہی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا پھر میرے کُرتے کا اوپر والا ٹٹن کھول کر اپنا دست مبارک میرے گریبان میں ڈالا اور ٹھیک میرے سینے کے بیچ میں رکھا۔ ان دنوں میرا عفتوانِ شہاب کا زمانہ تھا، آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "خوش آمدید میرے بھتیجے، میرے حسین رضی اللہ عنہ کی یادگار! کہو کیا پوچھنے آئے ہو؟ بے تکلف پوچھو۔ میں نے پوچھنا شروع کیا، حضرت آنکھوں سے معذور تھے، اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت ہابرؓ

ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے، اسی کو لپیٹ کر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، چادر اتنی چھوٹی تھی، کہ جب وہ اس کو اپنے کندھوں پر ڈالتے تو اس کے کنارے سرک کر پھران کی طرف آجاتے، یہ اسی کو اوڑھے رہے حالانکہ ان کی بڑی چادر قریب ہی لکڑی کے اسٹینڈ پر پڑی ہوئی تھی، جب آپ ہمیں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو میں نے بڑھ کر عرض کیا حضرت! ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج و دواع (یعنی رخصتی حج) کا مفصل حال سنائیے!

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کے اشارے سے ۹ تک گنتی کر کے فرمایا، واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے آکر رہے تو ۹ سال تک آپؐ نے کوئی حج نہیں کیا۔ پھر ہجرت کے دسویں سال آپؐ نے عام اعلان کرایا، کہ اس سال آپؐ حج کے لیے تشریف لے جائیں گے، یہ اطلاع پاتے ہی بہت بڑی تعداد میں لوگ مدینے آکر جمع ہونے لگے۔ ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ اس مبارک سفر میں آپؐ کے ہمراہ جائے اور آپؐ کی پیروی کرے اور وہی کچھ کرے جو آپؐ کو کرتے دیکھے۔

آخر کار مدینے سے روانہ ہونے کا وقت آیا اور یہ پورا قافلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مدینے سے روانہ ہو کر ذوالحجیفہ کے مقام پر پہنچا اور اس دن قافلے نے اسی مقام پر قیام کیا۔

یہاں ایک خاص واقعہ یہ پیش آیا کہ قافلے کی ایک خاتون اسماء بنت عمیس یعنی بیگم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی جس کا نام محمد رکھا گیا، اسماء بنت عمیس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرایا کہ ایسی حالت

میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا، اسی حالت میں احرام کے لیے غسل کر لو، اور اس حالت میں جس طرح خواتین لنگوٹ باندھتی ہیں تم بھی لنگوٹ باندھ سے رہو اور احرام باندھ لو۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی، پھر آپؐ اپنی قصوار اونٹنی پر سوار ہوئے، اونٹنی آپؐ کو لے کر قریب کے بلند میدان بیدار پر پہنچی، بیدار کی بلندی سے جب میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو مجھے آگے پیچھے، دائیں بائیں حد نظر تک آدمی ہی آدمی نظر آئے، کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل، خدا کے رسولؐ ہمارے درمیان میں تھے اور آپؐ پر قرآن نازل ہوتا تھا، اور آپؐ قرآن کے مفہوم اور مطلب کو خوب سمجھتے تھے، لہذا حکیم خداوند کے تحت آپؐ جو کچھ بھی کرتے تھے ہم لوگ بھی وہی کرتے، یہاں پہنچ کر آپؐ نے بلند آواز سے توحید کا تلبیہ پڑھا۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ
الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

”تیرے حضور حاضر ہوں اے اللہ! تیرے حضور حاضر ہوں تیری

پکار پر تیرے در پر حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بیشک

حمد و شکر کا مستحق تو ہی ہے، احسان و انعام کرنا تیرا ہی حق ہے، اقتدار

تیرا ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔“

آپؐ کے رفقاء سفر نے بھی بلند آواز سے اپنا تلبیہ پڑھا، (شاید اس میں کچھ کلمات کا اضافہ تھا) مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تردید نہیں فرمائی۔ البتہ آپؐ اپنا وہی تلبیہ برابر پڑھتے رہے۔

حضرت ہابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس سفر میں ہماری نیت دراصل حج ادا کرنے کی تھی، عمرہ ہمارے پیش نظر نہ تھا، یہاں تک کہ جب ہم سب لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں، بیت اللہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کیا، پھر طواف شروع کیا اور پہلے تین پکڑوں میں آپ نے رمل فرمایا، پھر چار پکڑوں میں معمولی رفتار سے چلے، پھر آپ مقام ابراہیم پر آئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى - (البقرہ: ۱۲۵)

”اور مقام ابراہیم کو اپنے لیے عبادت گاہ قرار دے لو“

پھر آپ اس طرح کھڑے ہوئے کہ مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان میں تھا۔ یہاں آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ ان دو رکعتوں میں آپ نے ”قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ اور ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ کی قرأت فرمائی۔ پھر آپ حجر اسود کے پاس لوٹ کر آئے، حجر اسود کا استلام کیا، پھر ایک دروازے سے صفا کی طرف چلے، جب صفا کے بالکل قریب پہنچے تو آپ نے یہ آیت پڑھی۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ - (البقرہ: ۱۵۸)

”بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعار میں سے ہیں“

اور فرمایا

أَبْدَأْتُ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ فِي صَفَا سَعَى شُرُوعِ كَرْتَاهُ حِينَ طَرَحَ اللَّهُ فِي هَذِهِ آيَاتٍ فِي هَذِهِ الشَّعَائِرِ - پس آپ پہلے

صفا پر آئے، اور صفا پر اتنے اونچے تک چڑھے کہ بہت اللہ آپ کو صاف نظر آنے لگا اور آپ قبلے کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ پھر آپ توحید اور تکبیر میں مصروف ہو گئے، اور آپ نے پڑھا

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ
الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
أَنْجَزَ وَعَدَهُ وَتَصَوَّرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ -

وہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں
اقتدار اسی کے لیے ہے، حمد و ثناء کا مستحق وہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر
ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا اور
دین کو سامے عرب میں غالب فرما دیا، اپنے بندے کی اس نے پوری پوری
مدد فرمائی۔ اور کفر و شرک کی فوجوں کو اس نے تنہا شکست دی ۛ

تین بار آپ نے یہ کلمات دہرائے اور ان کے درمیان دعا مانگی۔ پھر
آپ صفا سے نیچے آئے، اور مروہ کی طرف چلے اور مروہ پر بھی وہی کچھ کیا جو
صفا پر کیا تھا، یہاں تک کہ آپ آخری پلک پورا کر کے مروہ پر پہنچے تو آپ نے
اپنے رفقاء سفر سے خطاب فرمایا۔ آپ اور مروہ پر تھے اور ساتھی نیچے نشیب
میں تھے، اگر مجھے اس بات کا احساس پہلے ہو جانا، جس کا احساس بعد میں ہوا تو
میں ہدی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور اس طواف سعی کو عمرے کی سعی و طواف قرار
دے کر اس کو عمرہ بنا لیتا اور احرام کھول دیتا۔ (البتہ تم میں سے جو لوگ ہدی
کا جانور ساتھ نہ لائے ہوں وہ اس طواف اور سعی کو عمرہ کا طواف قرار دے

کر سلاں ہو سکتے ہیں۔

یہ سن کر سراقہ ابن مالک کھڑے ہوئے، اور پوچھا یا رسول اللہ! یہ حکم اسی سال کے لیے ہے یا یہ اب ہمیشہ کے لیے ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں اچھی طرح ڈالیں اور فرمایا، عمرہ حج میں اسی طرح داخل ہو گیا۔ صرف اسی سال کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

اور حضرت جابرؓ نے اپنا بیان باری رکھتے ہوئے فرمایا، علیؓ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مزید قربانی کے جانور لے کر مکہ معظمہ پہنچے، انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو گئی ہیں، رنگین کپڑے بھی پہن رکھے ہیں اور سرمہ بھی لگا ہوا ہے، حضرت علیؓ کو یہ بات کچھ غیر مناسب معلوم ہوئی، اور ناگواری کا اظہار کیا، تو حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا، مجھے ابامان نے اس کا حکم دیا تھا، یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے احرام ختم کیا ہے۔

ابن کرم کے نزدیک حج کے مہینوں میں مستقل طور پر عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات تھی۔ اب جو سراقہ ابن مالک نے دیکھا کہ ایام حج میں اس طواف سعی کو مستقل عمرہ قرار دیا جا رہا ہے تو انہوں نے سوال کیا کہ کیا اب ایسا ہی حکم ہمیشہ کے لیے ہے یا یہ حکم خاص طور پر صرف اسی سال کے لیے ہے۔
یعنی ایام حج میں عمرہ کرنا، اور حج کے ساتھ ایک ہی سفر میں عمرہ کرنا بالکل درست ہے، اس کو غلط سمجھنا اور گناہ قرار دینا سراسر غلط ہے، اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا، جب تم نے احرام باندھا اور تبلیغ پڑھا تو کیا نیت کی؟ (یعنی صرف حج کی نیت کی تھی یا حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی تھی)، علیؓ نے جواب میں کہا، میں نے کہا تھا، اے اللہ! میں بھی اسی چیز کا احرام باندھتا ہوں جس کا احرام تیرے رسولؐ نے باندھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا، میں تو جو نیکو لپٹے ساتھ ہدی کا جانور لے کر آیا ہوں، اس لیے میرے لیے احرام کھولنے کی گنجائش نہیں ہے اور تم نے بھی وہی نیت کر لی ہے جو میری ہے لہذا تمہارے لیے بھی احرام کھول کر سال ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہدی کے اونٹ جو علیؓ بن ابی طالب سے لے کر آئے تھے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے ہمراہ لائے تھے، یہ سب تو کھٹے تھے سارے صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق احرام کھول دیئے اور اپنے ہال کٹوا کر سلاں ہو گئے، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ جو ہدی کا جانور ساتھ لائے تھے احرام باندھے رہے۔

پھر جب یوم الترویہ آیا، (یعنی ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ ہو گئی، تو سارے لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے، اور ران) لوگوں نے حج کا احرام باندھا، جو عمرہ کر کے احرام ختم کر چکے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قصوار پر سوار ہو کر منیٰ کو روانہ ہوئے، وہاں آپ

ﷺ بعض روایات میں یہ صراحت ملتی ہے کہ ۷۲ اونٹ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہ لائے تھے اور ۳ اونٹ حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ساتھ بنی سہیل سے لے کر آئے تھے۔

نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی پانچوں نمازیں ادا فرمائیں، فجر کی نماز کے بعد آپ منیٰ میں کچھ دیر اور ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ عرفات کی طرف روانہ ہوئے اور آپ نے حکم دیا کہ ”نمرہ“ کے مقام پر آپ کے بیسے صوت کا خیمہ نصب کیا جائے۔ قریش کو اس میں ذرا شک نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشعر الحرام کے پاس ہی وقوف فرمائیں گے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہمیشہ سے قریش کرتے رہے تھے، لیکن آپ مشعر الحرام کے حدود سے آگے نکل آئے، اور میدان عرفات کی حدود میں آئے۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ ”نمرہ“ کے مقام پر آپ کے لیے خیمہ نصب کیا جائے، چنانچہ خیمہ نصب کر دیا گیا تھا اور آپ نے اسی خیمے میں قیام فرمایا۔

پھر جب سورج ڈھلنے لگا، تو آپ نے حکم دیا کہ آپ کی اونٹنی ”قصواء“ پر کجاوا کس دیا جائے، چنانچہ اونٹنی پر کجاوا کس دیا گیا۔ آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور ”دادی عرنہ“ کے نشیب میں پہنچے۔ وہاں آپ نے اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطاب کیا۔

۱۔ نمرہ دراصل وہ سرحدی مقام ہے جہاں حرم کی حد ختم ہوتی ہے اور عرفات کی حد شروع ہوتی ہے، زمانہ جاہلیت میں قریش کے لوگ حرم کے حدود میں مشعر حرام کے پاس ہی وقوف کرتے تھے اور عام لوگ میدان عرفات میں وقوف کرتے تھے، اس لیے قریش کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی جگہ وقوف فرمائیں گے لیکن آپ نے وقوف کے اصل مقام پر ہی اپنا خیمہ نصب کرنے کا حکم پہلے ہی سے دے دیا تھا۔

وہ لوگو! تاحق کسی کا خون یہاں اور تار و ا طریقے پر کسی کا مال لینا، تمہارے لیے حرام ہے، بالکل اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن اس مہینے اور اس شہر میں تمہارے لیے حرام ہے ر اور تم حرام سمجھتے ہو۔

خوب سمجھ لو کہ دور جاہلیت کی ساری چیزیں میرے دونوں قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں، اور زمانہ جاہلیت کا خون معاف ہے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون، یعنی ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کے فرزند کا خون معاف کرنے کا اعلان کرتا ہوں، جو بنی سعد کے قبیلے میں دودھ پینے کے لیے رہا کرتے تھے۔ ان کو قبیلہ ہذیل کے لوگوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ اور دور جاہلیت کے سارے سودی مطالبے اب سوخت ہو گئے۔ اور اس سلسلے میں بھی سب سے پہلے میں اپنے چچا عمار بن عبد المطلب کے سودی مطالبات کے ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں، آج ان کے سارے سودی مطالبات ختم ہیں۔

اے لوگو! خواتین کے حقوق کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنے قید بکاح میں لیا ہے، اور ان سے لذت اندوزی اللہ کے کلمہ اور قانون ہی کے ذریعے تمہارے لیے حلال ہوئی ہے۔ تمہارا ان پر خاص حق یہ ہے کہ جس شخص کا تمہیں لپٹے گھر میں آنا نا پسند ہو ان کو وہ تمہارے بستر پر بیٹھنے کا موقع نہ دیں

اور اگر وہ یہ غطا کر بیٹھیں تو تنبیہ کے لیے تم ان کو معمولی سزا دے سکتے ہو اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ تم اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق کشادہ دلی سے ان کے لباس اور کھانے پینے کا اہتمام کرو۔ اور میں تمہارے درمیان وہ سرچشمہ ہدایت چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہے اور اس کی رہنمائی میں چلتے رہے، تو کبھی تم راہِ حق سے نہ ہٹکو گے۔ یہ سرچشمہ ہدایت ہے ”اللہ کی کتاب“

اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تم سے میرے بارے میں دریافت فرمائے گا کہ میں نے خدا کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا یا نہیں؟ (۱) تاہو تم وہاں میرے بارے میں خدا کو کیا جواب دو گے؟

ماضین نے یک زبان ہو کر کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، آپ نے سب کچھ پہنچا دیا، اور آپ نے نصیح و غیر خواہی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ اس پر آپ نے اپنی شہادت کی اٹھلی آسمان کی طرف اٹھائی پھر لوگوں کی طرف اس سے اشارہ کرتے اور جھکاتے ہوئے تین بار کہا، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دیئے، اور تیرے یہ بندے گواہ ہیں کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔

پھر حضرت بلالؓ نے نماز ادا کی اور اقامت کہی، اور آپؐ ظہر کی نماز پڑھائی اس کے بعد حضرت بلالؓ نے دوبارہ اقامت کہی اور آپؐ عصر کی نماز پڑھائی، ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھنے کے بعد

آپ ٹھیک اس مقام پر آئے جہاں وقوف کیا جاتا ہے، پھر آپ نے اپنی اونٹنی
 قصواء کا رخ اُدھر موڑ دیا بعد ضرر بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور سارا مجمع آپ کے سامنے
 ہو گیا جس کے سب ہی لوگ پیدل تھے، آپ قبلہ رو ہو گئے، اور آپ نے وہیں
 وقوف فرمایا، یہاں تک کہ آفتاب کے غروب کا وقت آگیا اور شام کی زردی بھی
 ختم ہو گئی اور سورج بالکل غروب ہو گیا تو اس وقت آپ (عرفات سے مزدلفہ کی
 طرف) روانہ ہوئے اور اُسامہ بن زید کو آپ نے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھالیا
 — اور آپ مزدلفہ آ پہنچے۔ یہاں آکر آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ
 پڑھی، اذان ایک ہوئی اور اقامت دونوں کے لیے الگ الگ، اور ان دونوں
 نمازوں کے درمیان آپ نے کوئی سنت یا نفل نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آپ
 آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے اور آرام فرماتے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق
 ہو گئی اور فجر کا وقت ہو گیا۔ صبح صادق ہوتے ہی آپ نے اذان اور اقامت کہلوا
 کر فجر کی نماز اَدل وقت ادا فرمائی، نماز فجر سے فارغ ہو کر آپ مشعر الحرام کے پاس
 تشریف لائے۔ یہاں آکر آپ قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے اور دُعا،
 تکبیر، تہلیل اور توحید و تسبیح میں مصروف ہو گئے اور دیر تک مصروف رہے،
 جب عیب اُجالا ہو گیا تو طلوع آفتاب سے ذرا پہلے آپ وہاں سے منیٰ کے
 لیے روانہ ہوئے، اور اس وقت آپ نے اپنی ناقہ کے پیچھے فضل بن عباس کو سوار
 کر لیا اور روانہ ہوئے۔ جب آپ ”دادی محسر“ کے درمیان پہنچے تو آپ نے اپنی
 اونٹنی کو ذرا تیز کر دیا۔ پھر محسر سے نکل کر آپ اس درمیانی راستے سے چلے جوڑے
 گھیرے کے پاس جا کر نکلتا ہے، پھر اس جہرے کے پاس پہنچ کر جو درخت کے

پاس ہے آپ نے رمی فرمائی، سات کنکریاں اس پر پھینک کر مابیں اور ہر
کنکری پھینکتے ہوئے آپ "اللہ اکبر" کہتے جاتے تھے۔ یہ کنکریاں چھوٹی چھوٹی
ٹھیکریوں کی طرح تھیں۔ آپ نے نشیبی مقام سے جبرہ پر یہ رمی کی، جب
آپ رمی سے فارغ ہوئے تو قربان گاہ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں آپ نے
تربستہ اونٹ اپنے دست مبارک سے قربان کیے، اور باقی اونٹ حضرت
علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیے جن کی قربانی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؑ
کو اپنے ہدایا کے اونٹوں میں شریک فرمایا، پھر آپ نے حکم دیا کہ قربانی کے
ہر ہر اونٹ میں سے ایک ٹکڑا لیا جائے۔ چنانچہ ہر ایک میں سے ایک ایک
ٹکڑا لے کر دیگچے میں ڈالا گیا اور پکایا گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؑ دونوں
نے اس گوشت میں سے تناول فرمایا اور اس کا شورہا بھی پیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور طواف زیارت کے لیے بیت اللہ کی طرف روانہ
ہوئے، ظہر کی نماز آپ نے مکے میں پہنچ کر ادا فرمائی۔ نماز ظہر سے فارغ ہو کر آپ
اپنے اہل خاندان (بنی عبدالمطلب کے پاس آئے، جو زمزم سے پانی کی بیجھ کی بیجھ کر
لوگوں کو پلا رہے تھے، آپ نے ان سے فرمایا، ڈول نکال کر پلاؤ۔ اگر مجھے یہ اندیشہ
نہ ہوتا، کہ مجھے دیکھ کر دوسرے لوگ تم سے زبردستی یہ خدمت چھین لیں گے
تو میں خود اپنے ہاتھ سے تمہارے ساتھ زمزم سے ڈول کی بیجھتا۔ ان لوگوں نے
آپ کو ڈول بھر کر دیا تو آپ نے اس میں سے نوش فرمایا۔

جنایت کا بیان

جنایت کے لغوی معنی ہیں، کوئی حرام کام کرنا، گناہ کرنا، وغیرہ لیکن حج کے باب میں جنایت سے مراد کوئی ایسا کام کرنا ہے جو حرم میں ہونے کی وجہ سے یا احرام باندھ لینے کی وجہ سے حرام ہو، اس طرح جنایت کی دو قسمیں ہوجاتی ہیں۔

(۱) جنایتِ حرم۔

(۲) جنایتِ احرام

آدمی سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو حدودِ حرم میں حرام ہے یا کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو حالتِ احرام میں حرام ہے دونوں کی تلافی کے لیے کفار سے اور قربانی کے کچھ الگ الگ احکام ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

حرم مکہ اور اس کی عظمت

روئے زمین پر سب سے مقدس، سب سے زیادہ بابرکت اور سب سے زیادہ قابلِ احترام وہ عمارت ہے جس کو خدا نے ”اپنا گھر“ قرار دیا ہے، جو توحید اور غار کا مرکز ہے، اور روئے زمین پر وہ سب سے پہلی عمارت ہے جس کو خدا کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے، جو ہدایت و برکت کا سرچشمہ ہے اور

ساری انسانیت کا مرجع اور پناہ گاہ ہے۔

پھر یہ بیت اللہ جس مبارک مسجد کے درمیان میں واقع ہے، اس کو مسجد الحرام (یعنی قابل احترام مسجد) کہا گیا ہے، اور اس کو دنیا کی تمام مسجدوں سے افضل ہی نہیں بلکہ اصل مسجد قرار دیا گیا ہے، روئے زمین کی دوسری مسجدوں میں اسی لیے نماز صحیح ہے کہ وہ اس مسجد حرام کی قائم مقام ہیں اور اسی کی طرف ان سب کا رخ ہے۔ مسجد الحرام کی عظمت یہ ہے کہ اس میں ایک نماز پڑھنے والے کو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے ﷺ

خدا کا گھر اور مسجد الحرام، جس مبارک شہر میں واقع ہے اس کو "بلد اللہ الحرام" اللہ کا حرمت والا شہر، کہا گیا ہے، اور خدا کے رسولؐ نے اس کو روئے زمین کے تمام شہروں سے بہتر اور اللہ کی نظر میں تمام بستیوں سے زیادہ محبوب بنایا ہے، نیز آپؐ نے اس کو نہایت پاکیزہ، دل پسند اور اپنا محبوب ترین شہر قرار دیا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر میری قوم کے لوگ مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں سکونت اختیار نہ کرتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس شہر کو ہی کو حرم قرار دیا ہے بلکہ اس کی ہر ہر سمت میں کئی کئی کلومیٹر کے علاقے کو حدود حرم میں داخل فرما کر "حرم" (یعنی واجب الاحترام علاقہ) قرار دے دیا ہے، اور اس کی عظمت و احترام کے کچھ آداب و احکام مقرر فرما دیئے ہیں۔ ان حدود میں بہت سے وہ کاسم اس علاقے کی حرمت

کے تعلق سے حرام اور ناہائز ہیں جو باقی ساری دنیا میں ہائز اور مباح ہیں۔

حرم کے حدود پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقرر فرمائے تھے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد رسالت میں ان حدود کی تجدید فرمائی۔ یہ حدود معلوم اور معروف ہیں۔ مدینے کی جانب تقریباً ۵ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے، یمن کی سمت میں تقریباً گیارہ کلومیٹر، طائف کی سمت میں بھی تقریباً گیارہ کلومیٹر اور تقریباً اتنے ہی کلومیٹر تک عراق کی جانب بھی حرم کی حد ہے، اور جدے کی طرف تقریباً سولہ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور حسنہ بنت عثمانؓ اور شہرت معاذؓ نے بھی اپنے دور میں اس حد بندی کی تجدید فرمائی اور اب یہ حدود معلوم و معروف ہیں۔ حدود حرم کی عظمت و عزت، خدا اور اس کے دین سے تعلق اور وفاداری کی علامت ہے اور اہمیت بحیثیت مجموعی جب تک اس عظمت و احترام کو باقی رکھے گی اس پر خدا کی حفاظت اور رحمت کا سایہ ہوگا اور وہ دنیا میں رفعت اور سر بلندی کی زندگی گزارے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

”میری یہ امت جب تک حرم مقدس کی عظمت و احترام کا حق ادا کرتی رہے گی، بخیر رہے گی اور جب وہ اس کا احترام اور اس کا احساس ضائع کر دے گی، تباہ و برباد ہو جائے گی“

جنایاتِ حرم

۱۔ حرم کی خود رو گھاس، پیڑ، پودے اور ہر اہمرا سبزہ کاٹنا یا اکھاڑنا جنایت ہے، اگر کسی کی ملکیت نہ ہوں تو اس کا کفارہ صرف یہ ہے کہ اس کی قیمت راہِ خدا میں خرچ کر دی جائے، اور اگر کسی کی ملکیت ہوں تو پھر دو گنی قیمت ادا کرنا واجب ہے، صدقہ بھی کرنا ہوگا اور مالک کو بھی قیمت دینا پڑے گی۔

۲۔ اِذْخَر کاٹنے یا اکھاڑنے کی اجازت ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق۔ پر آپ نے اِذْخَر کاٹنے کی اجازت دے دی تھی۔

۳۔ خود رو پودے چاہے وہ جھاڑ جھنکار ہی کیوں نہ ہوں ان کاٹنا یا اکھاڑنا بھی جنایت ہے۔

۴۔ جو پیڑ پودے خود رو نہ ہوں بلکہ بوئے اور لگائے گئے ہوں اُن کو توڑنا جنایت نہیں، اسی طرح کسی درخت کے چند پتے توڑنا بھی جنایت نہیں بشرطیکہ یہ کسی کی ملکیت نہ ہوں، اگر کسی کی ملکیت ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر توڑے جائیں، ہاں مالک خود توڑے تو جنایت نہیں ہے۔

۵۔ حرم کے شکار کا قتل کرنا بھی جنایت ہے، قتل کرنے والے کو اس کا تادان دینا ہوگا

۶۔ حرم کے پرندے کے انڈے توڑنا یا بھون لینا بھی جنایت ہے،

۷۔ ایک قسم کی خوشبودار گھاس ہے جس کو بوہار لوگ بھی استعمال کرتے تھے اور چھتوں پر بھی ڈالی جاتی تھی۔

اسی طرح حرم کی ٹڈیاں مارنا بھی جنایت ہے۔

۷۔ اگر کسی کے پاس کوئی شکار ہو اور وہ شخص حرم میں داخل ہو رہا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس شکار کو چھوڑ دے، ہاں اگر شکار رستی میں بندھا ہوا ہو اور رسی اس کے ہاتھ میں ہو، یا شکار کسی شجرے اور کٹہرے میں بند ہو تو اس کا پھٹنا واجب نہیں۔
۸۔ میقات سے احرام باندھے بغیر حرم میں داخل ہونا بھی جنایت ہے، اور ایسے شخص پر ایک قربانی واجب ہے۔

۹۔ حرم کے حدود میں ان جانوروں کا مارنا جنایت نہیں، بھیڑیا، سانپ، بھو، چوہا یعنی بلوں میں رہنے والے جانور، کچھوا، چھپکلی، چھتر، کھٹل، پتو، مکھی، بھڑ، چھوٹٹی اور وہ جانور جو حملہ کریں اور ان کے حملے سے بچنے کے لیے ان کو مار ڈالنا ناجزیر ہو۔

۱۰۔ حرم سے باہر حلق یا تقصیر کرنا بھی جنایت ہے اور اس سے ایک قربانی واجب ہوگی۔

جنایاتِ احرام

احرام کی جنایات تین قسم کی ہو سکتی ہیں۔

(۱) جن میں دو قربانیاں واجب ہیں۔

(۲) جن میں صرف ایک قربانی واجب ہے۔

(۳) جن میں صرف صدقہ واجب ہے۔

وہ جنایات جن میں دو قربانیاں واجب ہیں

۱۔ مرد اگر کوئی گاڑھی خوشبو یا گاڑھی میندمی سر میں لگائے اور ایک شرب روزہ وہ لگی رہے، پورے سر میں لگائے یا چونٹائی سر میں اس پر دو قربانیاں واجب ہوں گی، البتہ کوئی خاتون ایسا کرے تو ایک ہی قربانی واجب ہوگی۔

۲۔ وہ ساری جنایات جن سے حج افراد کرنے والے پر ایک قربانی واجب ہوتی ہے ان سے قارن پر دو قربانیاں واجب ہوتی ہیں۔

۳۔ حج تمتع کرنے والا اگر ہدی کا جانور ساتھ لایا ہو، تو اس پر ان ساری جنایات میں دو قربانیاں واجب ہوں گی جن سے مفرد پر ایک قربانی واجب ہوتی ہے۔ وہ جنایات جن میں ایک قربانی واجب ہے

صرف دو صورتوں میں اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوتی ہے اس کے علاوہ جہاں جہاں قربانی کا ذکر آیا ہے اس سے مراد بکری یا بھیڑ کی قربانی ہے۔

۱۔ طواف زیارت اگر کوئی جنابت کی حالت میں کرے تو ایک اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔

۲۔ وقوف عرفات کے بعد طواف زیارت اور حلق یا تقصیر سے پہلے اگر مباشرت کر لی تو اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔

ان دو صورتوں کے علاوہ باقی صورتوں میں بکری یا بھیڑ کی قربانی واجب ہوگی۔

۳۔ طواف کے واجبات میں سے کوئی بھی واجب ترک کر دیا جائے تو ایک قربانی واجب ہے۔

منوعاتِ احرام سے بچنا بھی طواف کے واجبات میں سے ہے، ان میں سے بعض ممنوعات میں وجوبِ قربانی کے تعلق سے کچھ مسائل ہیں ان کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

۴۔ اگر زیادہ خوشبو کا استعمال کیا تو ایک قربانی واجب ہے اور اگر تھوڑی خوشبو استعمال کی لیکن جسم کے کسی بڑے عضو پر مثلاً سر، ہاتھ، پیر وغیرہ پر نلی تب بھی ایک قربانی واجب ہے۔

۵۔ اگر ایک ہی مجلس میں پورے بدن پر خوشبو لگائی تو ایک ہی قربانی واجب ہے اور اگر مختلف مجلسوں میں پورے بدن پر لگائی تو ہر مرتبہ کے عوض قربانی واجب ہوگی۔

۶۔ خوشبو لگانے کے بعد قربانی تو کر لی لیکن خوشبو زائل نہیں کی تو پھر قربانی کرنا ہوگی۔

۷۔ خوشبودار لباس پہنا اور دن بھر پہنے رہا تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

۸۔ رقیق مہندی سر، داڑھی یا ہاتھ پیر میں لگائی تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

۹۔ سہلے ہوئے کپڑے پہننے میں قربانی واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایک دن یا ایک رات پہنے رہے، اس سے کم وقت پہننے سے قربانی واجب نہ ہوگی بلکہ صرف صدقہ واجب ہوگا، اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ سہلے ہوئے کپڑے کو رواج کے مطابق پہنے اگر کوئی اپنا کرتہ یا شیروانی یونہی کندھے پر ڈال لے اور ہاتھ آستینوں میں نہ ڈالے تو کوئی جنابت نہیں ہے۔

نہایت علمی سے پاکی حاصل کیے بغیر طواف کرنے میں بھی وجوب قربانی کے تعلق سے کچھ مسائل ہیں، ذیل میں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ طواف زیارت کے علاوہ کوئی بھی طواف حالت جنابت میں کیا جائے ایک قربانی واجب ہوگی۔

۱۱۔ طواف زیارت حدیث اصغر کی حالت میں کیا جائے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔ اور عمرے کا طواف بھی حدیث اصغر کی حالت میں کرنے سے ایک قربانی واجب ہوگی۔

۱۲۔ طواف زیارت کے زیادہ سے زیادہ تین شوط ترک کر دینے سے قربانی واجب ہے اور اگر تین شوط سے زیادہ ترک کر دیئے تو پھر قربانی سے اس کی تلافی نہ ہوگی بلکہ دوبارہ طواف کرنا ہوگا۔

۱۳۔ واجبات حج میں سے کوئی واجب ترک کر دیا جائے تو ایک قربانی واجب ہے۔

۱۴۔ مفرد حلق یا تقصیر یا طواف زیارت دسویں ذوالحجہ کے بعد کرے تو قربانی واجب ہوگی۔

۱۵۔ قارن ذبح سے پہلے یا رمی سے پہلے حلق کرے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

وہ جنایات جن میں صرف صدقہ واجب ہے

۱۔ خوشبو کا استعمال اس مقدار میں کیا جائے جس سے قربانی واجب نہیں ہوتی، تو ایسی صورت میں صدقہ واجب ہوگا، مثلاً ایک عضو سے کم میں خوشبو لگائی، یا لباس میں ایک بالشت مربع سے کم جگہ میں لگائی یا زیادہ لگائی لیکن لباس کو پورے ایک دن یا پوری ایک رات استعمال نہیں کیا۔

۲۔ بسلا ہوا لباس ایک دن یا ایک رات سے کم پہنایا اتنے ہی وقت کے لیے سر ڈھانک لیا تو ایک صدقہ واجب ہوگا۔ اور اگر معمولی سے وقت کے لیے سر ڈھانکا یا بسلا ہوا کپڑا پہنا مثلاً ایک گھنٹے سے بھی کم تو ایک منٹھی آٹا دینا کافی ہے۔

۳۔ طواف قدوم یا طواف وداع یا اور کوئی لغوی طواف حدث اصغر کی حالت میں کرنے سے ایک صدقہ واجب ہوگا۔

۱۵ صدقہ سے مراد ایک شخص کا صدقہ فطر ہے جو اسی روپے والے سیر کے حساب سے ایک کلو ایک سو دس گرام (1-110) کے برابر ہے، (علم الفقہ جلد ۴ صفحہ ۱۵) اور بہشتی زیور میں ایک شخص کا صدقہ فطر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک بتایا گیا ہے۔

۴۔ طوافِ قدوم یا طوافِ وداع یا سعی کے تین یا تین سے کم شروط ترک کر دیئے تو ہر شرط کے عوض ایک صدقہ واجب ہوگا۔

۵۔ ایک دن میں جس قدر رمی واجب ہیں ان میں سے آدمی سے کم ترک کر دے مثلاً ۱۰ ذوالحجہ کو جہر و عقبہ کی سات رمی واجب ہیں، ان میں سے کوئی شخص تین رمی ترک کر دے تو ہر کنکری کے بدلے ایک صدقہ واجب ہوگا۔

۶۔ کسی دوسرے شخص کے سر یا گردن کے بال بنادیے، چاہے یہ دوسرا شخص محرم ہو یا غیر محرم، ایک صدقہ واجب ہوگا۔

۷۔ پانچ ناخن کٹوائے یا پانچ سے زیادہ لیکن کسی ایک ہاتھ پیر کے نہیں بلکہ متفرق طور سے کٹوائے تو ایک صدقہ فطر واجب ہوگا۔

اصولی ہدایات

۱۔ اگر ایک ہی صدقے کی قیمت یا چند واجب صدقات کی قیمت ایک قربانی کے برابر ہو جائے چاہے قربانی کے ہا نور از زائل ہونے کی وجہ سے ہو یا چند صدقات کی قیمت اتنی ہو جائے کہ قربانی کے برابر ہو جائے تو اس قیمت میں سے اتنی رقم کم کر لینا چاہیے کہ بقیہ رقم قربانی کی قیمت سے کم رہ جائے۔

۲۔ حج کے واجبات میں سے کوئی واجب اگر کسی عذر کے بغیر ترک کیا جائے تو قربانی واجب ہے اور اگر عذر کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے تو نہ قربانی

۳۔ عذر کی مثالیں، بخار، سردی کی شدت، زخم، سر میں درد وغیرہ، پھر عذر میں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت رہے، نہ یہ ضروری ہے کہ اس سے جان جانے کا خطرہ ہو۔

واجب ہے اور نہ صدقہ۔

۳۔ اترام کی حالت میں جو کام ممنوع ہیں ان کو کر لینے سے بعض صورتوں میں قربانی واجب ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں صدقہ۔ (جیسا کہ جنایات کی اقسام سے واضح ہوا۔) قربانی واجب ہونے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ قربانی کے بجائے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دے دیا جائے اور یہ بھی اختیار ہے کہ جب اور جہاں چاہے صرف تین روزے رکھ لے۔
صدقہ واجب ہونے کی صورت میں اختیار ہے کہ صدقے کے بجائے ایک روزہ رکھ لے۔

شکار کی جزا

منوعاتِ احرام میں سے وحشی جانور کا شکار بھی ہے، ————— شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی اعانت کرنا بھی ممنوع ہے، وحشی کا شکار کرنے سے جزا لازم آتی ہے، جزا کے لغوی معنی بدلے کے ہیں اور شکار کے باب میں اس سے مراد شکار کی وہ قیمت ہے جو دو منصف مزاج و عیب نظر افراد تجویز کریں، قرآن پاک میں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا السَّيِّئَةَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ
وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ
يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ
كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكُمْ صِيَامًا لَيْدُونَ
وَبِالْآمْرِ ۝ - (المائدہ: ۹۵)

”اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار مت مارو، اور تم میں سے کوئی جان بوجھ کر اگر شکار مارے تو جو جانور اس نے مارا ہے اس کے ہم پلہ ایک جانور نذر دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل افراد کریں گے اور یہ ہدی کعبہ بھیجی جائے گی یا اس جہالت کے کفارے میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھ لے۔“

اس آیت میں جس شکار کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ خشکی کا شکار ہے، بحری شکار حالتِ احرام میں ہائز ہے، ہا ہے اس کا کھانا ہائز ہو یا نہ ہو، قرآن کی صراحت ہے۔

أَجَلٌ لَّكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَافَةِ
دَحِيرًا مَّعَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا۔ (المائدہ: ۹۶)

”تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لیے قیام کی صورت میں بھی اور قافلے والوں کے لیے زادِ راہ کے طور پر بھی البتہ خشکی کا شکار جب تک تم حالتِ احرام میں ہو تم پر حرام کیا گیا ہے“

شکار اور جزا کے مسائل

۱۔ خود شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی مدد کرنا بھی ممنوع ہے، جس طرح شکار کرنے والے پر جزا ہے اسی طرح مدد کرنے والے پر بھی جزا ہے۔

۲۔ اگر کئی محرم مل کر ایک شکار ماریں یا ایک مارے اور چند مدد کریں تو سب پر الگ الگ جزا واجب ہوگی۔

۳۔ اگر ایک محرم کئی شکار مارے تو جتنے شکار مارے گا اتنی ہی جزائیں واجب ہوں گی۔

۴۔ صرف وحشی جانور کا شکار کرنے سے جزا واجب ہوتی ہے، پالتو جانوروں کے مارنے سے جزا واجب نہیں ہوتی مثلاً کوئی شخص بکری، گائے، اونٹ، مرغی وغیرہ کو مار دے تو اس سے جزا واجب نہیں ہوتی۔

۵۔ جن جانوروں کا گوشت حلال نہیں ہے وہ چاہے کتنے ہی بڑے ہوں ان کی جزا بکری ہی ہوگی۔ مثلاً کسی نے ہاتھی کو مارا تو اس کی جزا بکری ہی ہوگی۔
۶۔ جوئیں یا ٹڈی اگر تین سے زیادہ مارے یا کسی کو مارنے کا حکم دے تو ایک صدقہ فطر واجب ہوگا، اور تین یا تین سے کم مارے تو جو چاہے صدقہ دے۔

۷۔ شکار اگر کسی کی ملکیت ہو تو دوسری قیمت ادا کرنا ہوگی، راہِ خدا میں جزا تو دے گا ہی، اس شخص کو بھی مجوزہ قیمت دینا ہوگی، جس کا شکار مارا ہے۔

۸۔ شکار جہاں مارا گیا ہے اور جس وقت مارا گیا ہے اسی مقام اور اسی وقت کی قیمت واجب ہوگی، نہ کسی دوسرے مقام کی قیمت کا اظہار ہوگا اور نہ دوسرے وقت کی قیمت کا، اس لیے کہ قیمتیں وقت اور مقام کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی ہیں۔

۹۔ جزا دینے میں یہ بھی اختیار ہے کہ شکار کے ہم پلہ مجوزہ جانور خرید کر حرم بھیج دے جو دہاں ذبح کیا جائے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس قیمت سے غلہ وغیرہ خرید کر ہر مسکین کو ایک صدقہ فطر کے بقدر دے دے، اور یہ بھی اختیار ہے کہ ہر مسکین کے صدقہ فطر کے بدلے ایک روزہ رکھ لے، اور اگر مجوزہ قیمت میں قربانی کا جانور نہ خریدا جاسکتا ہو تو پھر وہی صورتیں ہیں ہر مسکین کو صدقہ فطر کے بقدر دے یا ہر صدقہ کے عوض میں روزہ رکھے۔

۱۰۔ اگر شکار کی مجوزہ قیمت اتنی بھی نہیں ہے کہ ایک صدقہ فطر کے بقدر

فطرہ آٹے کے تو پھر بتائیں اسکے وہ صدقہ کون سے یا ایک روزہ رکھ لے۔
 ۱۱۔ ہذا کے عوض میں جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کا حکم اور مصارف
 بالکل وہی ہیں جو صدقہ فطر کے ہیں۔

احصار کا بیان

احصار کے لغوی معنی ہیں رد کرنا، منع کرنا، باز رکھنا اور اصطلاح فقہ میں احصار یہ ہے کہ کوئی شخص حج یا عمرے کا احرام باندھ لے اور پھر وہ حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا جائے، ایسے شخص کو اصطلاح میں محصر کہتے ہیں۔

احرام باندھنے کے بعد حج سے رُک جانا اور حج یا عمرہ نہ کر سکتا بھی گو نہ جنایت ہے، اس لیے محصر پر واجب ہے کہ وہ اس احصار کے بدلے سب متدد و قربانی دے، اس کو دیم احصار کہتے ہیں، قرآن میں ہے۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ ۖ

ۛ اللہ کی خوشنودی کے لیے حج اور عمرے کی نیت کرو، تو اسے پورا کر دو۔ اور اگر کہیں گھر جاؤ اور رُک جانا پڑے تو جو قربانی میسر آئے اللہ کے حضور پیش کر دو اور اپنے سروں کی تخلیق نہ کر دو جب تک کہ ہدی کا یا نور اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے ۛ

احصار کی چند صورتیں

احرام باندھنے کے بعد حج سے روکے جانے اور حج یا عمرہ نہ کر سکنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ راہ پُر امن نہ ہو، دشمن کا خوف ہو، قتل و غارت کا خوف ہو، راہ میں کوئی درندہ ہو، یا اور کسی طرت کا جان و مال کا واقعی خطرہ ہو۔

۲۔ مرض لاحق ہو جائے، یہ اندیشہ ہو کہ آگے بڑھنے میں مرض بڑھ جائے گا، یا ضعف اور نقاہت کی وجہ سے آگے بڑھنے کی سکت ہی نہ ہو۔

۳۔ احرام باندھنے کے بعد عورت کے ہمراہ کوئی محرم نہ رہے، بیمار ہو جائے، وفات پا جائے، یا جھگڑا ہو جائے اور وہ ساتھ جانے سے انکار کر دے، یا اس کو کوئی جانے سے روک دے۔

۴۔ سفر خرچ نہ رہے، کم پڑ جائے یا چوری ہو جائے۔

۵۔ راستہ بھول جائے اور کوئی راستہ بتانے والا نہ مل سکے۔

۶۔ کسی خاتون کی عدت شروع ہو جائے، مثلاً شوہر طلاق دے دے یا

احرام باندھنے کے بعد وفات پا جائے۔

۷۔ کسی خاتون نے شوہر کی اجازت کے بغیر احرام باندھا ہو اور احرام باندھ

لینے کے بعد شوہر منع کر دے۔

ان تمام صورتوں میں احرام باندھنے والا محصر ہو جائے گا۔

احصار کے مسائل

۱۔ احصار کی صورت میں محصر حسب حیثیت اونٹ، گائے، بکری، جو

بھی میسر ہو خرید کر حرم بھیج دے یا قیمت بھیج دے کہ اس کی طرف سے وہاں قربانی کر دی جائے۔

۲۔ احصار کی قربانی واجب ہے، اور جب تک محصر کی جانب سے حرم میں قربانی نہ ہو، محصر اسرام ختم نہ کرے۔ قربانی کا جانور یا رقم بھیجتے وقت ذبح کا دن مقرر کر دے تاکہ اس دن یہ اپنا اسرام ختم کر دے۔

۳۔ عمرے یا حج افراد سے روکا گیا ہو تو ایک قربانی اور قربان یا تشع سے روکا گیا ہو تو دو قربانیاں بھیجے۔

۴۔ احصار کی قربانی کا گوشت مخصوص کے لیے کھانا جائز نہیں اس لیے کہ یہ گوشت جنایت کی قربانی ہے۔

۵۔ قربانی کا جانور بھیج دینے کے بعد رکاوٹ ختم ہونے کی صورت میں اگر یہ ممکن ہو کہ محصر قربانی کا جانور ذبح ہونے سے پہلے ہی مکے پہنچ جائے گا اور حج کی سعادت بھی حاصل کر سکے گا تو اس پر واجب ہے کہ فوراً حج کے لیے روانہ ہو جائے۔ ہاں اگر قربانی سے پہلے پہنچنے اور حج ادا کر سکنے کا امکان نہ ہو، تو پھر روانہ ہونا واجب نہیں۔

حج بدل

حج بدل کا مطلب ہے اپنے بدلے اپنے مصارف پر دوسرے سے حج کرانا، ایک شخص پر حج تو فرض ہے لیکن وہ کسی بیماری، معذوری یا مجبوری کی وجہ سے خود نہیں کر سکتا، تو اس کے لیے یہ گنہائش ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو

اپنا قائم مقام بنا کر حج کے لیے بھیج دے اور وہ شخص اس کے بجائے حج کر لے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو بکرؓ نے کہا

”یا رسول اللہ! میرے وند بہت ہی بوڑھے ہو چکے ہیں، نہ وہ حج

کر سکتے ہیں نہ عمرہ اور نہ سواری یہ جینے کی ان میں سکت ہے، نبی صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا، تم اپنے والد کی طرف سے حج اور عمرہ داکر لو“

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے واسطے بھی حج اور عمرہ کرنا چاہیے، اور جو شخص

خود اپنا فرض حج ادا نہ کر سکتا ہو وہ دوسرے کو بھیج کر اپنا فریضہ ادا کر سکتا ہے،

بلکہ ایسی صورت میں اپنا فریضہ ادا کرنا ہی بہتر ہے۔ یہ خدا کا فرض ہے اور جو شخص

کسی کو بھیجنے کا موقع نہ پاسکے تو وہ وصت کر جائے کہ اس کے بعد اس کے

مال میں سے حج بدل کر دیا جائے۔

۱۰ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیبیہ میں حاضر ہوئے، اور کہا

یا نبی اللہ! میرے والد کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنی زندگی میں فریضہ حج ادا نہ کر

سکے تھے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کروں، آپؐ نے فرمایا اگر تمہارے

والد پر کسی کا قرضہ ہو تا تو تم ادا کرتے؟ اس شخص نے کہا جی ہاں ضرور ادا کرتا تو

ارشاد فرمایا تو اللہ کا قرضہ ادا کر تا تو اور ضروری ہے۔ ۱۱

حج بدل صحیح ہونے کی شرطیں

حج بدل صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں جن میں سے پہلی پانچ شرطوں کا تعلق توجہ بدل کرانے والے کی ذات سے ہے اور گیارہ کا تعلق حج بدل کرنے والے شخص سے ہے۔

۱۔ حج بدل کرانے والے پر شرعاً حج فرض ہو، اگر کوئی ایسا شخص حج بدل کرائے، جس پر حج فرض نہ ہو (یعنی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو) تو اس حج بدل سے فرض ادا نہ ہوگا مثلاً اس حج بدل کے بعد وہ شخص صاحب استطاعت بن جائے اور اس پر حج فرض ہو جائے، تو اس کرانے ہوئے حج بدل سے اس کا فرض ادا نہ ہوگا بلکہ اس کو حج بدل کرانا پڑے گا۔

۲۔ حج بدل کرانے والا خود حج کرنے سے معذور ہو، اگر معذوری عارضی ہے جس کے زائل ہونے کی امید ہے، تو حج بدل کرانے کے بعد جب وہ معذوری سباتی رہے اس کو پھر حج کرنا پڑے گا۔ اور اگر معذوری مستقل ہے اور اس کے دور ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے مثلاً کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے نہایت کمزور ہے یا نابینا ہے تو اس معذوری کا آخر وقت تک رہنا شرط نہیں ہے اگر اللہ نے اپنے فضل سے یہ معذوری حج بدل کرانے کے بعد دور فرمادی تو اب دوبار حج کرنا فرض نہیں ہے، فرض ادا ہو گیا۔

۳۔ معذوری حج بدل کرانے سے پہلے پائی جائے، اگر معذوری حج بدل کرانے کے بعد پیدا ہوئی ہے تو پہلے کرانے ہوئے حج بدل کا اعتبار نہ ہوگا اور معذوری کے بعد حج بدل کرنا ضروری ہوگا۔

۴۔ حج بدل کرانے والا خود کسی سے حج کے لیے کہے، اگر کوئی شخص اس سے خود دوسرے کی طرف سے اس کے کہے بغیر حج کرے تو فرض ساقط نہ ہوگا، مرتے وقت وصیت کرنا بھی کہنے کے حکم میں ہے، البتہ کسی کا وارث اگر اس کی وصیت کے بغیر بھی اس کی طرف سے حج بدل کر دے یا کسی سے کر دے تو فرض ادا ہو جائے گا۔

۵۔ حج بدل کرانے والا ہی حج کے سارے مصارف خود برداشت کرے۔

۶۔ حج بدل کرنے والا مسلمان ہو۔

۷۔ حج بدل کرنے والا صاحب ہوش و خرد ہو، دیوانہ اور مجنون نہ ہو۔

۸۔ حج بدل کرنے والا بھعدار ہو، چاہے نابالغ ہی ہو، اگر کسی نابالغ سے حج بدل کرایا تو فرض ادا نہ ہوگا۔

۹۔ حج بدل کرنے والا احرام باندھتے وقت اس شخص کی طرف سے حج کی نیت کرے جو حج بدل کر رہا ہے۔

۱۰۔ وہی شخص حج کرے جس سے حج بدل کرانے والے نے کہا ہے، ہاں اگر یہ اجازت دی ہو کہ وہ دوسرے سے بھی حج بدل کر سکتا ہے تو پھر دوسرے کے ذریعے حج بدل کرنا بھی صحیح ہوگا۔

۱۱۔ حج بدل کرنے والا اس شخص کی منشا کے مطابق حج کرے جو حج بدل کر رہا ہے، مثلاً حج کرانے والے نے حج قرآن کو کہا ہے تو حج قرآن کرے، تنہا کو کہا ہے تو حج تنہا ہی کرے۔

۱۲۔ حج بدل کرنے والا ایک ہی حج کا احرام باندھے اور ایک ہی شخص کی طرف سے باندھے، اگر اس نے حج بدل کرانے والے کی طرف سے بھی احرام باندھا اور ساتھ ہی اپنے حج

کا بھی احکام باندھ لیا یا دو افراد کی طرف سے حج بدل کا احکام باندھ لیا تو فرض ادا نہ ہوگا۔

۱۳۔ حج بدل کرنے والا سواری سے حج کے لیے جائے، پایادہ حج نہ کرے۔

۱۴۔ حج بدل کرنے والا اسی مقام سے حج کا سفر کرے جہاں حج بدل کرانے والا رہتا ہو، البتہ میت کے تہائی مال میں سے حج بدل کرایا جاریا ہو تو پھر اس رقم میں جہاں سے حج کیا جاسکتا ہو وہیں سے حج کے لیے سفر کیا جائے۔

۱۵۔ حج بدل کرانے والا حج کو فاسد نہ کرے، اگر فاسد کرنے کے بعد اس کی قضا کرے گا تو اس حج سے حج بدل کرنے والے کا فرض ادا نہ ہوگا۔

۱۶۔ حج بدل کرنے والے سے حج فوت نہ ہو جائے، اگر اس کا حج فوت ہو جائے اور وہ پھر اس حج کی قضا کرے تو اس قضا حج سے حج بدل کرانے والے کا فرض ادا نہ ہوگا۔ بعض کتابوں میں چند شرطیں اور بھی لکھی ہیں، لیکن وہ دراصل انہی شرائط میں سے کسی نہ کسی میں داخل ہیں جنہیں کے یہاں حج بدل کے لیے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ جس سے حج کرایا جا رہا ہے اس نے اپنا فریضہ حج ادا کر لیا ہو۔

۱۷۔ البتہ علماء اہل حدیث کے نزدیک یہ ضروری شرط ہے کہ حج بدل کرنے والا اپنا فریضہ حج ادا کر چکا ہو ورنہ حج بدل صحیح نہ ہوگا۔

مدینہ منورہ کی حاضری

مدینہ طیبہ میں حاضری بلاشبہ جگہ کا کوئی رکن نہیں ہے، لیکن مدینے کی غیر معمولی عظمت و فضیلت، مسجد نبویؐ میں نماز کا بے پایاں اجر و ثواب اور دربار نبویؐ میں حاضری کا شوق، مومن کو کشاں کشاں مدینے پہنچا دیتا ہے، اور امت کا ہمیشہ سے یہی دستور بھی رہا ہے، آدمی دور دراز کا سفر کر کے بیت اللہ پہنچے اور دربار نبویؐ میں درود و سلام کا تحفہ پیش کیے بغیر واپس آئے، یہ زبردست محرومی ہے ایسی محرومی کہ اس کے تصور ہی سے مومن کا دل دکھنے لگتا ہے۔

مدینہ طیبہ کی عظمت و فضیلت

مدینہ طیبہ کی عظمت و فضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ یہاں محسنِ انسانیتؐ نے اپنی زندگی کے دس سال گزارے ہیں۔ یہاں آپؐ کی مسجد ہے جس میں آپؐ نے اپنے پاک ساتھیوں کے ساتھ نمازیں پڑھیں، یہیں پر وہ میدان ہے جہاں حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ ہوئی، اور اسی پاک زمین میں میدانِ ہدر کے وہ شہداء آرام کر رہے ہیں جن سے نسبت پر امت کو بجا طور پر فخر ہے، یہیں پر وہ معبودِ رحیم آرام کر رہی ہیں جن کو نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی، اور اسی سرزمینِ پاک میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔

ہجرت سے پہلے اس شہر کا نام میثرب تھا، ہجرت کے بعد یہ مدینہ اور طیبہ کے نام سے مشہور ہوا اور خدا نے اس کا نام طابہ رکھا ہے۔

طابہ، طیبہ، اور طیبہ کے معنی ہیں، پاکیزہ اور خوش گوار، اور یہ حقیقت ہے کہ مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین واقعی پاکیزہ اور خوش گوار ہے۔

ہجرت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت بلالؓ مدینے میں سخت بیمار ہو گئے اس لیے کہ یہاں کی آب و ہوا انتہائی خراب تھی اور اکثر دہائی بیماریوں کے حملے ہوتے رہتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ ”پروردگار! ہمارے دلوں میں مدینے کی محبت پیدا فرما دے، جس طرح ہمارے دلوں میں مکے کی محبت ہے، یہاں کے بخار کو جحفہ کی جانب نکال دے اور یہاں کی آب و ہوا کو خوشگوار بنا دے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ سے جو غیر معمولی محبت تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب کبھی آپ سفر سے واپس آتے تو ددر سے جو نہی مدینے کی عمارتیں نظر آنے لگتیں، آپ فرط شوق میں اپنی سواری تیز کر دیتے اور فرماتے ”طابہ آگیا“ اور اپنی چادر شانہ اقدس سے نیچے گرا کر فرماتے یہ طیبہ کی ہوائیں ہیں، آپ کے ساتھیوں میں سے جو لوگ گرد و غبار سے بچنے کے لیے اپنے منہ پر کچھ رکھتے اور بند کرتے تو آپ اس سے روکتے اور فرماتے مدینے

۱۔ حضرت باہر بن عمروؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے اللہ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔ (۱)

۲۔ بخاری۔

۳۔ بخاری۔

کی خاک میں شفا ہے۔^{۱۰}

نیز آپ کا ارشاد ہے۔

”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، مدینے کی خاک میں ہر مرض کے لیے شفا ہے، حضرت سعدؓ فرماتے ہیں امیر انبیاء ہے آپؐ نے فرمایا تھا، ”اور بنیام اور برص کے لیے بھی اس میں شفا ہے۔“^{۱۱}

مدینے کی عتصاف اور احترام کی تاکید آپؐ نے ان الفاظ میں فرمائی ”ابراہیمؑ نے مکے کو ”حرم“ قرار دینے کا اعلان فرمایا تھا اور میں مدینے کے حرم ہونے کا اعلان کرتا ہوں، مدینے کے دونوں دروں کے درمیان کا پورا رقبہ ”حرم“ ہے، اس میں خونریزی نہ کی جائے کسی پر ہتھیار نہ اٹھایا جائے۔ اور درختوں کے پتے تک نہ جھاڑے جائیں البتہ چارے کے لیے جھاڑے جاسکتے ہیں۔“^{۱۲}

مدینے میں آدھن اختیار کرنے اور یہاں کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کی فضیلت بتاتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا

”نہی اُمت کا جو شخص بھی مدینے کی سختی اور شدت کو برداشت

۱۰ جذب القلوب۔

۱۱ التزغیب۔

۱۲ مسلم۔

کر کے وہاں سکونت پذیر رہے گا، قیامت کے روز میں اس کی شفاعت
کر دیے گا۔

نیز فرمایا

”اپنی امت کے لوگوں میں سب سے پہلے میں مدینے والوں
کی شفاعت کروں گا پھر اہل مکہ کی اور پھر طائف والوں کی۔“

حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کی سرزمین میں اپنی ذریت کو بھاتے ہوئے دعا فرمائی

تھی۔

فَاَجْعَلْ اٰلِهٰدَنَا مِنَ النَّاسِ تَهْمِيْنَ اِلَيْهِمْ وَاَسْأَلُكَهُمْ
مِنَ النَّسَمَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ

”بلند تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں کھانے

کے لیے سہل عطا فرما تاکہ یہ تیرے شکر گزار بندے بن کر رہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کا حوالہ دیتے ہوئے مدینے کے حق میں

خیر و برکت کی دعا فرمائی تھی،

”اے اللہ! ابراہیمؑ، تیرے خاص بندے، تیرے دوست

اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انہوں نے

۱۔ مسلم۔

۲۔ طبرانی۔

۳۔ ابراہیم، ۳۰۔

مکتے کی خیر و برکت کے لیے تمہارے دعا کی تھی اور میں مدینے کی
خیر و برکت کے لیے تمہارے دعا کرتا ہوں بلکہ اتنی ہی اور زیادہ۔

مدینے کی پاکی اور دینی اہمیت بتاتے ہوئے آپ نے فرمایا

”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک مدینہ اپنے اندر
کے شریعتِ معصومہ کو اس طرح باہر نہ نکال پھینکے جس طرح لوہار کی بھٹی
لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔“

مدینے میں وفات پانے کی آرزو اور کوشش کی فضیلت بتاتے ہوئے آپ

نے ارشاد فرمایا

”جو شخص مدینے میں وفات پانے کی کوشش کر سکتا ہو اس کو ضرور

کوشش کرنی چاہیے کہ مدینے ہی میں اس کو موت آئے، اس لیے کہ

جو شخص مدینے میں وفات پائے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔“

حضرت ابن سعدؓ کا بیان ہے کہ خوف بن مالکؓ نے خواب دیکھا

کہ حضرت عمرؓ شہید کر دیے گئے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے اپنے اس خواب

کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے بڑی حسرت سے کہا

”بھائی مجھے شہادت کیونکر نصیب ہوگی! جب کہ میں جزیرۃ العرب میں

۱۔ سلم۔

۲۔ سلم۔

۳۔ مسند احمد، ترمذی۔

رہ رہا ہوں، میں خود جہاد میں شریک نہیں ہوتا اور لوگ ہر وقت مجھے گھیرے رہتے ہیں، ہاں اگر خدا کو منظور ہوگا تو وہ انہی سالات میں مجھے شہادت کی سعادت سے نوازے گا۔ اور اس کے بعد آپ نے یہ دعا کی

اَللّٰهُمَّ اَسْأَلُكَ شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدٍ رَّسُوْلِكَ۔

”اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور مجھے اپنے رسولؐ

کے شہر میں موت دے۔“

مسجد نبویؐ کی عظمت

مسجد نبویؐ کی عظمت اور فضیلت کے لیے یہی بات کیا کم ہے کہ اس کی تعمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائی، اور برسوں اس میں نماز پڑھی، اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور اس کو اپنی مسجد کہا، آپؐ کا ارشاد ہے۔

”میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں

پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، سوائے مسجد حرام کے۔“

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

”جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس وقت کی نمازیں

اس طرح پڑھیں کہ درمیان میں کوئی نماز بھی فوت نہیں ہوئی تو

اس کے لیے جہنم کی آگ اور ہر عذاب سے برأت لکھ دی جائے گی

اور اسی طرح نفاق سے برارت لکھ دی جائے گی ﷺ

نیز ارشاد فرمایا

”میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں

میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا ممبر حوض کوثر پر ہے۔“

روضۂ اقدس کی زیارت

کتنے خوش نصیب تھے وہ مومنین جن کی آنکھیں دیدار رسول سے روشن

ہوئیں، جو آپ کی صحبت میں رہے، اور شب دروڑ آپ کے کلام سے مستفیض

ہوئے، یہ سعادت تو صرف صحابہ کرامؓ کے لیے مخصوص تھی لیکن یہ موقع قیامت

تک باقی ہے کہ مشتاقانِ دیلِ دروڑ و منۂ اقدس پر سامنری دیں اور آپ کی دہلیز پر

کھڑے ہو کر درود و سلام کے تحفے پیش کریں۔

* حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جس

شخص نے سچ کیا، اور میری وفات کے بعد اس نے میرے روضے کی زیارت کی

تو وہ زیارت کی سعادت پانے میں اسی شخص کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں

میری زیارت کی ﷺ

نیز ارشاد فرمایا:-

۱۔ الترغیب، مسند احمد

۲۔ بخاری، مسلم۔

۳۔ بیہقی۔

”جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی، اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی اور میری امت کا جو شخص میری زیارت کرنے کی وسعت اور طاقت رکھنے کے باوجود میری زیارت نہ کرے تو اس کا کوئی عذر، عذہ نہیں ہے۔“

اور فرمایا

”جو شخص میری زیارت کے لیے آئے اور اس کے سوا اس کو کوئی دوسرا کام نہ ہو تو اس کا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں اس کی شفاعت کروں۔“
روضۂ اقدس کی زیارت کا حکم

روضۂ اقدس کی زیارت واجب ہے، احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے آپ کا ارشاد ہے جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا، اس نے مجھ پر ظلم کیا، اور ایک حدیث میں ہے، جس نے استقطاع کے باوجود میری زیارت نہیں کی اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ — انہی احادیث کی روشنی میں علماء نے روضۂ اقدس کی زیارت کو واجب قرار دیا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ، تابعین اور دوسرے اسلاف روضۂ اقدس کی زیارت

۱۔ علم الفقہ۔

۲۔ علم الفقہ جلد پنجم۔

۳۔ علم الفقہ جلد پنجم۔

کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب بھی کسی سفر سے آتے تو سب سے پہلے
روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں درود و سلام پڑھتے۔
حضرت عمرؓ کو جب احبار کو لے کر مدینے آئے اور مدینے پہنچ کر سب سے
پہلے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، اور جناب رسالتؐ میں درود و سلام پیش کیا۔
حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ نے تو شام سے غامی اس مقصد کے لیے اپنے
قاصد کو مدینہ منورہ بھیجا کہ وہ وہاں پہنچ کر دربار رسالتؐ میں ان کا سلام پہنچا دے۔

حج کی دعائیں — ایک نظر میں

حج کے دوران مختلف مقامات پر ارکان حج ادا کرتے وقت جو سنون دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ اپنے اپنے موقع پر اس کتاب میں نقل کی گئی ہیں، اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ اور مطلب بھی دیا گیا ہے۔ یہاں ان کی فہرست اور صفحات نقل کیے جاتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت آسانی سے استفادہ کیا جاسکے۔

۱۔ آپ زمرم پیتے وقت کی دعا۔ ۳۵۷

۲۔ تلبیہ۔ ۳۵۶

۳۔ تلبیہ کے بعد کی دعا۔ ۳۵۶

۴۔ رکن یمانی کی دعا۔ ۳۵۷

۵۔ رمی کی دعائیں۔ ۳۵۸

۶۔ سعی کی دعائیں۔ ۳۵۹

۷۔ طواف کی دعا۔ ۳۶۰

۸۔ قبولیت دعا کے مقامات۔ ۳۶۱

۹۔ قربانی کی دعا۔ ۳۶۲

۱۰۔ ملتزم کی دعا۔ ۳۶۳

۱۱۔ میدان عرفات کی دعائیں۔ ۳۶۴

مقامات حج

حرم پاک اور اُس کے قُرب و جوار کے مقدس مقامات جہاں حج۔
 دار کا ان ادا کیے جاتے ہیں نہایت ہی قابلِ عظمت و احترام ہیں، یہ دواصل
 شعائر اللہ ہیں، ان کا اسلامی تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔ ان سے واقف ہونا
 ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، بالخصوص زائرینِ حرم کے لیے، تاکہ وہ حج سے
 پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں، اور ان کے حج میں وہ روحانی کیفیت پیدا ہو سکے
 جو حج کی جہاں ہے۔ سہولت کے لیے ان مقامات کا تعارفِ حروفِ تہجی کی
 ترتیب کے مطابق پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ بیت اللہ

یہ ایک چوکور مقدس عمارت ہے، جو اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے تعمیر
 فرمائی تھی اور ان جذبات اور تمنائوں کے ساتھ تعمیر فرمائی تھی، کہ یہ ساری انسانیت کے
 لیے رہتی دنیا تک مرکزِ ہدایت بنے۔ یہیں سے وہ رسول انھیں جو سارے
 عالم کی رہنمائی اور ہدایت کا عظیم فریضہ انجام دیں، اور یہیں سے ان کی قیادت
 میں وہ اُمت اُٹھے جو قیامت تک تبلیغِ دین اور کارِ رسالت کا گراں ترین فریضہ
 انجام دیتی رہے، قرآن کی شہادت ہے کہ روئے زمین پر اولادِ آدم کے اپنے
 خدا کی عبادت کا سب سے پہلا گھر جو تعمیر ہوا وہ یہی ”بیت اللہ“ ہے، یہ سارے
 فجہاں کے لیے خیر و برکت کا سرچشمہ اور مرکزِ ہدایت ہے، حج میں زائرِ حرم
 اسی کے گرد و الہانہ طواف کرتا ہے۔

۲۔ بطنِ عُرْنہ

میدانِ عرفات میں ایک خاص مقام ہے جو بطنِ عُرْنہ یا دادی عُرْنہ کے نام سے مشہور ہے، حجتہ الوداع کے موقع پر اسی دادی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو خطاب فرمایا تھا۔

۳۔ جبلِ رحمتہ

میدانِ عرفات کے درمیان ایک متبرک پہاڑ ہے۔

۴۔ جبلِ عرفات

میدانِ عرفات کا ایک پہاڑ ہے اور اس پہاڑ کی وجہ سے ہی اس دادی کو دادی عرفات یا میدانِ عرفات کہتے ہیں۔

۵۔ جبلِ قُزَح

مزدلفے میں مشعر الحرام کے پاس ایک پہاڑ ہے۔

۶۔ حُجُفہ

مکہ معظمہ سے مغرب کی جانب تقریباً ایک سو اسی کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے، یہ اہل شام کے لیے اور ان تمام لوگوں کے لیے سیقات ہے جو شام کے راستے سے حرم میں داخل ہوں۔

۷۔ حِجْرَات

ستی میں فاصلے فاصلے سے تین مقامات پر تین ستون بنے ہوئے ہیں ان ستونوں کو حِجْرَات کہتے ہیں۔ پہلا ستون جو مسجدِ خیف کی جانب بازار میں ہے اس کو حِجْرۃ اُولٰی کہتے ہیں، دوسرا ستون جو بیت اللہ کی جانب ہے اس کو

جرمہ عقبی کہتے ہیں، تیسرا ستون جوان کے درمیان میں ہے اس کو جرمہ وسطی کہتے ہیں۔

۸۔ حرم

شہر مکہ جس میں بیت اللہ اور مسجد حرام واقع ہے اور اس کے آس پاس کے کچھ علاقے حرم کہلاتے ہیں، حرم کے یہ حدود معلوم اور متعین ہیں، پہلے یہ حدود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقرر فرمائے تھے پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد رسالت میں ان حدود کی تجدید فرمائی۔

مدینے کی سمت میں تقریباً پانچ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے، اس کی جانب تقریباً گیارہ کلومیٹر، اور طائف کی جانب بھی تقریباً گیارہ کلومیٹر اور قریب قریب اتنے ہی کلومیٹر تک عراق کی جانب حرم کی حد ہے اور جدے کی سمت میں تقریباً سترہ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اس حد کو اپنے دور میں ان حدود کی تجدید فرمائی۔ خدا کے دین سے شغف اور وفاداری کا تقاضا ہے کہ مسلمان ان حدود کی عظمت و احترام اور حفاظت کا پورا پورا اہتمام کریں۔ اور ان امور سے بچے رہیں جن کا کرنا ان حدود میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

۹۔ حطیم

بیت اللہ کے شمال، مغرب کا وہ حصہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں کعبہ کی عمارت میں شامل تھا، اور بعد کی تعمیر میں شامل نہ کیا جاسکا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے آگ لگنے کی وجہ سے کعبہ کا کچھ حصہ جل گیا تھا، قریش نے جب اس کی دوبارہ تعمیر کی تو مسرمایہ کم پڑ گیا اور کچھ دیوار چھوٹی کر دی

گئی، اسی چھوٹے ہوئے حصے کو عظیم کہتے ہیں۔ عظیم جو مکہ فی الواقع بیت اللہ ہی کا حصہ ہے اس لیے طواف کرنے والے عظیم کے باہر باہر طواف کرتے ہیں تاکہ عظیم کا بھی طواف ہو جائے۔

۱۰۔ ذاتِ عرق

مکہ معظمہ سے شمال شرقی کی جانب مکے سے تقریباً اتنی کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے یہ اہل عراق کے لیے میقات ہے اور ان سارے لوگوں کے لیے بھی جو عراق کی جانب سے حرم میں داخل ہوں۔

۱۱۔ ذوالحلیفہ

مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ آتے ہوئے، مدینے سے آٹھ، نو کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے، یہ مقام مکہ معظمہ سے تقریباً ڈھائی سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ مدینے سے آنے والے لوگوں کے لیے میقات ہے۔

۱۲۔ رکنِ یثانی

بیت اللہ کا وہ گوشہ جو بین کی جانب ہے اس کو رکنِ یثانی کہتے ہیں، یہ انتہائی متبرک مقام ہے، آپ کا ارشاد ہے ”رکنِ یثانی اور حجرِ اسود کو چھونے سے خطائیں مٹ جاتی ہیں“ ۵

۱۳۔ زمزم

زمزم ایک تاریخی کنواں ہے جو بیت اللہ سے مشرق کی جانب واقع ہے،

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کے حکم سے اسمعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہ السلام کو مکہ کے بے آب و گیاہ ریگستان میں لاکر بسایا تو اللہ نے ان پر رحم کھا کر خصوصی فضل فرمایا اور اس چٹیل میدان میں ان کی خاطر زمزم کا یہ چشمہ جاری فرمایا۔ حدیث میں اس چشمے کی اور اس کے پانی کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے آپؐ زمزم کو خوب سیر ہو کر پینا چاہیے۔ یہ جس مقصد کے لیے پیاجائے مفید ہے، یہ بھوکے کے لیے غذا ہے اور بیمار کے لیے شفا ہے۔

۴-۱۴۔ صفا

بیت اللہ سے جنوب کی جانب ایک پہاڑی کا نام ہے، اب تو اس پہاڑی کا بہت معمولی سا نشان باقی رہ گیا ہے، اس کے بالمقابل بیت اللہ کے شمال میں مردہ پہاڑی ہے اور ان دونوں کے درمیان زائرِ حرم کے لیے سعی کرنا واجب ہے، اس سعی کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔

۱۵۔ عرفات

مکہ مکرمہ سے تقریباً پندرہ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک نہایت ہی وسیع و عریض کشادہ میدان ہے، حرم کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ میدانِ عرفات میں پہنچنا اور وقوف کرنا حج کا اہم ترین رکن ہے، اور جس نے یہ رکن چھوڑ دیا اس کا حج ہی نہیں ہوگا۔ حدیث میں وقوفِ عرفات کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

۱۶۔ قرن المنازل

مکہ معظمہ سے شرق کی جانب جانے والی سڑک پر ایک پہاڑی مقام ہے، یہ مکہ

معظمہ سے تقریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ نجد کے رہنے والوں کے لیے میقات ہے اور ان سارے لوگوں کے لیے بھی جو نجد کے راستے حرم میں داخل ہوں۔

۱۷۔ محصب

مکہ معظمہ اور منیٰ کے درمیان ایک میدانی تھا جو دو پہاڑیوں کے درمیان واقع تھا اس کو محصب کہتے تھے۔ آج کل یہ آباد ہو گیا ہے اور اب اس کو ”معاہدہ“ کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے جاتے ہوئے یہاں کچھ دیر کے لیے ٹھہرے تھے، لیکن محصب میں ٹھہرنا مناسک حج میں سے نہیں ہے۔

۱۸۔ مزدلفہ

منیٰ اور عرفات کے باطل درمیان میں ایک مقام ہے اس کو جمع بھی کہتے ہیں اس لیے کہ ۱۰ ذوالحجہ کی شب میں مابقی لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں، مزدلفہ میں وقوف واجب ہے اور وقوف کا اصل وقت طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک ہے۔

۱۹۔ مسجد الحرام

مسجد الحرام دنیا کی تمام مسجدوں میں افضل مسجد ہے بلکہ نماز پڑھنے کی اصل جگہ ہی ہے اور دنیا کی ساری مسجدیں درحقیقت اسی کی قائم مقام ہیں۔ یہ وہ مبارک مسجد ہے جس کے درمیان میں اللہ کا وہ گھر واقع ہے، جو دنیا میں خدا کی عبادت کا سب سے پہلا گھر ہے اور جو ساری انسانیت کے لیے ہدایت و برکت کا حصہ چشمہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا

اجر و ثواب دوسری جگہ ایک لکھ نامزدوں کے برابر ہے۔

۲۰۔ مسجد نبویؐ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حب ہجرت فرما کر مدینے آئے تو آپؐ نے یہاں ایک مسجد تعمیر فرمائی، تعمیر میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ آپؐ خود بھی برابر شریک رہے، اور اس کے بارے میں فرمایا، یہ میری مسجد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں اس مسجد میں نماز پڑھی، اور صحابہ کرامؓ نے بھی برسوں پڑھی، اس مسجد کی فضیلت و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا

”صرف تین مسجدوں کے لیے آدمی سفر کر سکتا ہے، مسجد حرام کے لیے، مسجد اقصیٰ کے لیے اور میری اس مسجد کے لیے“

نیز ارشاد فرمایا۔

”جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس وقت کی نمازیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان میں کوئی غارت فوت نہیں ہوئی، تو اس کے لیے جہنم کی آگ اور عذاب سے برارت اور نجات لکھ دی جائے گی، اور اسی طرح نفاق سے برارت لکھ دی جائے گی“

۲۱۔ مسجد خیف

یعنی میں ایک مسجد ہے، یعنی میں وقوف کے دوران حجاج اسی مسجد میں ظہر، عصر

مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھتے ہیں۔

۲۲۔ مسجد نمروہ

حرم اور عرفات کی عین سرحد پر یہ مسجد واقع ہے۔ اس مسجد کی جو دیوار کے کی جانب ہے وہ حرم اور عرفات کے درمیان حد فاصل ہے، دور ماہیت میں قمریوں کے لوگ عرفات جانے کے بجائے حرم کے حدود ہی میں یعنی مشعر الحرام کے پاس قوت کرتے تھے، اور اس کو اپنا خصوصی امتیاز سمجھتے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہ حکم دیا تھا کہ آپ کا غیمہ نمروہ میں نصب کیا جائے، چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق آپ کا غیمہ نمروہ ہی میں نصب کیا گیا۔ اسی مقام پر ”مسجد نمروہ“ ہے۔

۲۳۔ مشعر الحرام

مزدلفے کے میدان میں ایک اونچا سا نشان ہے، اس کے کنارے کنائے اساطیر بنا دیا گیا ہے، اس کو مشعر الحرام کہتے ہیں۔ اس مقام پر کثرت سے ذکر تسبیح کی تاکید کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہاڑ پر چڑھ کر ذکر تسبیح فرمائی اور دعا کی۔ یہ مقام بھی دعا کی قبولیت کے مقامات میں سے ہے۔

فَإِذَا أَقَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ
الْحَرَامِ وَادْكُرُوا كَمَا هَدَاكُمْ۔ (البقرہ: ۱۹۸)

”پس جب تم عرفات سے لوٹ کر آؤ تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔“

اور جس طرح تمہیں اس نے ہدایت دی ہے اسی طرح یاد کرو۔“

۲۴۔ مطاف

بیت اللہ کے چاروں طرف کنارے کنارے بیسوی شکل کی جگہ بنی ہوئی ہے، جس میں حطیم بھی داخل ہے، اس کو مطاف کہتے ہیں۔ مطاف طواف کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں، یہاں شب روز بیت اللہ کے پروانے طواف کرتے نظر آتے ہیں اور جماعت کے وقت کے علاوہ دن بویا رات ہر وقت کچھ لوگ طواف میں مشغول ہوتے ہیں۔

۲۵۔ مقام ابراہیم

بیت اللہ سے شمال و مشرق کی جانب باب کعبہ سے کچھ فاصلے پر ایک قبۃ بنا ہوا ہے اس کے اندر ایک مبارک پتھر رکھا ہوا ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشانات ہیں، اسی کو مقام ابراہیم کہتے ہیں، یہ انتہائی متبرک مقام ہے، یہ خدا کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے، خدا کی ہدایت ہے

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّی - (البقرہ: ۱۲۵)

”اور مقام ابراہیم کو مستقل عبادت گاہ قرار دے لو۔“

طواف کے شروط پورے کرنے کے بعد طواف کرنے والے مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے ہیں، نماز پڑھنے کی جگہ مقام ابراہیم اور باب کعبہ کے درمیان بنی ہوئی ہے۔ حضرت امام مالک کا بیان ہے کہ مقام ابراہیم م اس وقت اُسی جگہ رکھا ہوا ہے جہاں اس کو حضرت ابراہیم رکھ گئے تھے۔

۲۶۔ ملتزم

بیت اللہ کی دیوار کے اس حصے کو کہتے ہیں جو باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے۔ یہ تقریباً چھ فٹ کا حصہ ہے اور قبولیت دعا کے اہم مقامات میں سے ہے، ملتزم کے معنی ہیں چپٹنے کی جگہ۔ اس مقام سے چمٹ کر اور چہرہ لگا کر انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا مانگنا مسنون ہے۔

۲۷۔ مٹی

حدود حرم میں مکہ مکرمہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔ ذوالحجہ کی آٹھویں اور نویں تاریخ کی درمیانی شب، حجاج اسی مقام پر گزارتے ہیں اور ۹ ذوالحجہ کو اچھی طرح دن نکلنے کے بعد عرفات کی طرٹ روانہ ہوتے ہیں۔

۲۸۔ میلین انخضرین

صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان مروہ کی طرٹ جاتے ہوئے بائیں جانب کو دوسرے نشان ہیں ان کو میلین انخضرین کہتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان دوڑنا مسنون ہے، مگر صرف مردوں کے لیے خواتین نہ دوڑیں، بلکہ معمولی رفتار سے ہی سعی کریں۔

۲۹۔ دادی محسر

مزدلفہ اور مٹی کے درمیانی راستے میں ایک مقام ہے اس کو محسر کہتے ہیں۔ ولادت رسولؐ سے چند ہی یوم پہلے حبشہ کے عیسائی حکمران ابرہہ نے بیت اللہ کو ڈھانے کے ناپاک ارادے سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی، جب وہ دادی محسر

میں پہنچا تو خدا نے سمندر کی جانب سے نئے نئے پرندوں کی فوج بھیجی تھی جسے
 چنچوں اور چوچوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں، اور انہوں نے ابرہہ کی ہاتھی
 حواری فوج پر کنکریوں کی ایسی ہلکت انگیز بارش کی کہ ساری فوج تھس تھس ہو گئی۔
 زائرین حرم اس مقام سے کنکریاں اٹھا کر ساتھ لاتے ہیں اور اسی سے رمی کرتے
 ہیں جو اس عزم کا اظہار ہے کہ دین حق کی بنیادیں ڈھانے کے لیے کسی نے بھی
 آگے بڑھنے کا ناپاک ارادہ کیا تو ہم اسے اسی طرح تھس تھس کر دیں گے جس طرح
 ابابیل نے ابرہہ کی فوج کو تھس تھس کر دیا تھا۔

دادئی محشر کے پورے میدان میں بھورے رنگ کی بھری ہے، حجاج کو ہائیے
 کہ یہاں سے چنے کے دانے کے برابر کنکریاں حسب ضرورت اٹھا کر جلد اس مقام
 سے گزر جائیں، یہ مقام مذاب ہے۔

۳۰ یلملم

یلملم سے جنوب، مشرق کی سمت میں یمن سے آئے والے راستے پر ایک
 پہاڑی مقام ہے جو یلملم سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر کی دوری پر ہے، یہ یمن اور
 یمن کی سمت سے آنے والوں کی میقات ہے، اہل ہند اور اہل پاکستان کو
 بھی اسی مقام پر احرام باندھنا ہوتا ہے۔